دولت کے پجاری

اقبال کاظمی

2

پولیس کے ترجمان کے مطابق ملزم تعلیم یافتہ ہے لیکن آوارہ قسم کے دوستوں کی صحبت میں رہنے سے غلط راستے پر چل نکلا تھا۔ پولیس کے مطابق ملزم نے نہ صرف ڈی ایس پی کے قتل کا اعتراف کر لیا ہے بلکہ اور بھی بہت سی سنگین وارداتوں میں ملوث ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

خبر پڑھ کر شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ پولیس نے نجانے کس بے گناہ کو ڈی ایس پی کے قتل کے الزام میں پکڑا تھا اور لطف کی بات تو یہ تھی کہ اس سے ایک ناکردہ جرم کا اعتراف بھی کروا لیا تھا۔ ایک لحاظ سے پولیس کی یہ کارروائی شارق کے حق میں بہتر تھی۔ اس طرح وہ شبہے کی زد سے نکل گیا تھا۔

اس نے اخبار تہہ کر کے ہاتھ میں پکڑ لیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دائیں طرف مرغ پلاؤ کی دکان تھی۔ پلاؤ کی خوشبو سے اِسے بھوک کا احساس ہونے لگا اور وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا دکان کے سامنے پہنچ گیا۔ دکان چھوٹی تھی اندر بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی وہ باہر ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔

جب وہ گھر پہنچا تو ڈھائی بجنے والے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ثمینہ بھی پہنچ گئی۔ دھوپ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے چادر اتار کر میز پر پھینک دی اور پنکھے کے نیچے کرسی پر بیٹھ گئی۔ تانگے کا اسٹاپ وہاں سے کافی دور تھا اور وہاں تک اسے پیدل آنا جانا پڑتا تھا۔

"کیا سوچا ہے تم نے شارق؟" بالآخر ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کس سلسلے میں؟" شارق نے پوچھا۔

"وہی وکیل والا معاملہ؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ پروگرام تو ہم نے رات ہی کو فائنل کر لیا تھا۔" شارق بولا۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے اپنا ارادہ نہیں بدلا۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"میں جو فیصلہ کرتا ہوں بہت سوچ سمجھ کر کرتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں نے اپنے دشمن کو بڑی مشکل سے تلاش کیا ہے۔ اسے کیسے معاف کر سکتا ہوں۔"

ثمینہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔

"اپنے دشمن کو معاف کر دینا سب سے بڑی بہادری ہے۔"

"لیکن میں معاف نہیں کر سکتا۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"تم اگر اس معاملے میں میری مدد نہیں کر سکتیں تو انکار کر دو۔ میں کوئی دوسرا انتظام کر لوں گا۔"

"مجھے انکار نہیں۔" ثمینہ بولی۔ "تمہارے لئے میں نے اتنی ذلت اٹھائی ہے۔ تھانے تک ہو آئی ہوں۔ اب کیا رہ گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم آٹھ بجے یہاں سے نکلیں گے۔ میں تمہیں اچھی طرح سمجھا دوں گا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔" شارق نے کہا۔

اور پھر ٹھیک آٹھ بجے وہ گھر سے نکل کر دھوبی گھاٹ کی طرف جا رہے تھے۔ شارق راستے میں اسے سمجھا رہا تھا۔

"سلمان کو پہچاننے میں تمہیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اس کے دوست کا نام تو مجھے معلوم نہیں لیکن سلمان اسے ملک صاحب کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ ملک نے کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کے شوہر کو بھیج دے گا۔ لیکن تم کوئی بہانہ بنا کر کہو گی کہ تمہارا شوہر نہیں آ سکا اس لئے تم خود اسے لینے کے لئے آئی ہو تاکہ گھر میں بیٹھ کر اطمینان سے بات کی جا سکے۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے شارق۔" ثمینہ بولی۔ "اگر کسی نے مجھے پہچان لیا تو۔"

"تم چادر اس طرح اوڑھے رہنا کہ کوئی دوسرا تمہارا چہرہ نہ دیکھ سکے۔" شارق بولا۔ دھوبی گھاٹ کے دوسری طرف سڑک پر انہیں رکشہ مل گیا۔

رکشہ کوہ نور مل کے گیٹ کے سامنے پیپلز کالونی کی سڑک پر مڑ گیا۔ ڈی گراؤنڈ شروع ہوتے ہی شارق نے رکشہ رکوا لیا اور ڈرائیور کو پیسے دے کر رخصت کر دیا اور وہ دونوں سڑک سے ہٹ کر گھاس کے میدان میں چلنے لگے۔ سامنے شاپنگ ایریا برقی روشنیوں سے جگ مگا رہا تھا۔ شارق ایک جگہ رک گیا۔

"وہ سامنے ریسٹورنٹ ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "لان میں میزیں

کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ سلمان وہیں بیٹھا ہو گا۔ نوکدار داڑھی اور طوطے جیسی خمیدہ ناک۔ یہی اس کی شناخت ہے۔ تم اسے لے کر اس طرف آؤ گی۔" اس نے پارک میں ایک طرف اشارہ کیا۔ "میں وہاں انتظار کروں گا۔ اس کے بعد میں سنبھال لوں گا۔"

"مم.... مجھے ڈر لگ رہا ہے شارق۔" ثمینہ کے لہجے میں خوف تھا۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں، تم کسی کو قتل کرنے نہیں جا رہی ہو۔" شارق بولا۔ "بس اسے اپنے ساتھ لے کر آنا ہے۔ تم اسے بتاؤ گی تو وہ فوراً ہی تمہارے ساتھ چل پڑے گا۔ اب جاؤ۔ کہیں وہ اٹھ کر چلا نہ جائے۔"

ثمینہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی ریسٹورنٹ کی طرف چلنے لگی۔ اس کا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ جس شخص کو بلانے جا رہی ہے اس کا حشر کیا ہو گا۔ شارق کے سر پر خون سوار تھا اور وہ ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتارنے میں اس کی مددگار بن رہی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر پکڑے گئے تو اس کا اپنا انجام کیا ہو گا لیکن وہ نتائج سے بے پرواہ ہو گئی تھی۔ شارق نے اس کا دل مٹھی میں لے لیا تھا اور وہ اس کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہو گئی تھی۔

جب وہ ہوٹل کے سامنے لان کے قریب پہنچی تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ لان میں تقریباً تمام ہی میزیں بھری ہوئی تھیں۔ صرف ایک میز ایسی تھی جس پر ایک آدمی اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ شارق کے بتائے ہوئے حلئے کے مطابق ثمینہ کو اسے شناخت کرنے میں واقعی کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ سلمان ایڈووکیٹ تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اس کی میز کے قریب پہنچ گئی۔

"آپ سلمان انکل ہیں نا؟" اس نے جھکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ میرا نام سلمان ہی ہے لیکن تم کون ہو بی بی؟" سلمان نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ثمینہ کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔

"میں رابعہ ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔ "ملک صاحب نے میرے شوہر سے کہا تھا کہ آج اسی جگہ آپ سے مل لے لیکن شام کو وہ سائیکل سے گر گیا اس کی ٹانگ میں چوٹ آ گئی اس لئے مجھے آنا پڑا۔ وہ جائداد والا مسئلہ ہے۔"

"اوہ۔ سمجھ گیا۔ قصہ کیا ہے؟" سلمان بولا۔

"یہاں نہیں انکل۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں کبھی اس جیسی جگہ پر نہیں آئی۔ آپ کو زحمت تو ہو گی۔ میرا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔"

"او' ہاں۔ ملک صاحب نے بتایا تھا کہ تمہارا گھر غوطیہ دربار کے قریب ہے۔ میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔" سلمان کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ اس نے ویٹر کو بلا کر بل ادا کیا اور ثمینہ کے ساتھ ریسٹورنٹ کے لان سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔

وہ کچھ دور تک سڑک پر چلتے رہے پھر ثمینہ ڈی گراؤنڈ والے پارک میں داخل ہو گئی۔ پارک میں کہیں کہیں لوگ بیٹھے ہوئے تھے' بچے بھی کھیل رہے تھے۔ وہ دونوں پارک سے نکل کر دوسری سڑک پر پہنچ گئے' سڑک کے دوسری طرف جھاڑیاں تھیں۔ ثمینہ چلتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی' اس وقت اس کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی تھی۔ وہ سڑک پر تقریباً پچاس قدم چلے تھے کہ اچانک ہی جھاڑیوں سے ایک سایہ نکل کر ان کے سامنے آ گیا۔ وہ شارق تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"خاموشی سے چلتے رہو۔ منہ سے کوئی آواز نکالنے یا بھاگنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔" شارق غرایا۔ اس نے پستول کی نال سلمان کے پہلو سے لگا دی۔

"کک.... کون ہو تم....." سلمان بدحواس ہو گیا۔

"تم مجھے پہچان نہیں سکے لیکن میں وہ ہوں جس کے خوف سے تم لاہور سے بھاگ کر یہاں چھپے ہوئے ہو۔" شارق نے کہا۔

"شش.... شا...." سلمان ہکلا کر رہ گیا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ میں شارق ہوں۔ جس کے ماں باپ کو تم نے قتل کروایا اور جسے اپنے ماں باپ کے قتل کے جھوٹے الزام میں جیل بھجوایا۔ جس کے گھر کو جلا کر تم نے راکھ کر ڈالا۔ اس روز تو تم نے مجھے پہچان لیا تھا جب لوہاری گیٹ پر ہمارا آمنا سامنا ہوا تھا۔ تم جان کے خوف سے لاہور چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لیکن میں اپنے دشمنوں کو نہیں بھولا۔ ڈی ایس پی کو ٹھکانے لگانے کے بعد میں نے تمہاری تلاش شروع کر دی اور بالآخر تمہیں تلاش کر ہی لیا۔"

"تت.... تم غلط سمجھے ہو۔" سلمان ہکلایا۔ "مم.... میں بے قصور ہوں.... ساری سازش اس انسپکٹر کی تھی۔ تمہیں جیل بھجوانے کے بعد وہ مجھے بھی بلیک میل کرتا رہا۔ وہ ڈی ایس پی ہو گیا تھا لیکن ہر مہینے مجھ سے پانچ ہزار روپے وصول کرتا رہا۔ اس کی بلیک میلنگ سے میں کوڑی کوڑی کا محتاج ہو چکا ہوں۔ چند روز پہلے اخبار میں اس کے قتل کی خبر پڑھی تو میں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔"

"اور اب تمہارے قتل کی خبر پڑھ کر کوئی اور سکھ کا سانس لے گا۔" شارق بولا۔

"نہیں.... خدا کے لئے مجھے معاف کر دو..... میں بے قصور ہوں۔" سلمان گھگھیایا۔

"خاموشی سے چلتے رہو ورنہ یہیں پر لاش گرا دوں گا۔" شارق غرایا۔

آگے کسی موڑ پر ایک گاڑی گھوم کر سامنے آ گئی۔ شارق نے پستول جیب میں ڈال لیا وہ تینوں گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھے۔

"شرافت سے چلتے رہنا۔ اگر کوئی گڑبڑ کی تو زندہ نہیں بچو گے۔" شارق غرایا۔

گاڑی ان کے قریب سے گزر گئی۔ شارق نے پھر پستول نکال لیا۔ وہ غوطیہ دربار سے پہلے ہی بائیں طرف ایک تنگ سی گلی میں گھوم گئے اور کچھ ہی دیر بعد وہ اس زیر تعمیر مکان میں پہنچ گئے جو شارق نے آج دن میں دیکھا تھا۔ شارق نے جیب سے پنسل ٹارچ نکال کر ثمینہ کو تھما دی۔ اسے اس بات کا اطمینان تھا کہ روشنی مکان سے باہر کہیں نہیں دیکھی جا سکتی تھی۔

"ہاں' اب بتاؤ تم کس طرح مرنا پسند کرو گے۔" شارق نے سلمان کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں گولی نہیں ماروں گا۔ گولی سے تو آدمی ایک دم مر جاتا ہے۔ میں تمہیں ایک دم نہیں مرنے دوں گا۔ سسکا سسکا کر' تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ ان ہاتھوں سے۔"

شارق نے پستول جیب میں رکھ لیا اور دونوں ہاتھ سلمان کی طرف بڑھا دیئے۔

"نن.... نہیں..... تم مجھے نہیں مار سکتے۔" سلمان چیخا۔

"چیخنے کا کوئی فائدہ نہیں' اس ویرانے میں تمہاری آواز کوئی نہیں سنے گا اور اگر کسی نے تمہاری آواز سن بھی لی تو اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے تمہاری روح جسم سے رخصت ہو چکی ہو گی۔"

"مجھے معاف کر دو۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔" سلمان گھگھیایا۔

"ظالم ہمیشہ بزدل ہوتا ہے۔" شارق بولا۔ "دوسروں پر ظلم کرتے ہوئے اسے ذرا بھی رحم نہیں آتا لیکن جب خود پھنستا ہے تو کتے کی طرح پیر چاٹنے پر بھی تیار ہو جاتا ہے۔"

سلمان واقعی اس کے پیروں پر گر گیا۔ شارق نے اسے ٹھوکر مارنا چاہی مگر سلمان نے اچانک ہی اس کے دونوں پیر ٹخنوں کے قریب سے پکڑ کر زور دار جھٹکا دیا شارق لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا۔ اس سے پہلے کہ شارق سنبھلتا سلمان نے جیب سے پستول نکال لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے حلق سے غراہٹ نکلی۔

"میرے آدمیوں سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ اس رات انہوں نے تمہیں زندہ چھوڑ دیا تھا اور جب جیل سے رہا ہونے کے بعد میں نے تمہیں دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم اپنے ماں باپ کے قتل کا انتقام لو گے۔ اگرچہ میں وہ شہر بھی چھوڑ کر یہاں آ گیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ تم ایک نہ ایک دن مجھے ڈھونڈ نکالو گے۔ میں کبھی ایک لمحہ کو بھی لاپرواہ نہیں رہا۔ یہ پستول چوبیس گھنٹے

میری جیب میں رہتا ہے۔ آج اس کے استعمال کا وقت آگیا ہے۔"

یہ صورت حال دیکھ کر ثمینہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ کر نیچے گر گئی۔ اس نے چیخ روکنے کے لئے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔

شارق پشت کے بل زمین پر پڑا تھا۔ اس نے دونوں کہنیوں پر زور دے کر اٹھنے کی کوشش کی مگر اس لمحہ سلمان کے حلق سے پھنکار سی نکلی۔

"نہ.....نہ.....اٹھنے کی کوشش مت کرنا۔ اب میں تمہیں اٹھنے کا موقع نہیں دوں گا۔ یہ مکان ہی اب تم دونوں کا مقبرہ بنے گا۔ میں بوڑھا ضرور ہو گیا ہوں مگر تم جیسے لفنگوں کی گردن اب بھی مروڑ سکتا ہوں۔"

زمین پر پڑی ہوئی پنسل ٹارچ کی مدھم روشنی میں اس کا چہرہ بہت ہی پراسرار لگ رہا تھا۔ اس نے گردن گھما کر ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"میں نہیں جانتا تم کون ہو لیکن تمہاری موت ہی شاید تمہیں یہاں لے آئی تھی۔ تم بھی اس طرف آجاؤ....." اس نے پستول سے اشارہ کیا۔

سلمان کی توجہ ایک لمحہ کو شارق سے ہٹی تھی اور شارق نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے طاقتور اسپرنگ کی طرح اچھل کر پیر کی زور دار ٹھوکر اس کے پستول والے ہاتھ پر ماری۔ اس کی یہ حرکت سلمان کے لئے قطعی غیر متوقع تھی۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا شارق بڑی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا لیکن سلمان نے اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس کے منہ پر زور دار گھونسہ مار دیا۔

شارق کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ سلمان نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ بوڑھا ہو گیا تھا لیکن اب بھی اس کے ہاتھوں میں بڑی طاقت تھی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے جبڑے پر گھونسہ نہیں وزنی ہتھوڑے سے زور دار ضرب لگائی گئی ہو۔ وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔ سلمان نے دوسرا گھونسہ مارنا چاہا مگر شارق نے بائیں ہاتھ کی کلائی پر اس کا وار روکا اور دائیں ہاتھ سے اس کے منہ پر گھونسہ مار دیا۔ سلمان لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔

ثمینہ ایک طرف کھڑی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ ایک مرتبہ تو اس کے ذہن میں آیا تھا کہ یہاں سے نکل کر بھاگ جائے مگر وہ شارق کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔

سلمان کا داؤ ایک بار پھر چل گیا۔ اس نے شارق کی ٹانگ پر ٹھوکر ماری۔ شارق لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ سلمان ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس کے سینے پر سوار ہو گیا اس کے ساتھ ہی اس نے

شارق کے گلے پر پنجے جما دیئے۔

شارق کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا گلا آہنی شکنجے میں جکڑا گیا ہو۔ اسے سینے میں اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کا ایک ہاتھ سلمان کے گھٹنے کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ نکالا اور بڑی مشکل سے دونوں ہاتھ اپنے سر کے پیچھے لے گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھنسا لیں اور پوری قوت سے دوہتڑ سلمان کے منہ پر مارا۔ ضرب اگرچہ زیادہ زور دار نہیں تھی لیکن ایک لمحہ کو شارق کے گلے پر سلمان کی گرفت ڈھیلی ہو گئی تھی۔ شارق نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک اور دو ہتڑ رسید کر دیا۔ سلمان کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ شارق نے بڑی پھرتی سے اسے اپنے اوپر سے دھکیل کر نیچے گرا دیا۔

اب شارق سلمان کے سینے پر تھا اور اس کے دونوں ہاتھوں کی گرفت سلمان کے گلے پر تھی۔ سلمان اپنے آپ کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ بالآخر وہ شارق کو اپنے اوپر سے گرانے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن شارق نے گرتے ہوئے بھی اپنا دایاں بازو اس کی گردن پر لپیٹ دیا۔ سلمان نے ایک اور جھٹکا دے کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس طرح خود شکنجے میں آ گیا۔ اب شارق اس کی پشت پر تھا اور اس کا بازو سلمان کی گردن پر لپٹا ہوا تھا۔ شارق نے دوسرے ہاتھ سے اس کے سر کو لپیٹ میں لے لیا اور زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ سلمان بری طرح چیخ رہا تھا۔ شارق اس کی چیخوں کی پرواہ کئے بغیر اس کی گردن کو جھٹکے دیتا رہا۔

کڑک کی آواز ابھری۔ سلمان کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی بھیانک تھی۔ شارق گردن کو مسلسل جھٹکے دیتا رہا اور بالآخر اس نے سلمان کو ایک طرف دھکیل دیا۔

سلمان زمین پر اس طرح تڑپ رہا تھا جیسے مرغے کے گلے پر چھری پھیر کر پھینک دیا گیا ہو۔ شارق قریب کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔ اس نے گردن گھما کر ثمینہ کی طرف دیکھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ اس نے چیخ روکنے کیلئے ایک ہاتھ سختی سے منہ پر جما رکھا تھا۔

سلمان اب بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ شارق نے اس کی لاش کو ٹھوکر ماری اور ثمینہ کی طرف آ گیا۔

"چلو....." وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔ "سناٹے میں چیخوں کی آواز دور تک سنی گئی ہو گی۔ اگر کوئی اس طرف آ گیا تو پھنس جائیں گے۔"

"تت... تم نے اسے مم.... مار دیا۔" ثمینہ ہکلائی۔

"تو کیا میں اسے لوری سنانے کے لئے لایا تھا۔" شارق نے کہا۔ اس مرتبہ اس کا لہجہ پرسکون تھا۔

ثمینہ اب بھی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس رات شارق کی شرافت اور معصومیت نے اسے متاثر کیا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شارق اس قدر بے رحم اور سنگدل ہو گا۔ شارق اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور ثمینہ اس طرح چل رہی تھی جیسے تنویمی کیفیت میں ہو۔

شارق اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا۔ وہ زیر تعمیر مکانوں سے نکل کر سڑک پر آنا ہی چاہتے تھے کہ غوثیہ دربار کی طرف سے سائیکلوں پر دو آدمی آتے دکھائی دیئے۔ شارق' ثمینہ کو کھینچتا ہوا جلدی سے جھاڑیوں کی آڑ میں دبک گیا۔ وہ دونوں سائیکل سوار ان کے تقریباً پندرہ فٹ کے فاصلے پر سامنے سے گزر گئے۔ ان میں ایک اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"چیخوں کی آواز اسی طرف سے آئی تھی۔ میں نے اپنے کانوں سے سنی تھی۔"

"آواز تو میں نے بھی سنی تھی۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ "جب تک مل والوں کے اور ان زیر تعمیر مکانوں کے مالکوں کا مقدمہ ختم نہیں ہوتا یہاں ایسے واقعات ہوتے رہیں گے۔ یاد ہے چھ مہینے پہلے بھی یہاں سے ایک عورت کی لاش ملی تھی۔"

"چور ڈاکوؤں نے ان ادھورے مکانوں کو اپنا اڈہ بنا لیا ہے۔ آگے بائیں طرف مڑ جاؤ۔ چیخنے کی آوازیں اس طرف سے آئی تھیں۔" پہلے آدمی نے کہا۔

شارق جھاڑیوں کی آڑ سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں سائیکل سوار جیسے ہی کچے راستے پر مڑ کر ایک مکان کی آڑ میں ہوئے شارق ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔

وہ جلد ہی ڈی گراؤنڈ کے پہلے موڑ پر پہنچ گئے۔ اس طرف بھی ایک ریسٹورنٹ اور چند دکانیں تھیں۔ ریسٹورنٹ کے ساتھ چکن تکہ اور سیخ کبابوں کی دکان بھی تھی۔ کبابوں کی خوشبو فضا میں رچی ہوئی تھی۔ وہ ریسٹورنٹ کے قریب سے گزر گئے۔ اس سے اگلے موڑ پر انہیں ایک رکشہ مل گیا۔

کچہری بازار کے موڑ پر انہوں نے رکشہ چھوڑ دیا اور جیسے ہی رکشہ وہاں سے رخصت ہوا وہ دونوں نڈ والا اڈے کی طرف جانے والے تانگے پر سوار ہو گئے۔ نڈ والا اڈے پر تانگے سے اتر کر دھوبی گھاٹ سے ہوتے ہوئے جناح کالونی میں داخل ہو گئے اور جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو گیارہ بج رہے تھے۔ ثمینہ اپنے کمرے میں آتے ہی بستر پر گر گئی۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔ شارق کی ہمدردی میں وہ اس حد تک آگے نکل گئی تھی کہ اب وہ خود بھی

اسی زمرے میں آ گئی تھی۔ شارق نے اس کی آنکھوں کے سامنے سلمان کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ کتنی درندگی تھی اس وقت شارق کے چہرے پر۔

"کیا ہوا..... تم رو کیوں رہی ہو؟" شارق نے دروازے میں رک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ تم چلے جاؤ یہاں سے۔" ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم قاتل ہو۔ تم نے میری آنکھوں کے سامنے ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ تم قاتل ہو۔ مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں۔ چلے جاؤں یہاں سے۔"

"آہستہ بولو۔" شارق کے حلق سے غراہٹ نکلی۔ "یہی وہ آدمی تھا جس نے میرے ماں باپ کو قتل کروایا تھا۔ انہیں میری آنکھوں کی سامنے ذبح کیا گیا تھا۔ ان کی چیخوں کی آوازیں تو کسی نے نہیں سنی تھیں' میری فریاد کسی نے نہیں سنی تھی۔ آج وہ میرے ہاتھوں انجام کو پہنچ گیا تو تمہیں اس سے ہمدردی ہو گئی۔"

"مجھے کسی سے ہمدردی نہیں ہے۔ سب قاتل ہو۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ تم میری زندگی برباد کرنے کے لئے کیوں آ گئے تھے۔ جاؤ چلے جاؤ۔" ثمینہ اونچی آواز میں رونے لگی۔

"ثمینہ" شارق پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔ اس نے ثمینہ کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"مت ہاتھ لگاؤ مجھے۔ تمہارے یہ ہاتھ..... خون میں رنگے ہوئے ہیں۔"

"مت بھولو کہ یہ خون اب تمہارے ہاتھوں پر بھی لگ چکا ہے۔" شارق نے کہا۔ "اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ تم دانستہ یا نادانستہ طور پر اس دلدل میں پہلا قدم رکھ چکی ہو جس میں میں پھنسا ہوا ہوں۔ اس طرح رونے سے کچھ نہیں ہو گا۔ ہمت سے کام لو..... جب تک میں ہوں تم پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا۔" شارق نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس مرتبہ ثمینہ نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ شارق اس کا ہاتھ سہلاتا رہا اور پھر اسے ہولے سے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ ثمینہ اس کی طرف کھنچتی چلی آئی۔ اس نے اپنا سر شارق کے سینے سے لگا دیا۔ شارق ایک ہاتھ سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ ثمینہ پر اب عجیب سی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار کسی مرد کے اتنا قریب آئی تھی۔ کسی مرد نے پہلی مرتبہ اس کے جسم کو اس طرح چھوا تھا۔ اس کے پورے بدن میں سنسنی کی لہر سی دوڑ رہی تھی۔

شارق کی کیفیت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ اس کے دماغ میں بھی سنسنی سی ہو رہی

تھی اور دل ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ عورت کو اس طرح اپنی بانہوں میں لیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ ثمینہ کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ ثمینہ کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ شارق اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ وہ اپنا چہرہ آہستہ آہستہ نیچے جھکانے لگا۔ ٹھیک اسی لمحہ کال بیل بج اٹھی اور وہ دونوں اچھل پڑے۔

"یہ.....یہ کون ہے.....پولیس....." ثمینہ ہکلائی۔ خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اس کے ہاتھ پیر کانپنے لگے۔

"پولیس نہیں ہو سکتی۔" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "تم اپنا حلیہ درست کر لو۔ میں دیکھتا ہوں۔"

"نہیں.....تم رک جاؤ۔ میں دیکھتی ہوں۔" ثمینہ بھی پلنگ سے اتر آئی۔ اس نے آنکھیں پونچھیں اور دوپٹہ سر پر اوڑھتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پایا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دی تھی کہ اگر سلمان کے قتل کا پتہ چل بھی گیا ہو گا تو کسی کو یہ تو پتہ نہیں چلا ہو گا کہ اس کا قاتل کون ہے۔ پولیس اتنی جلدی ان کا سراغ نہیں لگا سکتی۔

شارق بھی کمرے سے نکل کر لاؤنج میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے میز پر پڑا ہوا وہ ناول اٹھا لیا تھا جس نے اسے زندگی کے ایک نئے رخ سے روشناس کرایا تھا۔ ناول اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو باہر کا دروازہ کھول رہی تھی۔

"کون ہے؟" اس نے دروازے ہی سے پوچھا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

"میں ہوں ثمینہ بی بی۔ گورایہ۔ ذرا دروازہ کھولئے۔" باہر سے آواز آئی۔

ثمینہ نے باہر کا گیٹ کھولا۔ اس کا پڑوسی گورایہ ہاتھ میں ایک تھیلا لئے کھڑا تھا۔

"جی خیریت؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تقریباً نو بجے کے قریب ایک صاحب آئے تھے۔ وہ یہ تھیلا دے گئے ہیں۔ اس میں ایک خط بھی ہے۔" گورایہ نے کہتے ہوئے تھیلا اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کون تھا وہ۔ نام نہیں بتایا۔" ثمینہ نے تھیلا لیتے ہوئے پوچھا۔

"نام تو میرے ذہن میں نہیں رہا۔ البتہ یہ بتایا تھا کہ وہ آج دوپہر لاہور سے آیا تھا۔ ڈگلس پورہ میں کہیں ٹھہرا ہوا ہے اور کل صبح واپس چلا جائے گا۔ اس کے ہاتھ یہ تھیلا آپ کے گھر والوں نے بھیجا تھا۔"

"شکریہ۔ آپ کو زحمت ہوئی۔" ثمینہ بولی۔

"اس میں شکریئے کی کیا بات ہے۔" گورایہ نے کہا۔ "شارق صاحب لاہور واپس چلے گئے ہیں؟"

"جی نہیں۔ یہیں ہیں۔ ابھی شاید ایک دو دن رہیں گے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

گورایہ واپس چلا گیا۔ ثمینہ گیٹ بند کر کے اندر آ گئی۔ اس نے گورایہ کی آنکھوں میں اشتباہ کی جھلک دیکھ لی تھی۔ شارق نے اپنے آپ کو اس کا کزن ظاہر کیا تھا اور وہ کل ہی لاہور سے آیا تھا اور آج اس کے گھر والوں نے اس کے لئے کچھ چیزیں بھیجی تھیں۔ اگر شارق اس کا کزن تھا اور اس کے گھر والوں سے مل کر آیا تھا تو آج کسی اور کے ہاتھ چیزیں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ چیزیں کل شارق کے ہاتھ بھی بھیجی جا سکتی تھیں۔ یہ بات گورایہ کے دل میں شبہ پیدا کر سکتی تھی کہ کیا شارق واقعی اس کا کزن تھا اور لاہور ہی سے آیا تھا یا کوئی اور تھا؟ اس کی طرح اکیلی رہنے والی عورتوں پر محلے کے لوگ بڑی کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ کون لوگ ملنے آتے ہیں ان میں کیا رشتہ یا تعلق ہے؟

ثمینہ اندر آتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ لاہور سے کون آیا تھا۔ ان کا کوئی عزیز تھا یا محلے کا کوئی آدمی جس کے ہاتھ یہ چیزیں بھیج دی گئی تھیں۔ گورایہ نے بتایا تھا کہ وہ ڈگلس پورہ میں ٹھہرا ہوا ہے۔ فیصل آباد میں اس کے رشتے کے ایک ماموں رہتے تھے ان کی رہائش طارق آباد میں تھی۔ ڈگلس پورہ میں ان کا کوئی جاننے والا نہیں رہتا تھا۔ وہ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اندر آ گئی۔

"کون تھا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لاہور سے کوئی آیا تھا۔ میرے گھر والوں نے کچھ چیزیں بھیجی ہیں۔ گھر پر تالا دیکھ کر وہ شخص یہ تھیلا گورایہ صاحب کے گھر دے گیا تھا۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے تھیلا میز پر رکھ دیا۔

"تمہارا کوئی رشتے دار؟" شارق نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کون تھا؟" ثمینہ نے کندھے اچکا دیئے۔

"تمہیں بھوک نہیں لگ رہی؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم شاید بھول گئی ہو کہ شام کی چائے کے بعد ہم نے کچھ بھی نہیں کھایا پیا۔"

"بھوک!" ثمینہ نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اسے یاد آ گیا کہ شام کی چائے کی بعد واقعی کچھ بھی نہیں کھایا پیا تھا۔ اسے بھوک نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے دل میں تو ہول سے اٹھ رہے تھے۔ "اس وقت میں روٹی نہیں پکا سکتی۔ چائے بنا دیتی ہوں۔ بسکٹ وغیرہ کھا لینا۔" ثمینہ کہتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ چائے کے ساتھ اس نے بسکٹ کا ڈبہ بھی میز پر رکھ دیا تھا۔ وہ خود تو صرف چائے کی چسکیاں لیتی رہی اور شارق ڈبے میں سے بسکٹ بھی نکال نکال کر کھاتا رہا۔

وہ رات ایک بجے تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ثمینہ کے ذہن پر خوف مسلط تھا اور شارق اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

"لاش کا پتہ چل گیا ہو گا اور پولیس وہاں پہنچ گئی ہو گی۔" ثمینہ نے کہا اس کے لہجے میں اب بھی ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

"تم نے بلاوجہ اپنے ذہن پر خوف طاری کر رکھا ہے۔" شارق نے کہا۔ "پولیس کو پتہ نہیں چلے گا کہ اس خبیث کا قاتل کون ہے؟"

"میں جب اسے بلانے گئی تھی تو وہاں بیٹھے ہوئے لوگ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے اگرچہ اپنا چہرہ چادر میں چھپا رکھا تھا لیکن ہو سکتا ہے کسی نے مجھے دیکھ لیا ہو۔"

"یہ تمہارا وہم ہے۔" شارق نے کہا۔ "اگر تمہارا چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا تو کسی نے کیسے دیکھ لیا ہو گا؟"

"لیکن..... نجانے مجھے کیوں ڈر لگ رہا ہے؟" ثمینہ نے کہا۔

"تمہارا یہ خوف بلاوجہ ہے۔ جاؤ۔ جا کر سو جاؤ۔ صبح اٹھو گی تو سارا خوف ذہن سے نکل چکا ہو گا۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ شارق بھی دری پر لیٹ گیا۔ شارق تو کچھ دیر بعد سو گیا لیکن ثمینہ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ آج کے واقعہ نے اسے بری طرح خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ جس شخص کو بہت معصوم سمجھی تھی وہ کسی درندے کی طرح سفاک اور بے رحم ثابت ہوا تھا۔ اس کی ہمدردی میں وہ خود بھی اس دلدل میں قدم رکھ چکی تھی۔ جس سے وہ شارق کو نکالنا چاہتی تھی۔

شارق اس کے لئے اجنبی تھا۔ لیکن ثمینہ اس سے متاثر ہو کر چند ہی روز میں اس حد تک آگے بڑھ گئی تھی کہ اپنے آپ کو خطرات میں ڈال لیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب بھی وقت تھا کہ وہ شارق سے کنارہ کشی کر کے اپنے آپ کو بچا لے۔ لیکن اب ایسا کرنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ اس نے نادانی میں اپنے لئے بہت سی مشکلات پیدا کر لی تھیں۔ شارق نے جب پولیس کے سامنے کہا تھا کہ وہ اس کا کزن ہے تو ثمینہ نے اس کی تردید نہیں کی تھی اور اگر پولیس نے یہ سراغ لگا لیا کہ اس رات پولیس مقابلے کے بعد اس کے گھر میں پناہ لینے والا ملزم کون تھا تو شارق

کے ساتھ وہ بھی آہنی سلاخون کے پیچھے پہنچ جائے گی۔ اس نے شارق کو نہ صرف بچانے کی کوشش کی تھی بلکہ ملزم کا غلط حلیہ بتا کا پولیس کو بھی غلط راستے پر ڈال دیا تھا اور قانون کی نظروں میں یہ ایک سنگین جرم تھا اور اس سے زیادہ سنگین جرم تو یہ تھا کہ وہ سلمان کے قتل میں ملوث ہو گئی تھی۔

ثمینہ جیسے جیسے سوچ رہی تھی اس کا ذہن الجھتا جا رہا تھا۔ اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔ کبھی اس کے چہرے کے سامنے شارق کا چہرہ آ جاتا اور کبھی پھانسی کا پھندہ جھولتا ہوا دکھائی دینے لگتا۔

اس وقت ساڑھے تین بجے تھے۔ ثمینہ بار بار کروٹیں بدل رہی تھی۔ دفعتاً باہر کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دوڑتے ہوئے قدموں کے ساتھ ہی کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور پھر عجیب سا شور سنائی دینے لگا۔ بہت سے لوگ شور مچاتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔

"پکڑو..... پکڑو..... جانے نہ پائے۔"

ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ پلنگ سے اٹھ کر دوڑتی ہوئی شارق کے قریب پہنچ گئی۔ شارق بھی شور سن کر اٹھ گیا تھا۔ باہر ایک دھماکے کی سی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی گیٹ سے ٹکرایا ہو۔

ثمینہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور دوسرے ہی لمحہ وہ اچھل کر شارق سے لپٹ گئی۔

○

"کیا ہوا.... یہ شور کیسا ہے؟" شارق کے لہجے میں نیند کا خمار تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ جب اسے یہ احساس ہوا کہ ثمینہ اس سے لپٹی ہوئی ہے تو وہ ایک لمحہ کو بدحواس سا ہو گیا تھا۔

"وہ.... آ گئے.... پو.... لیس...." ثمینہ کے حلق سے کپکپاتی ہوئی سی آواز نکلی۔ خوف کی شدت سے وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ شارق کے گرد اس کی بانہوں کی گرفت کچھ اور بھی مضبوط ہو گئی۔

شارق کے ذہن پر طاری نیند کا خمار غائب ہو چکا تھا۔ ثمینہ اس سے لپٹی جا رہی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ ثمینہ کے گداز بوجھ نے اس کے پورے جسم میں سنسنی کی سی کیفیت طاری کر دی تھی۔

باہر سے شور کی آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔ کسی کے بار بار گیٹ سے ٹکرانے کی آواز آ رہی تھی جیسے دو آدمی گتھم گتھا ہوں اور گیٹ سے ٹکرا رہے ہوں۔

"میں نے اسے پکڑ لیا ہے جلدی آؤ' بھاگو۔"

ایک چیختی ہوئی آواز گیٹ کے قریب ہی سے ابھری۔ ثمینہ چیخ کر شارق میں سما جانے کی کوشش کرنے لگی۔ شارق نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اپنے حواس قابو میں رکھو۔ اتنی خوفزدہ کیوں ہو؟" شارق کے منہ سے سرگوشی نکلی۔

"پپ.... پولیس.... وہ آ گئے۔" ثمینہ ہکلائی۔

"پاگل ہو گئی ہو۔" شارق نے اسے ہولے سے ڈانٹ دیا۔ "اپنے حواس قابو میں رکھو۔ میں دیکھتا ہوں کیا معاملہ ہے۔"

"نن.... نہیں.... باہر مت جانا۔ دروازہ مت کھولنا۔" ثمینہ بولی۔

شارق نے بڑی مشکل سے اسے اپنے آپ سے الگ کیا اور اٹھ کر دبے قدموں چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آ گیا۔ اس نے کرسی اٹھا کر کھڑکی کے قریب رکھ لی اور اوپر چڑھ کر ذرا سا پردہ سرکا کر کھڑکی کے سب سے اوپر والے شیشے سے باہر جھانکنے لگا۔ گلی میں اسٹریٹ لیمپ کی روشنی تھی اور سات آٹھ آدمی نظر آ رہے تھے جنہوں نے ایک آدمی کو پکڑ رکھا تھا۔ اس آدمی کی پٹائی

کی جا رہی تھی۔

"اس کا ایک اور ساتھی بھی تھا۔" ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔ "اسے میں نے اس طرف بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"اسے کوتوال لے چلو۔ پولیس والے اس سے دوسرے ساتھی کا پتہ بھی معلوم کر لیں گے۔" ایک اور آواز نے کہا۔

"کچھ گیا تو نہیں؟" کسی تیسری آواز نے پوچھا۔

"نہیں۔ بروقت آنکھ کھل گئی تھی۔ ہمارے شور مچانے پر یہ بھاگ نکلے۔" پہلی آواز نے کہا۔

"چل اوئے.... چور دیا پتر۔" ایک آدمی نے پکڑے گئے شخص کو تھپڑ مار دیا۔

وہ لوگ اسے مارتے پیٹتے ہوئے وہاں سے لے گئے۔ شارق کو ان کی باتوں سے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دو چور کسی گھر میں گھس گئے تھے لیکن اہل خانہ بروقت جاگ گئے۔ ان کے شور مچانے پر چور بھاگ نکلے لیکن شور مچانے پر محلے کے کچھ لوگ بھی جاگ گئے تھے جنہوں نے تعاقب کر کے ایک چور کو پکڑ لیا تھا جبکہ دوسرا بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

شارق نے کھڑکی کا پردہ برابر کر دیا اور کرسی سے اتر کر ثمینہ کے قریب آ گیا۔ وہ ابھی تک دری پر بیٹھی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

"کسی گھر میں چور گھس آئے تھے۔" شارق نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ایک بھاگ گیا اور دوسرے کو پکڑ کر تھانے لے گئے ہیں۔"

"مم.... میں سمجھی تھی پولیس آ گئی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ اس کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔

"پولیس یہاں نہیں پہنچ سکتی۔" شارق نے کہا۔ "تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ پولیس قیامت تک سلمان کے قاتل کا سراغ نہیں لگا سکتی لیکن اگر تم اسی طرح بات بات پر بدحواس ہوتی رہیں تو پھر یہ راز' راز نہیں رہ سکے گا۔"

"مم.... مجھے ڈر لگتا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔" شارق نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ ثمینہ نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ اس کی آغوش میں سمٹ گئی۔ اس کا جسم اب بھی ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ شارق اس کی پیٹھ سہلانے لگا۔ ثمینہ کا خوف بتدریج زائل ہوتا چلا گیا اور اب وہ ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگی تھی۔ ذہن پر خمار سا طاری ہونے لگا۔ دیوار گیر کلاک نے چار بجنے کا اعلان کیا۔ گھڑی کی ٹن ٹن کی آواز سن کر وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔ اس نے اپنے آپ کو شارق کی گرفت

سے چھڑایا اور اٹھ کر دوڑتی ہوئی اپنے پلنگ پر جا گری۔

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے اس کا کوئی حسین خواب ٹوٹ گیا ہو۔ اس نے ثمینہ کے پلنگ کی طرف دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھرتا ہوا دری پر لیٹ گیا۔ تکیئے کو سر کے نیچے رکھنے کے بجائے اپنے سینے سے لپٹا لیا اور آنکھیں بند کر کے حسین تصورات میں کھو گیا۔

صبح جب شارق کی آنکھ کھلی تو آٹھ بج چکے تھے۔ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ ثمینہ اپنے بستر پر سو رہی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ ثمینہ کو ساڑھے سات بجے کالج جانا تھا اور وہ ابھی تک سو رہی تھی۔ شاید رات کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے صبح جلدی اس کی آنکھ نہیں کھل سکی تھی۔ وہ دری سے اٹھ کر ثمینہ کے پلنگ کے قریب آ گیا۔

"ثمینہ....." اس نے ہولے سے پکارا۔ "ثمینہ اٹھو.... آٹھ بج چکے ہیں۔" اس نے جھک کر ثمینہ کو ہلانے کے لئے اس کے کندے پر ہاتھ رکھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ چونک گیا۔ اس نے ہاتھ ثمینہ کے کندھے سے اٹھا کر پیشانی پر رکھ دیا۔ ثمینہ بخار میں پھنک رہی تھی۔

"ثمینہ..... ثمینہ آنکھیں کھولو....." وہ اسے آہستہ آہستہ ہلانے لگا۔

ثمینہ نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"تمہیں تیز بخار ہو رہا ہے ثمینہ۔" شارق اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ٹائم کیا ہوا ہے؟" ثمینہ کے منہ سے کراہ سی نکلی۔

"آٹھ بج چکے ہیں۔" شارق نے بتایا۔

"اوہ..... مجھے کالج سے دیر ہو رہی ہے۔" ثمینہ کہتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"نہیں، تمہیں تیز بخار ہو رہا ہے۔ تم آج کالج نہیں جا سکو گی۔" شارق نے اسے بانہوں سے پکڑ کر دوبارہ بستر پر لٹا دیا۔ "آرام سے لیٹی رہو۔ میں تمہارے لئے چائے بناتا ہوں۔ کچھ کھا پی لو تو میں کسی ڈاکٹر کو لے آؤں گا۔"

"ڈاکٹر کو لانے کی ضرورت نہیں۔" ثمینہ نے کہا۔ "میز کی دراز میں گولیاں رکھی ہوئی ہیں گولی کھا لوں گی۔ بخار اتر جائے گا۔"

شارق نے باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا اور کچن میں آ کر چائے بنانے لگا۔ چائے کے ساتھ وہ بسکٹ کا ڈبہ بھی اٹھا لایا تھا۔ اس نے سہارا دے کر ثمینہ کو بستر پر بٹھا دیا۔ ایک دو بسکٹ کھلانے کے بعد اس نے ثمینہ کو پونسٹان کی دو گولیاں کھلا دیں۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ثمینہ کو بخار خوف کی وجہ سے ہوا تھا۔ ایک تو کل سلمان والا واقعہ اور پھر رات کو گلی میں چور

کا ہنگامہ۔ ثمینہ ڈر گئی تھی اور یہ بخار اسی ڈر اور خوف کا نتیجہ تھا۔

ثمینہ کا خیال درست نکلا۔ دس بجے کے لگ بھگ اس کا بخار کم ہونا شروع ہو گیا۔ لیکن شارق نے اسے بستر سے نہیں اٹھنے دیا۔ دوپہر کے لئے کھانا بھی وہ ہوٹل سے جا کر لے آیا تھا۔ شام پانچ بجے کے لگ بھگ ثمینہ کا بخار بالکل اتر گیا۔ وہ اگرچہ کمزوری محسوس کر رہی تھی لیکن اٹھ کر کام کاج میں مصروف ہو گئی۔

ثمینہ جب گھر پر ہوتی تو پڑوس میں سے کوئی نہ کوئی عورت ضرور آ جایا کرتی تھی لیکن اس روز پڑوس کی کوئی عورت نہیں آئی تھی۔ ویسے بھی ثمینہ نے محسوس کیا تھا کہ جس دن سے پولیس کا چکر چلا تھا اس روز سے اس کے گھر میں پڑوس کی عورتوں کی آمد و رفت کم ہو گئی تھی۔ ثمینہ نے یہ بات بھی نوٹ کی تھی کہ جب وہ گھر سے نکلتی تھی تو محلے کی کوئی عورت مل بھی جاتی تو وہ اس سے کترا کر نکل جانے کی کوشش کرتی۔ شام چھ بجے کے لگ بھگ شارق گھر پر ہی تھا۔ ثمینہ تھوڑی دیر کے لئے گورایہ صاحب کے گھر چلی گئی۔ اس وقت گورایہ گھر میں نہیں تھا البتہ پڑوس کی ایک اور عورت اس کی بیوی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

"پتہ چلا تھا آج تم گھر پر ہو۔ میں نے کئی مرتبہ تمہارے ہاں آنے کو سوچا مگر گھر سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ کیسی ہو؟ تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟" مسز گورایہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بخار ہو گیا تھا آنٹی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "کالج بھی نہیں جا سکی۔"

"تمہارا یہ کزن سنا تھا ایک دن کے لئے آیا تھا۔ لیکن وہ کئی روز سے یہاں ہے۔" دوسری پڑوسن نے کہا۔

"آنٹی..... ان کا صابن کا بزنس ہے۔ یہاں وہ جس فیکٹری سے مال منگواتے تھے ان کے ساتھ حساب کتاب میں گڑبڑ تھی جس کی وجہ سے انہیں رکنا پڑا۔ شاید ایک دو دن اور رہیں گے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

وہ پڑوسن کچھ دیر اور بیٹھی رہی۔ اس دوران اس نے ایک ایسا جملہ کہا تھا جس کے الفاظ ثمینہ کو نشتر کی طرح چبھتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ ان لوگوں کو شارق کا یہاں رہنا پسند نہیں تھا۔ ثمینہ اس مکان میں تقریباً دو سال سے رہ رہی تھی۔ اس دوران کبھی کبھار اس کا چھوٹا بھائی لاہور سے آ جایا کرتا تھا۔ دو سال میں دو یا تین مرتبہ اس کے والد بھی آئے تھے۔ اس کے گھر آنے والے صرف یہی دو مرد تھے جنہیں محلے والے اچھی طرح جانتے تھے۔ محلے والے بھی ان دونوں سے بڑے خلوص اور اخلاق سے ملتے تھے۔ اس کے وال

جب بھی یہاں آتے تھے محلے کے دو تین گھروں میں ان کی دعوت ضرور ہوتی تھی۔ لیکن شارق کے آنے کے بعد صورت حال کچھ بدل گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی پولیس کا چکر بھی چل نکلا تھا اور محلے والے اس سے کچھ کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے۔ پڑوسن کی اس ایک بات سے تو اس نے محلے والوں کی ناراضگی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ کچھ دیر وہاں بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر گھر واپس آ گئی۔ پڑوسنوں کے اس طرز عمل سے ثمینہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنے دل میں خوف سا محسوس کرنے لگی تھی۔ اس کے دل میں ایک چور سا تھا۔ وہ محلے والوں کی نظروں میں گرتی جا رہی تھی اور اس کی وجہ شارق تھا۔ شارق کے آنے سے پہلے یہ صورت حال نہیں تھی۔ اس رات نہ شارق اس گھر میں آتا اور نہ یہ سارا چکر چلتا۔ اب تو وہ اس چکر میں اس طرح پھنس گئی تھی کہ نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ اب شارق کے جرم میں برابر کی شریک تھی۔ سلمان ایڈووکیٹ کے قتل میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔

آٹھ بجے کے لگ بھگ شارق گھر سے چلا گیا تو ثمینہ سوچنے لگی کہ کیوں نہ وہ یہ گھر تبدیل کر لے لیکن اس کے خیال میں ایسا کرنا بے کار تھا۔ وہ کہیں بھی چلی جائے شارق اسے ڈھونڈھ نکالے گا۔ وہ نوکری چھوڑ کر چلی جائے شارق جب بھی اسے تلاش کر لے گا۔

شارق گھر سے نکلنے کی بعد سیدھا منروا سینما کے پل پر پہنچا تھا۔ صادق حسب معمول ہوٹل کی مخصوص میز پر بیٹھا اپنا بزنس شروع کر چکا تھا۔ وہ شارق کو دیکھتے ہی بولا۔

"کہاں غائب ہو گئے تھے شارق باؤ۔ کچھ پتہ ہے لاہور میں کیا ہو رہا ہے۔"

"کیا ہو رہا ہے؟" شارق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"چھانگا کو گولی لگی ہے۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ کل رات اس کا بندہ آیا تھا۔ وہ مرنے سے پہلے تم سے ملنا چاہتا ہے۔" صادق نے جواب دیا۔

"کیا ہوا؟ گولی کیسے لگی؟" شارق نے پوچھا۔ "کیا پولیس...."

"نہیں۔" صادق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "چھانگا اور جیرے میں کوئی جھگڑا ہو گیا تھا۔ جیرے نے اس پر گولی چلا دی۔ جواب میں چھانگا نے بھی جیرے پر گولی چلا دی۔ جیرا تو مر گیا۔ مگر چھانگا ابھی تک زندہ ہے۔ بات پولیس تک نہیں پہنچی۔ جیرے کی لاش غائب کر دی گئی تھی۔"

"جیرا۔" شارق اچھل پڑا۔ "وہ تو چھانگا کا سب سے زیادہ قابل اعتماد آدمی تھا۔ ان میں جھگڑا کیسے ہو گیا؟"

"یہ کاروبار ایسا گندہ ہے شارق باؤ۔" صادق نے کہا۔ "اس کاروبار میں تو باپ اور بیٹے کو بھی ایک دوسرے پر اعتماد نہیں ہوتا۔ تم فوراً ہی لاہور چلے جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آج رات ہی چلا جاتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ وہ صادق کے پاس زیادہ دیر نہیں بیٹھا تھا۔ چائے کا ایک کپ پیا۔ اس دوران وہ صادق سے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن صادق کو زیادہ تفصیل معلوم نہیں تھی کہ چھانگا اور جیرے کے درمیان جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔

وہ سیدھا گھر واپس پہنچا۔ اس وقت پونے دس بجے تھے۔ ثمینہ میز کے سامنے کرسی پر بیٹھی کچھ کاغذات درست کر رہی تھی۔ دروازہ کھولنے کے بعد وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ شارق آتے ہی اپنے بکھرے ہوئے کپڑے سمیٹنے لگا۔ ثمینہ کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنے کپڑے سمیٹتے دیکھ کر ثمینہ کے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہو گئی لیکن شارق سے کچھ پوچھا نہیں۔ انجان بنی بیٹھی رہی۔

"ثمینہ۔" شارق نے اس کے قریب آ کر کہا۔ "میں لاہور جا رہا ہوں۔ چند روز بعد واپس آؤں گا۔ میرا انتظار کرو گی نا؟"

"انتظار...." ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"ایک بات ذہن میں رکھنا۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میں اور تم ایک ایسے راز سے وابستہ ہیں جس کا کھل جانا ہم دونوں کی موت کا باعث بن سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنی زبان پر قابو رکھو گی۔"

ثمینہ جواب دینے کے بجائے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ شارق نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "معاملہ اگر اہم نہ ہوتا تو میں تمہیں اس طرح اکیلا چھوڑ کر نہ جاتا لیکن میں جلدی واپس آؤں گا۔"

شارق بریف کیس سنبھالے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ثمینہ اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ شارق نے دروازے کے قریب رک کر اس کی طرف دیکھا اور باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی ثمینہ کچھ دیر تک اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ پھر اس نے اٹھ کر دروازہ بند کیا اور کمرے میں آ کر بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ اس کا دل بھر آیا۔ برداشت کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ثمینہ کے خیال میں اپنی بربادی کی ذمے دار وہ خود تھی۔ اس روز شارق کے جانے کے بعد اگر وہ پولیس کو سب کچھ بتا دیتی تو اسے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ لیکن شارق کی معصومیت اسے لے ڈوبی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ قاتل ہے وہ اس کے سامنے جھک گئی تھی اور اب اس عذاب میں پھنس گئی تھی۔

شارق کو گھر سے نکل کر دوسری گلی میں مڑتے ہی رکشہ مل گیا۔ مائی دی جھگی میں لاری اڈے کے سامنے رکشہ سے اترتے ہی کئی ہاکروں نے اسے گھیر لیا۔ کوئی پشاور کی آواز لگا رہا تھا' کوئی جھنگ کی' کوئی سرگودھا کی' کوئی لاہور کی اور کوئی سیالکوٹ کی۔ پنجاب میں بسوں پر سفر کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ چوبیس گھنٹے ہر شہر کے لئے ہر وقت ٹرانسپورٹ دستیاب تھی۔ شارق اس ہاکر کے ساتھ چل پڑا جو لاہور کی آواز لگا رہا تھا۔ لاہور کے لئے روانگی کے لئے کئی بسیں تیار کھڑی تھیں۔ ہاکر اسے تیسری قطار میں بس کے قریب لے آیا جہاں بس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی میز کرسی بچھائے بکنگ کلرک بیٹھا ہوا تھا۔ شارق نے ٹکٹ خریدا اور بس میں سوار ہو گیا۔

رات ڈیڑھ بجے کے قریب بادشاہی مسجد والے موڑ پر وہ بس سے اترا۔ اسے رکشہ ملنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگی تھی لیکن جب وہ مزنگ پہنچا تو تین بج چکے تھے۔ چھانگے کے اڈے پر صرف دو آدمی تھے۔

"چھانگا کہاں ہے؟ اس کی حالت کیسی ہے؟" شارق نے رفیق نامی آدمی سے پوچھا۔

"چھانگا یہاں تو نہیں ہے شارق باؤ۔" رفیق نے جواب دیا۔ "وہ ماسی مہراں کے گھر پر ہے۔۔ اس کی حالت اچھی نہیں ہے۔ چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں۔ وہ جب بھی ہوش میں آتا ہے تمہارے ہی بارے میں پوچھتا ہے۔"

"چلو۔" شارق نے بریف کیس ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

وہ طویلے سے نکل کر ایک طویل چکر کاٹتے ہوئے پچھلی طرف آ گئے اور مختلف گلیوں میں گھومتے ہوئے ایک مکان کے سامنے رک گئے۔ یہ وہی مکان تھا جہاں اڈے پر حملے والی رات خفیہ راستے سے فرار ہو کر انہوں نے پناہ لی تھی۔ دستک کے جواب میں دروازہ کھلنے میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے جس کا مطلب تھا کہ مکین جاگ رہے تھے۔

"کیا بات ہے فیقے۔ تم کیوں آئے ہو؟" دروازہ کھولنے والے نے پوچھا۔

"شارق باؤ آیا ہے۔ میں نے سوچا اس کو ابھی پہنچا دوں۔" فیقے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' اندر آ جاؤ۔ مگر اپنا منہ بند ہی رکھنا۔ چھانگا ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی سویا ہے۔ رات ساری جاگ کر گزاری ہے اس نے بڑی تکلیف میں۔" اس شخص نے کہا۔

"کیسا حال ہے اس کا۔" شارق نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ اس نے دروازہ کھولنے والے کو پہچان لیا تھا۔ وہ گاما تھا جو بظاہر تانگہ چلاتا تھا مگر چھانگے کا ایجنٹ تھا اور ہیروئن کے ساتھ اسلحہ کے گاہک بھی تلاش کیا کرتا تھا۔

"اس کی حالت اچھی نہیں ہے شارق باؤ۔ ڈاکٹر نے تو جواب دے دیا ہے۔" گاما نے جواب

دیا۔ "گولی کل سے اس کے پھیپھڑے میں پھنسی ہوئی ہے۔"

"پھیپھڑے میں۔" شارق کے لہجے میں حیرت تھی۔ "اسے ہسپتال کیوں نہیں لے گئے۔"

"چھانگے کو ہسپتال لے جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ سب لوگ اس وقت اندر ہوتے۔" گاما نے جوابدیا۔ "ہم لوگوں کی زندگی ایسی ہی ہوتی ہے شارق باؤ۔ چوری چھپے جیتے ہیں اور چوری چھپے مرجاتے ہیں یا پولیس کے ہاتھوں اگلے جہان پہنچا دیئے جاتے ہیں۔"

وہ ایک کمرے کے دروازے پر آ گئے۔ دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ گاما نے انگلی ہونٹوں پر رکھ کر شارق کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے چارپائی پر چھانگا سو رہا تھا یا بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے جسم پر قمیض نہیں تھی پیٹ اور سینے پر چوڑی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جس کا کچھ حصہ خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ ایک آدمی چارپائی کے قریب کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دوسری کرسی خالی پڑی تھی۔ وہ آدمی شارق کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بھی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر شارق کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

شارق خاموشی سے خالی کرسی پر بیٹھ گیا اور چھانگا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے زخم سے غالباً خون بہت زیادہ بہہ چکا تھا۔ چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا۔ شارق کو وہاں بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ گاما نے اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر گاما کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گیا۔ یہاں چارپائی پر ایک آدمی سویا ہوا تھا۔ گامے نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"جا اوئے۔ چائے بنا کے لا۔ شارق باؤ آیا ہے۔" گاما نے کہا۔

"ماسی کو جگا دیتے تمہیں پتہ ہے میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو سویا تھا۔" وہ آدمی بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اس کمرے میں دو کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ شارق نے اپنا بریف کیس آتش دان کے کارنس پر رکھ دیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ کچھ کیسے ہو گیا گامے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا جیرے کے ساتھ جھگڑا اتنا ہی سنگین ہو گیا تھا کہ دونوں نے ایک دوسر گولیاں چلا دیں۔"

"ہاں' شارق باؤ..... کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔" گاما نے جواب دیا۔

"مگر ان دونوں میں جھگڑا ہوا کیسے؟ چھانگا تو جیرے کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھتا تھا۔" شارق نے کہا۔

"چھانگا واقعی اسے اپنا بیٹا سمجھتا تھا۔ اس نے ہمیشہ جیرے پر اعتماد کیا۔ سارا مال اور لاکھوں روپے کی رقم اس کے قبضے میں رہتی تھی اور کبھی ایک پائی کا ہیر پھیر نہیں کیا تھا۔ لیکن

پرسوں..... چھانگے کو پتہ چلا کہ اس کے خفیہ ٹھکانے سے بیس کلو ہیروئن غائب ہے۔ اس خفیہ ٹھکانے کے بارے میں چھانگا کے علاوہ صرف تمہیں معلوم ہے یا جیرے کو۔ چھانگا نے اس ہیروئن کے بارے میں جیرے سے پوچھا تو وہ صاف مکر گیا اور کہا کہ ہیروئن شارق باؤ نے غائب کی ہو گی۔ اس جواب پر ان میں بات بڑھ گئی کیونکہ چھانگا نے ایک دن پہلے ہی نیا مال منگوا کر رکھا تھا اور تم کئی دن پہلے کہیں چلے گئے تھے۔ جیرے کو یہ پتہ نہیں تھا کہ تم کہیں گئے ہو اور مال بھی ایک دن پہلے ہی آیا تھا۔

جب بات بڑھ گئی تو جیرے نے چھانگا کو دھمکی دی کہ وہ اس معاملے کو زیادہ نہ بڑھائے ورنہ وہ پولیس کو بتا دے گا کہ ڈی ایس پی کو کس نے اغوا کیا تھا اور اسے کہاں رکھا گیا تھا اور قتل کس نے کیا تھا۔ اس کی یہ دھمکی سن کر چھانگا اس وقت تو خاموش ہو گیا مگر کل اس نے جیرے کو پھر پکڑ لیا۔ ان دونوں میں گرمی آ گئی۔ چھانگا نے پستول نکال کر اسے دھمکی دی کہ اگر مال واپس نہ کیا تو وہ اسے گولی مار دے گا۔ وہ تو شاید محض دھمکی دے رہا تھا مگر جیرے نے پستول نکال کر گولی چلا دی۔ جو چھانگے کے پیٹ میں لگی۔ چھانگے نے بھی گولی چلا دی۔ جیرے کی کھوپڑی اڑ گئی اور وہ اسی وقت ختم ہو گیا۔ ہم نے اس کی لاش غائب کر دی اور زخمی چھانگا کو یہاں لے آئے۔ میں خود جا کر ڈاکٹر انور کو لے کر آیا تھا۔ ایسے موقعوں پر وہی کام آتا ہے۔ اس نے چھانگے کو ہسپتال لے جانے کو کہا کیونکہ آپریشن کے بغیر پھیپھڑے میں پھنسی ہوئی گولی نہیں نکل سکتی۔ چھانگا اس وقت ہوش میں تھا اس نے منع کر دیا کہ اسے ہسپتال نہ لے جایا جائے۔ اب ڈاکٹر اس کا علاج کر تو رہا تھا مگر آج تو اس نے بھی کہہ دیا ہے کہ اس کے بچنے کی امید نہیں اگر چند گھنٹے بھی نکال لے تو غنیمت ہو گا۔ چھانگا جب بھی ہوش میں آتا ہے تمہیں بڑا یاد کرتا ہے۔ ہمیں پتہ ہی نہیں تھا کہ تم کہاں ہو۔ کل ایک مرتبہ جب ہوش میں آیا تو اس نے کہا کہ تم صادق کے پاس فیصل آباد گئے ہوئے ہو۔ میں نے کل رات ہی ایک بندے کو فیصل آباد بھیج دیا تھا۔ اچھا ہوا تم آ گئے ہو۔"

"مجھے آج رات نو بجے پیغام ملا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ وہ آدمی چائے لے کر آ گیا۔ شارق اسے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"جا تو برانڈے میں جا کر سو جا۔ یہاں شارق باؤ تھوڑی دیر آرام کرے گا تھکا ہوا آیا ہے۔" گاما نے اس سے چائے لیتے ہوئے کہا۔

"یہاں کی صورت حال کیا ہے؟" شارق نے اس آدمی کے جانے کے بعد پوچھا۔ اس نے گاما کے ہاتھ سے چائے کا ایک کپ لے لیا تھا۔

"یہاں تو بڑی گڑبڑ ہے۔" گاما نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ "لاہور کی ساری ڈرگ

مافیا برادری کو پتہ چل گیا ہے کہ چھانگا قرب المرگ ہے۔ ابھی سے سازشیں شروع ہو گئی ہیں۔"

"کیسی سازشیں؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مارکیٹ پر قبضہ کرنے کی سازشیں۔" گاما نے جواب دیا۔ "شیرا پہلوان کو تو تم نے اس بزنس سے آؤٹ کیا تھا۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ چھانگا نے اٹھایا تھا۔ چھانگا اس وقت لاہور کی سب سے بڑی پارٹی ہے۔ لوگوں کو اس کی موت کا یقین ہو چکا ہے۔ مارکیٹ پر قبضہ کرنے کی سازشیں شروع ہو گئی ہیں۔ ماجھا گجر سب سے زیادہ سرگرم ہے۔ وہ ابھی سے چھوٹے بیوپاریوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"مگر ماجھا گجر تو چھانگے کا بہت گہرا دوست ہے۔" شارق نے کہا۔

"اس کاروبار میں کوئی دوستی' کوئی رشتہ نہیں ہوتا شارق باؤ۔" گاما نے کہا۔ "سب ایک دوسرے کی تاک میں رہتے ہیں۔ چھانگا کی آنکھیں بند ہوتے ہی دیکھنا یہاں کیا ہوتا ہے۔"

"کیا پولیس کو ابھی تک چھانگا اور جیرے کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا؟" شارق نے پوچھا۔

"سب کو پتہ ہے لیکن ایسے موقع پر پولیس خاموش ہی رہتی ہے۔ چھانگا کے مرنے کے بعد پولیس تم سے معاملہ طے کرنے کی کوشش کرے گی۔" گاما نے کہا۔

"مجھ سے؟" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں' تم سے۔" گاما بولا۔ "پہلے لوگوں کا خیال تھا کہ چھانگا کے بعد جیرا اس کا جانشین ہو گا لیکن جب سے تم آئے ہو لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ چھانگا کی گدی تم سنبھالو گے۔ کیونکہ ہر جگہ تمہیں چھانگا کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے اور اب چھانگا کے ہاتھوں جیرے کے قتل کے بعد تو لوگوں کو یقین ہو گیا ہے' اور سنا ہے کہ کچھ لوگ تمہیں تلاش بھی کر رہے ہیں تاکہ تم سے کوئی بات کی جا سکے۔"

"کیا چھانگا نے کبھی تم سے اس قسم کی بات کی ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"آج شام کو اس نے میری اور نیامت کی موجودگی میں کہا تھا کہ اس کے بعد ہم لوگ شارق کی بات مانا کریں۔" گاما نے بتایا۔

شارق دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ڈرگ مافیا میں جتنے بھی بڑے بیوپاری تھے انہیں ڈان کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ لوگ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ ڈرگ ٹریفکنگ کے سائنٹیفک اصولوں سے واقف نہیں تھے لیکن انہوں نے منشیات اور اسلحہ کی خرید و فروخت کے اپنے طریقے اپنا رکھے تھے جن میں وہ کامیاب تھے۔

"تم تھوڑی دیر آرام کر لو شارق باؤ۔" گاما نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں چھانگا والے کمرے میں جا کر بیٹھتا ہوں۔ اگر وہ ہوش میں آ گیا تو میں تمہیں جگا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے' میں واقعی بڑی تھکن محسوس کر رہا ہوں۔" شارق بولا۔

گاما کے جانے کے بعد شارق چارپائی پر لیٹ گیا۔ وہ کچھ دیر تک چھانگا اور موجودہ صورت حال کے بارے میں سوچتا رہا پھر نیند سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

صبح سات بجے گامے نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"جلدی کرو شارق باؤ۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "چھانگا ہوش میں آ گیا ہے۔ وہ تمہیں بلا رہا ہے۔"

شارق چارپائی سے اتر کر ننگے پیر چلتا ہوا گامے کے ساتھ چھانگا والے کمرے میں آ گیا۔ چھانگا چارپائی پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ شارق کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ شارق کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"کیسے ہو؟" شارق نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟"

"یہی بتانے کے لئے تمہیں بلایا ہے۔" چھانگا نے کمزور سی آواز میں کہا پھر گاما اور دوسرے آدمی سے باہر جانے کو کہا۔ ان کے جانے کے بعد شارق نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا اور دوبارہ کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ چھانگا چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر کمزور سی آواز میں کہنے لگا۔

"میرے خلاف اس سازش میں ماجھا گجر کا ہاتھ ہے۔"

"ماجھا گجر؟" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "وہ تو....."

"تم اسے نہیں جانتے۔" چھانگا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "جیرا مجھ سے ناراض تھا کیونکہ میں اس کی جگہ تمہیں اہمیت دینے لگا تھا۔ ماجھا گجر کسی ایسے ہی موقع کی تاک میں تھا۔ اس نے جیرا کے کان بھرنا شروع کر دیئے۔ اور بالآخر جیرا کو توڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ جیرا نے پہلے بیس کلو ہیروئن غائب کی پھر ڈی ایس پی کے قتل کے حوالے سے مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے مجھے قتل کرنا چاہا مگر خود مر گیا۔ میں بھی تھوڑی ہی دیر کا مہمان ہوں۔ اچھا ہوا تم آ گئے..... میرے بعد اب تمہی کو یہ سب کچھ سنبھالنا ہے۔ میں نے گاما وغیرہ سے کہہ دیا ہے۔ یہ لوگ قابل اعتماد آدمی ہیں لیکن ان پر اندھا اعتماد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ماجھا گجر جیسے لوگوں سے ہوشیار رہنا۔ یہ یار مار قسم کے لوگ ہیں۔ لاہور کی ڈرگ مارکیٹ پر قبضہ کرنے کے لئے یہ لوگ تمہارے خلاف بھی بڑے عجیب و غریب ہتھکنڈے استعمال کریں گے۔ لیکن تم پڑھے لکھے ہو' ذہین ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم ان لوگوں سے نمٹ لو گے۔ طویلہ آباد رہنا چاہئے۔"

"فکر مت کرو چھانگے۔" شارق اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر سہلانے لگا۔ "تم

ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"جس شخص کے بھیجے میں گولی اٹکی ہوئی ہو اور آپریشن بھی نہ ہو وہ کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔" چھانگا نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "مزار کے تہہ خانے کا راستہ تمہیں معلوم ہے۔ سب کچھ وہیں پر ہے۔ اسلحہ' ہیروئن اور رقم بھی۔ پشاور کی ایک پارٹی سے تم واقف ہو چکے ہو۔ اس سے رابطہ رکھنا۔ وہ تمہیں مال سپلائی کرتا رہے گا۔ تم نے چھانگا کا جانشین بن کر یہ ثابت کرنا ہے کہ کسی سے کمزور نہیں ہو۔"

تھوڑی دیر بعد گاما وغیرہ کو بھی اندر بلا لیا گیا۔ چھانگا نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ شارق باؤ کے احکامات کی تعمیل کریں گے۔

اسی دوپہر چھانگا مر گیا۔ اور شام کو اسے خاموشی سے دفن کر دیا گیا۔ اس کے جنازے میں صرف چند آدمی شریک تھے جن میں ماجھا گجر بھی شامل تھا۔

چھانگا کی تدفین کے دوسرے ہی دن سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ اس سلسلے میں ماجھا گجر نے سب سے پہلے شارق سے ملاقات کی تھی۔

"شارق باؤ۔" وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ "چھانگا اب نہیں رہا۔ کاروبار اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں تمہارے پاس ایک تجویز لے کر آیا ہوں۔"

"ابھی تو چھانگے کی قبر کی مٹی بھی نہیں سوکھی ہو گی۔ بہتر ہو گا کہ دو چار دن انتظار تو کر لیا ہوتا۔ کم از کم سوئم تک۔" شارق نے کہا۔

"اس بزنس میں مرنے والے کو فوراً ہی بھلا دیا جاتا ہے۔ سوئم' دسواں' چہلم..... یہ سب رفاہ کی رسمیں ہیں۔ ہم جیسے لوگوں کو کون یاد رکھتا ہے۔ ہمارے لئے تو کہا جاتا ہے کہ مر گئے اور نہ فاتحہ نہ درود..... ویسے ٹھیک ہے۔ تم چھانگا کا سوئم کر لو۔ اس کے بعد بات ہو گی ویسے ایک بات یاد رکھنا میں سب سے پہلے تمہارے پاس آیا تھا۔" ماجھا گجر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ یاد رکھوں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

اسی رات بکے نے بھی شارق سے ملاقات کی تھی۔ نام تو اس کا برکت علی تھا مگر وہ بکہ کے نام سے مشہور تھا۔ شاہدرہ کا پورا علاقہ اس کے کنٹرول میں تھا۔ وہ اپنے علاقے کا سب سے طاقتور بدمعاش تھا۔ اس نے آج تک کسی اور کے قدم وہاں جمنے نہیں دیئے تھے۔ ہیروئن کے ساتھ اسلحہ کا بزنس بھی کرتا تھا۔ ہیروئن تو کبھی کبھار وہ کسی اور سے بھی لے لیا کرتا تھا لیکن اسلحہ وہ ہمیشہ چھانگا سے خریدا کرتا تھا۔

"شارق باؤ۔" اس نے کہا۔ "تم جانتے ہو میں چھانگا کا سب سے پرانا گاہک ہوں میں نے

ہمیشہ چھانگا کا ساتھ دیا ہے۔ اپنے علاقے میں کسی اور کا مال کبھی نہیں بکنے دیا۔ اب چھانگا کی گر
تم نے سنبھالی ہے۔ ہمارا خیال رکھنا۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ ماجھا گجر کسی اور کو میرے علاقے
اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر کسی اور کو وہاں قدم جمانے کا موقع مل گیا تو وہاں چھانگے کا
ختم ہو جائے گا۔"

"میں ایک دو دن بعد تم سے بات کروں گا۔" شارق نے کہا۔

یکے کے بعد ایک دو اور آدمیوں نے بھی شارق سے ملاقات کی تھی۔ یہ سب اپنے
علاقے کے ڈان سمجھے جاتے تھے۔ ان لوگوں سے ملاقاتوں کے بعد شارق کو احساس ہوا کہ چ
لاہور کی ڈرگ مافیا کی کس قدر اہم شخصیت تھی۔ صرف لاہور ہی نہیں بیرونی علاقوں کے
بھی اس کی حلقے میں شامل تھے اور ان سب نے شارق کو بلا اعتراض چھانگا کا جانشین تسلیم کر
اور ہر شخص نے اپنے تعاون کا یقین دلایا تھا۔ لیکن شارق فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کرنا
تھا۔ وہ معاملات کو فی الحال جوں کا توں رکھنا چاہتا تھا۔ صورت حال کا پوری طرح جائزہ لینے کے
ہی وہ کوئی فیصلہ کرتا۔

ان لوگوں سے ملاقاتوں سے شارق کو اپنی اہمیت کا احساس بھی ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ
بازی سے کام لے کر کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا جو اس کی بساط پلٹ دے۔ ان لوگوں میں
ایسے بھی تھے جو چھانگا کا نام ختم کرنا چاہتے تھے۔ ماجھا گجر کے بارے میں چھانگا مرنے سے
اسے خود ہی بتا چکا تھا۔ وہ دوستی کی آڑ میں اس کی جڑیں کاٹتا رہا تھا اور اس کا سب سے بڑا
ثابت ہوا تھا۔ اس نے جیرے کو اس گروہ سے کاٹا تھا اور شارق کے خیال میں چھانگے کی مو
ذمے دار بھی وہی تھا۔

تین دن بعد شارق نے عملی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس رات دو بجے کے لگ بھگ
خاموشی سے مزار والے تہہ خانے میں داخل ہوا۔ وہ تہہ خانے میں موجود اسٹاک کا جائزہ لینا
تھا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک تہہ خانے میں رہا۔ اس تہہ خانے میں تقریباً ڈھائی من ہیرو
علاوہ بڑی مقدار میں اسلحہ بھی موجود تھا جس میں ریوالور' پستول' کلاشنکوف اور دیگر آ
رائفلیں اور ہزاروں کی تعداد میں مختلف کیلیبر کی گولیاں شامل تھیں۔ ان چیزوں کے
لاکھوں روپے نقدی کی صورت میں بھی موجود تھے۔

شارق کے خیال میں اس تہہ خانے میں کروڑوں کا مال تھا اور وہ اس کا واحد مالک تھا۔
انتقام کے جذبے کے تحت اس گروہ میں شامل ہوا تھا۔ اس نے شیرا پہلوان کے گروہ کا خا

تھا۔ اب کوئی شیرا پہلوان کا نام بھی نہیں جانتا تھا۔ اور وہ خود بھی اس دلدل میں اتنا آگے جا چکا
تھا کہ اب واپسی ممکن نہیں رہی تھی۔ کم از کم دو قتل اس کے حساب میں لکھے جا چکے تھے۔ یہ وہ
دو آدمی تھے جنہیں اس نے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ جو لوگ ہیروئن کے
استعمال سے مفلوج ہو رہے تھے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے تھے وہ ان کے علاوہ تھے۔

ایک مرتبہ شارق کے ذہن میں یہ بات بھی آئی تھی کہ وہ یہ سب کچھ تباہ کر دے لیکن پھر
اس نے اس خیال کو ذہن سے نکال دیا۔ اس طرح بھی وہ اپنی جان نہیں چھڑا سکے گا۔ پولیس اسے
کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دے گی۔ وہ جہاں بھی جائے گا وہ لوگ اسے ڈھونڈھ نکالیں گے۔

چھانگا کے گروہ میں تین چار آدمی ایسے تھے جو زیادہ قریب تھے لیکن گاما ایک ایسا آدمی تھا
جس پر شارق بھروسہ کر سکتا تھا۔ اسے ایک نائب کی ضرورت تھی اور شارق کے خیال میں اس
سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

گاما ایک کمرے میں سویا ہوا تھا۔ صبح چار بجے کے قریب شارق نے اسے جگا دیا۔

"کیا بات ہے شارق باؤ۔ خیر تو ہے۔" وہ آنکھیں ملتے ہوئے بولا۔

"ہاں.... خیر ہی ہے۔ تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔

"ضروری بات! اس وقت؟" گاما نے اس طرح شارق کی طرف دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا
ہو۔ رات کے آخری پہر اسے جگا کر کوئی ضروری بات کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں' ایسی باتوں کے لئے ایسا ہی وقت مناسب ہوتا ہے۔" شارق نے کہا اور پھر چند لمحوں
خاموشی کے بعد بولا۔ "اس روز تم نے بتایا تھا کہ ماجھا گجر مارکیٹ پر قبضہ کرنے کے لئے کسی
کی سازش کر رہا ہے۔"

"ہاں' یہ درست ہے۔" گاما نے کہا۔ "اس نے کچھ لوگوں سے رابطے بھی شروع کر دیئے
ہیں۔"

"کیا میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں گامے؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"کیسی بات کر رہے ہو شارق باؤ۔" گاما نے کہا۔ "تمہیں چھانگا نے اپنا جانشین بنایا ہے اور
تمہاری ہر بات ماننا میرا فرض ہے۔"

"تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ چھانگا کے قتل میں ماجھا گجر کا ہاتھ ہے۔" شارق بولا۔

"یہ.... یہ کیا کہہ رہے ہو.... شارق باؤ۔" گامے نے اسے گھورا۔

"یہ درست ہے۔" شارق نے کہا۔ "مرنے سے پہلے چھانگا نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ ماجھا
نے پہلے جیرے کو توڑا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ جیرے کو چھانگا کے خلاف اٹھا کر ان میں پھوٹ

ڈال دے اور ممکن ہو تو چھانگا کو مروا کر جیرے کو اس گروہ کا سربراہ بنا دے اور پھر جیرے کے ذریعے چھانگا کے بزنس پر قبضہ جما لے لیکن اس کا منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ چھانگے کے بجائے جیرا بھی مر گیا۔ اب وہ کسی اور طریقے سے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے گا۔ وہ مجھ سے بھی ملا تھا اور یہ پیشکش کی تھی کہ ہم اس کی ساتھ مل کر کام کریں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا بہتر ہو گا کہ وہ ہمیں اپنے نیچے لگانا چاہتا ہے لیکن میں نے اس کی یہ تجویز مسترد کر دی ہے۔ چھانگا کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ اگر وہ میری پشت پناہی نہ کرتا تو آج میں جیل میں سڑ رہا ہوتا۔ میں چھانگا کی موت کو نہیں بھلا سکتا۔ میں ماجھا گجر کو ایسی سزا دینا چاہتا ہوں کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی اسے نہ بھلا سکیں۔"

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے شارق باؤ۔" گاما نے کہا۔ "اگر تم کہو تو کل ہی اس کا قصہ پاک کر دیں۔"

"نہیں، اس طرح نہیں۔" شارق نے کہا۔ "میں اسے سسکا سسکا کر مارنا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے میں نے ایک ترکیب سوچ لی ہے۔"

"وہ کیا؟" گاما نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"گوالمنڈی میں ہمارا ایجنٹ کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"مولوی حمید۔" گاما نے جواب دیا۔ "لیکن وہ دبا ہوا ہے۔ ماجھے گجر کا آدمی وہاں چھاپہ مارا ہے۔ اس کے سامنے مولوی حمید کی حیثیت بہت کمزور ہے۔"

"اسے اس علاقے میں اٹھاؤ۔" شارق نے کہا۔ "آدھی قیمت پر مال فروخت کرے۔ پھر ماجھا گجر کا آدمی خود بخود جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا۔"

"مولوی حمید کے پاس تو اتنا پیسہ نہیں ہے۔ آدھی قیمت پر بیچنے کے لئے وہ مال کہاں سے لائے گا۔" گاما نے کہا۔

"مال اسے ہم دیں گے۔ اس کی تم فکر مت کرو۔ اپنے کسی حریف کو زیر کرنے کے لئے تھوڑی بہت قربانی تو دینی ہی پڑتی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"لیکن ہمارے پاس مال کہاں ہے شارق باؤ۔ ایک ہفتے سے تو ہمارے گاہک واپس جا رہے ہیں۔ ہم مولوی حمید کو کہاں سے دیں گے۔"

"مال بہت ہے۔" شارق نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔ میں تم پر اعتماد کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤ گے۔"

"کیسی بات کر رہے ہو شارق باؤ۔ تمہارے لئے تو اپنی جان بھی حاضر ہے۔" گاما بولا۔

"تو آؤ میرے ساتھ۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔ احاطے کے گیٹ کے قریب دو کوچوان اپنے اپنے تانگے تیار کر رہے تھے۔ شارق، گاما کو لے کر مزار میں آ گیا اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ شارق نے بہت سوچ سمجھ کر گاما کو اپنا رازدار بنایا تھا۔ اسے ایک قابل اعتماد آدمی کی ضرورت تھی اور اس کے لئے اس نے گاما کا انتخاب کیا تھا۔

گاما اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ اس مزار کے اندر آ چکا تھا۔ لیکن اسے اس حقیقت کا آج تک پتہ نہیں چل سکا تھا کہ یہاں کیا ہے۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ یہاں صرف ایک قبر ہے اور کچھ نہیں لیکن اب وہ حیرت سے شارق کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ شارق اسے مزار کے اندر کیوں لے کر آیا تھا۔ لیکن جب شارق نے سوئچ بورڈ کا ایک بٹن آن کرنے کے بعد مخصوص میکنزم کے ذریعے قبر کا تعویذ کھولا تو اس کی حیرت دوچند ہو گئی۔ اور پھر جب شارق اسے لے کر تہہ خانے میں اترا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"کیا تمہارے خیال میں اس مال سے ہم گوالمنڈی کے علاقے میں ماجھے گجر کی مارکیٹ ڈاؤن نہیں کر سکتے؟" شارق نے ہیروئن اور اسلحہ کی پیٹیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اس مال سے گوالمنڈی تو کیا ہم پورے لاہور میں اس کا بیڑا غرق کر سکتے ہیں۔" گاما نے جواب دیا۔

"تم صبح مولوی حمید کو یہاں بلا لو۔ اس سے سارا پروگرام طے کر لیتے ہیں۔" شارق نے کہا اور اسے لے کر کمرے سے باہر آ گیا۔ "اور آج سے اپنا دھندہ بھی شروع کر دو۔ کسی گاہک کو واپس نہیں جانا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔" گاما نے کہا۔

"اس تہہ خانے کا راز چھانگا اور جیرے کو معلوم تھا۔ تیسرا آدمی میں ہوں اور اب چوتھے تم ہو۔ کسی اور کو اس کا پتہ نہیں چلنا چاہئے۔" شارق نے کہا۔

"فکر ہی مت کرو... شارق باؤ۔" گاما نے جواب دیا۔ "گاما اپنی جان تو دے سکتا ہے کوئی راز فاش نہیں کرے گا۔"

دن کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ وہ دونوں تانگے والے تانگے لے کر جا چکے تھے اور اب ایک کوچوان اپنا تانگہ تیار کر رہا تھا۔

"اوئے شیرے۔" گاما نے اسے آواز دی۔ "جا دیکھ ہوٹل کھل گیا ہو گا۔ چائے تو لے کر آ..."

"اچھا گاما جی۔ ابھی لاتا ہوں۔" کوچوان اپنا کام چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

"ایک بات تو بتاؤ گامے۔" شارق نے کہا۔ "میں چند روز فیصل آباد رہا ہوں' میری عدم موجودگی میں یہاں کچھ واقعات رونما ہوئے ہیں۔ سنا ہے ڈی ایس پی کا قاتل بھی پکڑا گیا ہے کون ہے وہ' جانتے ہو اسے؟"

"وہ تو سارا ڈرامہ ہے۔" گاما نے جواب دیا۔ "پہلے تو پولیس نے ڈی ایس پی کے قاتل کی تلاش میں بڑی سرگرمی دکھائی تھی۔ بہت پکڑ دھکڑ بھی ہوئی تھی لیکن پولیس اصل آدمی کا سراغ نہیں لگا سکی۔ ہیرا منڈی کا ایک بندہ ان کے ہاتھ آ گیا۔ اتفاق سے وہ کئی سال پہلے اسی ڈی ایس پی کے ہاتھوں جیل جا چکا تھا۔ اس وقت یہ ڈی ایس پی' انسپکٹر ہوا کرتا تھا۔ اس شخص نے پکڑے جانے کے بعد یہ اعتراف کیا تھا کہ جیل سے رہا ہونے کے بعد وہ ڈی ایس پی پر قاتلانہ حملہ کر چکا تھا لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے اس بیان کے بعد پولیس نے اسی پر قتل کا الزام لگا دیا۔ پولیس نے تو ابھی تک اسے عدالت میں بھی پیش نہیں کیا۔ ابھی اس سے مزید پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔"

شارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ صورت حال کوئی اطمینان بخش نہیں تھی لیکن بہرحال اس کے لئے پریشانی کی بھی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ اتنا لاپرواہ بھی نہیں تھا کہ دھوکے میں مار کھا جاتا۔ لاہور میں رہتے ہوئے وہ صورت حال پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ کوچوان چائے لے کر آ گیا۔ اس نے چائے کے برتن ان کے سامنے رکھ دیئے۔

"گامے استاد!" وہ گامے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اپنے دھندے کا کیا ہو گا؟ صرف کوچوانی پر تو گزارہ نہیں ہوتا نا؟"

"اب کنجی شارق باؤ کے پاس ہے۔" گاما نے جواب دیا۔ "میں نے بات کر لی ہے' آج شام کو تم لوگوں کو مال مل جائے گا۔"

"خیر ہو شارق باؤ کی۔" کوچوان نے کہا۔ "کئی دن سے دھندا ہی نہیں ہو رہا۔ پولیس والے الگ تنگ کر رہے ہیں۔ انہیں کیا پتہ کہ ہم کس سیاپے میں پڑے ہوئے ہیں۔"

"آج شام کو لے جانا۔" شارق نے کہا۔

"ابھی تم تانگہ لے کر کہاں جاؤ گے؟" گاما نے پوچھا۔

"ٹیشن جاؤں گا جی۔" کوچوان نے جواب دیا۔ "اپنا پھیرا تو ادھر ہی کا ہوتا ہے ٹیشن سے دربار اور دربار سے ٹیشن۔"

"گوالمنڈی سے ہوتے ہوئے چلے جاؤ۔ مولوی حمید کو یہاں بھیج دینا۔ کہنا فوراً آ جائے.... سارے کام چھوڑ کر۔" گاما نے کہا۔

"اچھا جی.... میں جاتے ہوئے پیغام دے دوں گا۔" کوچوان نے جواب دیا۔

شارق اور گاما چائے پینے لگے۔ طویلے میں اب آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ کوچوان آتے اور اپنے اپنے تانگے تیار کر کے لے جاتے۔ گاما تھوڑی دیر بعد اٹھ کر باہر چلا گیا۔ عام طور پر وہ بھی تانگہ چلایا کرتا تھا لیکن چھانگے کے مرنے کے بعد اس نے تانگہ چلانا چھوڑ دیا تھا اور زیادہ وقت شارق کے ساتھ ہی رہتا تھا۔

اس وقت سورج نکل رہا تھا۔ شارق حوض کے قریب کھڑا ہینڈ پمپ سے منہ دھو رہا تھا۔ اس نے پروگرام یہ بنایا تھا کہ مولوی حمید سے ملنے کے بعد گھر جائے گا۔ فیصل آباد سے واپس آنے کے بعد بھی وہ گھر نہیں گیا تھا اور نہ ہی اس نے سہیل کی طرف کا چکر لگایا تھا۔ چھانگا کی موت کے بعد وہ کچھ اس قدر مصروف رہا تھا کہ یہاں سے نکلنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ طویلے میں بھی آج وہ پہلی رات ہی سویا تھا۔ رات کو وہ ماسی مہراں کے مکان پر ہی رہا کرتا تھا۔ ماسی مہراں کے بارے میں گاما سے اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ چھانگے کی منہ بولی بہن تھی۔ دس بارہ سال پہلے مہراں نے اس پر کوئی احسان کیا تھا۔ چھانگا نے اسے اپنی بہن بنا لیا تھا۔ اور جب تک زندہ رہا اسے بہن ہی کی طرح سمجھا۔ مہراں بیوہ ہو چکی تھی اس کا صرف ایک بیٹا تھا جو ایبٹ آباد کے اسکول میں زیر تعلیم تھا اور وہیں رہتا تھا۔ وہ صرف چھٹیوں میں یہاں آیا کرتا تھا۔ مہینے میں ایک مرتبہ مہراں اس سے ملنے کے لئے چلی جایا کرتی تھی۔ یہ مکان بھی چھانگے ہی نے مہراں کو خرید کر دیا تھا اور چھانگا اس مکان کو اپنے خفیہ ٹھکانے کے طور پر بھی استعمال کرتا تھا۔ پہلے تو اس کا یہ ٹھکانہ واقعی خفیہ تھا۔ جیرے کے علاوہ کسی اور کو اس کا علم نہیں تھا لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کے سارے آدمیوں کو اس مکان کا پتہ چل گیا تھا۔ اس کے آدمی مہراں کو احتراماً ماسی کہنے لگے تھے اور وہ ماسی مہراں کی نام سے مشہور ہو گئی تھی۔ چھانگا نے یہاں کبھی اپنا مال وغیرہ نہیں رکھا تھا نہ ہی یہاں کبھی ایسی کوئی چیز لایا تھا جسے غیر قانونی کہا جا سکتا ہو۔ اس نے اپنے آدمیوں کو بھی سختی سے منع کر رکھا تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کبھی مہراں کے گھر کا رخ نہ کریں۔ وہ انتہائی ایمرجنسی کی صورت میں اس گھر میں آ کر پناہ لیتا تھا' اور اب شارق بھی کئی روز سے وہاں تھا' لیکن شارق نے یہ تو طے کر لیا تھا کہ چھانگے کی طرح وہ بھی ماسی مہراں کا خیال رکھے گا۔ اسے باقاعدگی سے اخراجات ادا کرتا رہے گا لیکن اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ ماسی مہراں کے مکان کو اپنے اڈے کے طور پر استعمال نہیں کرے گا۔

شارق ابھی حوض کے قریب ہی کھڑا تھا کہ گاما وہاں آ گیا۔ اس کے چہرے پر کسی قدر گھبراہٹ کے آثار تھے۔

"کیا بات ہے گاما... کیا ہوا؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ سب انسپکٹر آیا ہے شارق باؤ۔ تم سے ملنا چاہتا ہے۔" گاما نے کہا۔

"سب انسپکٹر۔" شارق چونک گیا۔ اس کے ذہن میں بیک وقت کئی سوالات ابھرے تھے لیکن بہرحال اسے اس سب انسپکٹر سے ملنا تو تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔ سب انسپکٹر سادہ لباس میں تھا اور کمرے کے سامنے کھڑا تھا۔

"بسم اللہ.... بسم اللہ...." شارق اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ "کیسے آنا ہوا حضور..... مجھے بلا لیا ہوتا..... آؤ..... اندر آؤ..... اوئے گامے..... کسی کو بھیج کر ہوٹل سے چائے منگواؤ۔" شارق سب انسپکٹر کو لے کر کمرے میں آ گیا۔

وہ دونوں دری پر بیٹھ گئے۔

"کیسے آنا ہوا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بات یہ ہے چھانگا سے ہمارا ایک معاملہ طے تھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "تم میری بات سمجھ رہے ہو نا.... مہینے کا ایک لاکھ روپیہ۔ یہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے اس کے عوض ہم اسے ہر قسم کا تحفظ فراہم کرتے تھے۔ چھانگا اب نہیں رہا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ اڈہ اب تم نے سنبھال لیا ہے۔ تم چھانگا کے جانشین ہو اور میرا خیال ہے تمہیں بھی چھانگا کے معاہدوں کا خیال رکھنا ہو گا۔"

"بالکل خیال رکھنا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مجھے ابھی تک چھانگا کے کاروبار کے بارے میں زیادہ پتہ نہیں، نہ ہی مجھے یہ معلوم ہے کہ اس کا کس سے کیا معاہدہ تھا اور...."

"دیکھو مسٹر شارق۔" سب انسپکٹر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم کئی مہینوں سے چھانگا کے ساتھ ہو۔ تمہیں سب کچھ معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا کس سے کیا تعلق تھا۔ اگر تمہیں نہیں بھی معلوم تو یہ علم ہونا چاہئے کہ اس قسم کے کاروبار پولیس کی سرپرستی کے بغیر نہیں چل سکتے۔ ویسے مہینے کا ایک لاکھ زیادہ نہیں ہے۔ کروڑوں کا بزنس ہے۔ ہمارے تعاون کے بغیر یہاں کوئی پان سگریٹ کا کھوکھا بھی نہیں کھول سکتا۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن....."

"تم جیسے جیسے سوچو گے بات الجھتی جائے گی شارق...." سب انسپکٹر نے پھر اس کی بات کاٹ

دی۔ "اگر تمہیں یہ کام یہاں پر جاری رکھنا ہے تو اس معاہدے پر بھی عمل کرنا ہو گا۔ بصورت دیگر تم جانتے ہو کہ ہم ایسے لوگوں کے بارے میں مکمل معلومات رکھتے ہیں مثلاً تمہارے بارے....."

"میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟" اس مرتبہ شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہارے بارے میں۔" سب انسپکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "ایک مرتبہ جو شخص تھانے کا چکر لگا لیتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے پولیس کی نظروں میں آ جاتا ہے اور تم تو ایک لمبی سزا کاٹ کر آئے ہو اور اس کے بعد بھی سرکاری مہمان بنتے رہے ہو۔ تمہارا لوہاری تھانے کا پورا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے۔ یہاں اگر چھانگا نے تمہیں پناہ نہ دی ہوتی تو تم ایک دن بھی آزاد نہیں رہ سکتے تھے اور اب تم اس اڈے کے مالک ہو اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ پولیس سے عدم تعاون کی صورت میں تمہیں کس قسم کی مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے۔"

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔ "چھانگا سے تم لوگوں کا جو معاہدہ ہوا ہے وہ جاری رہے گا۔"

"عقل مند ہو۔" سب انسپکٹر مسکرایا۔ "دس بجے تھانے آ جاؤ۔ انسپکٹر صاحب سے تفصیل سے بات کر لینا۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ ان سے میل ملاقات رکھو گے تو تمہیں کبھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پہنچ جاؤں گا۔" شارق نے جواب دیا۔ اسی دوران گاما چائے لے کر آ گیا۔ چائے کے بعد جب سب انسپکٹر رخصت ہونے لگا تو شارق نے پانچ سو روپے کے نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

"اس کی کیا ضرورت تھی۔" سب انسپکٹر نے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"بوہنی سمجھ لو۔" شارق مسکرایا۔ "بوہنی اچھی ہو تو دن اچھا گزر جاتا ہے۔"

"بوہنی اچھی ہو یا بری ہمارے دن تو بس ایسے ہی گزرتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"تم دس بجے تھانے پہنچ جانا..... اس کے بعد انسپکٹر صاحب کو کہیں اور جانا ہے۔ اپنا معاملہ آج طے کر ہی لو تو بہتر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آ جاؤں گا۔" شارق نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے جواب دیا۔

سب انسپکٹر کے جانے کے بعد شارق ایک بار پھر سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا پورا ریکارڈ اس تھانے میں موجود تھا اور محض چھانگا کی وجہ سے اس علاقے کی پولیس نے کبھی اس پر ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ اسے چھانگے کا آدمی سمجھا جاتا تھا اور چھانگا انہیں ایک لاکھ روپے ماہوار بھتہ دیتا تھا۔

نو بجے کے لگ بھگ گوالمنڈی کا مولوی حمید بھی پہنچ گیا۔ گوالمنڈی چوک پر اس کی چائے کی دکان تھی۔ اس کی دکان پر دن بھر گاہکوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ شام کے بعد تو وہاں میلہ سا لگا رہتا۔ دکان کے اندر گاہکوں کے لئے صرف تین میزیں تھیں۔ شام ہوتے ہی سامنے والے فٹ پاتھ پر میزیں اور کرسیاں بچھا دی جاتی تھیں اور رات ایک ڈیڑھ بجے تک یہاں رونق رہتی تھی۔

مولوی حمید پینتیس اور چالیس کے درمیان رہا ہو گا۔ چھوٹی داڑھی اور ماتھے پر محراب کا نشان تھا۔ سر پر ہر وقت ٹوپی موجود رہتی۔ وہ کاؤنٹر پر خود ہی بیٹھتا تھا۔ چائے کے ساتھ اس کا ہیروئن کا کاروبار بھی چلتا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے تک وہ اس علاقے کی مارکیٹ پر چھایا ہوا تھا لیکن پھر ماجھا گجر کے دو آدمیوں نے بھی اڈے کھول لئے۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے کاروبار پر چھا گئے۔ مولوی حمید پیسے کے معاملے میں ذرا کمزور آدمی تھا۔ دبتا چلا گیا۔ اب اس کا ہیروئن کا کاروبار برائے نام ہی رہ گیا تھا۔ اس وقت وہ شارق کا پیغام ملتے ہی دوڑا چلا آیا تھا۔

"صبح سے رات تک تمہارے پاس کتنی کھپت ہو جاتی ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"اب تو نہ ہونے کے برابر ہے۔" مولوی حمید نے جواب دیا۔ "کچھ لگے بندھے گاہک ہیں جو مروت میں چلے آتے ہیں۔ میرے سارے گاہک تو ماجھے گجر کے آدمیوں نے توڑ لئے ہیں۔"

"فکر مت کرو۔ اب وہ تمام گاہک تمہارے پاس واپس آئیں گے۔" شارق نے کہا۔ "جتنا مال تمہیں چاہئے لے جاؤ اور آدھی قیمت پر بیچنا شروع کر دو۔ پیسے کی پرواہ مت کرنا۔ ماجھا گجر کے آدمی وہاں نہیں ٹکنے چاہئیں۔"

"آدھی قیمت پر۔" مولوی حمید نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "لیکن دام تو پہلے سے بڑھ چکے ہیں۔ آدھی قیمت پر مال کیسے فروخت ہو سکتا ہے۔ میں یہ نقصان برداشت نہیں سکتا۔"

"حریف کو نقصان پہنچانے کے لئے خود بھی تھوڑا بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اور یہ نقصان تم نہیں، میں اٹھاؤں گا۔ تمہیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ میں ایک ہفتے کے اندر اندر گوالمنڈی سے ماجھا گجر کے آدمیوں کا صفایا کرنا چاہتا ہوں۔ گوالمنڈی کے بعد دوسرے علاقوں کی باری آئے گی۔ ماجھا گجر یہ سمجھ رہا ہے کہ چھانگا کے مرنے کی بعد اس کے آدمی اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن.... میں اسے بتاؤں گا کہ چھانگا کے آدمی اس قدر کمزور نہیں ہیں کہ انہیں آسانی سے دبایا جا سکے۔ ہر جگہ اس کا مقابلہ کریں گے اور بالآخر اسے یہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیں گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" مولوی حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ شام سے پہلے پہلے تمہیں مال مل جائے گا۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ "تم آج ہی سے اس پروگرام پر عمل شروع کر دو پھر دیکھو تماشہ۔"

مولوی حمید کے جانے کے کچھ دیر بعد شارق نے گاما کو کچھ ہدایات دیں اور طویلے سے نکل آیا۔ اس کا رخ تھانے کی طرف تھا۔

○

شارق کو گئے ہوئے کئی روز ہو چکے تھے۔

وہ رات ثمینہ نے جاگتے ہوئے گزاری تھی۔ کبھی وہ شارق کے چلے جانے پر خدا کا شکر ادا کرتی اور کبھی اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل جاتا۔ وہ شارق کی شرافت اور معصومیت پر فریفتہ ہوئی تھی لیکن اس نے اسے ایسے جال میں پھنسا دیا تھا جس کے پھندے تنگ ہوتے جا رہے تھے۔

اس سے اگلے روز بھی ثمینہ کالج نہیں گئی تھی۔ ایک عجیب سا خوف اس کے ذہن پر طاری تھا۔ ہر آہٹ پر وہ گڑبڑا جاتی۔ دروازے کے سامنے آتی کوئی بھی آواز سن کر اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی۔ اسے ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا کہ پولیس کسی بھی لمحہ یہاں پہنچ جائے گی اور اسے قتل کے الزام میں گرفتار کر کے لے جائے گی، لیکن پھر یہ سوچ کر وہ اپنے آپ کو تسلی دیتی کہ پولیس کو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ سلمان ایڈووکیٹ کا قاتل کون تھا۔ وہ ریسٹورنٹ کے لان سے سلمان کو بلانے گئی تھی لیکن اس نے چادر اس طرح اوڑھ رکھی تھی کہ اس کا چہرہ چھپ کر رہ گیا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں اور محض آنکھوں سے اسے شناخت نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس سے اگلے روز جب شارق اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا تو وہ خوب بلک بلک کر روئی تھی شارق اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اور وہ رات بھر سوچتی رہی تھی کہ اگر کسی طرح پولیس اس تک پہنچ گئی تو وہ شارق کے بارے میں کیا بتائے گی۔ وہ تو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ اسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ لاہور میں کہاں رہتا تھا۔

وہ رات اس نے بڑی مشکل سے گزاری تھی۔ رونے اور رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ نسوں میں اس قدر شدید تناؤ تھا جیسے کسی بھی لمحہ پھٹ جائیں گی۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا لیکن دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر چائے بنائی۔ کرسی پر بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ ایک بار پھر صورت حال کا جائزہ لینے لگی۔ اس کے ذہن میں ایک یہ سوال بھی گردش کر رہا تھا کہ شارق اسے چھوڑ کر بھاگ تو نہیں گیا۔

شارق کی شرافت کی وہ اب بھی قائل تھی۔ تمام تر مواقع ہونے کے باوجود شارق نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ کم از کم دو مرتبہ ایسا موقع بھی آیا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو شارق کی آغوش میں گرا دیا تھا مگر شارق یا تو بے وقوف تھا عورت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اور یا پھر واقعی اس قدر شریف تھا کہ جوان عورت کو اپنی آغوش میں پا کر بھی اس نے شرافت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ لیکن ضروری تو نہیں کہ ہر مرد کے دل میں یہی ہوس ہو۔ بعض لوگ دوسرے طریقوں سے بھی عورت کی مجبوری اور بے بسی سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ پہلی رات شارق محض اتفاق سے اس گھر میں پہنچ گیا تھا۔ وہ پولیس سے بچنا چاہتا تھا۔ اس نے گن پوائنٹ پر اسے یرغمال بنا لیا تھا اور جب اسے پتہ چلا کہ وہ یہاں بالکل اکیلی ہے تو شرافت کا مظاہرہ کر کے اس کا اعتماد حاصل کر لیا' اور جب پولیس ثمینہ کو پکڑ کر لے گئی تو اس کا کزن بن کر پہنچ گیا اور پھر اسے ایک ایسے جال میں پھنسا دیا جس سے نکلنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا اصل مقصد ہی یہ ہو کہ اپنے دشمن سلمان کو قتل کرنے کے لئے اسے کسی ساتھی کی ضرورت ہو۔ اس لحاظ سے اس کا مقصد پورا ہو گیا اور وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

ثمینہ یہ سب کچھ سوچ تو رہی تھی لیکن اس کا دل نہیں مانتا تھا کہ شارق اسے چھوڑ کر چلا گیا ہو۔ باہر گلی میں لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ ثمینہ اٹھ کر باتھ روم میں چلی گئی۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے سے اس کے حواس کسی قدر بحال ہوئے۔ پہلے اس نے سوچا کہ بستر پر جا کر سو جائے لیکن پھر کالج جانے کی تیاری کرنے لگی۔ کل بھی وہ نہیں گئی تھی آج بھی نہ گئی تو پرنسپل کے سامنے جوابدہی کرنی پڑے گی۔

اس نے ناشتہ کیا۔ لباس بدل کر تیار ہوئی۔ وہ اپنا نوٹس والا رجسٹر اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھنا ہی چاہتی تھی کہ اسے یکایک محسوس ہوا جیسے زمین پیروں کے نیچے سے نکلی جا رہی ہو۔ وہ اگر جلدی سے قریب پڑی ہوئی کرسی کا سہارا نہ لے لیتی تو یقیناً گر پڑتی۔ رجسٹر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کرسی تھامے کھڑی رہی۔ اسے ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اور جب یہ گردش ذرا کم ہوئی تو آنکھوں کے سامنے تاریکی سی پھیلنے لگی۔ وہ کرسی چھوڑ کر لڑکھڑاتی ہوئی پلنگ پر آن گری اور سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر آنکھیں بند کر لیں۔

اسے بری طرح چکر آ رہے تھے۔ اس نے سر کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ دماغ کی نسیں پھٹتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھیں۔ اپنے اردگرد کی ہر چیز گردش کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ پلنگ یوں گھوم رہا تھا جیسے بھنور میں پھنسی ہوئی کشتی گردش کرتی ہوئی لہروں کے کنویں میں دھنستی

جا رہی ہو۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنے آپ کو ڈوبتا ہوا محسوس کر رہی تھی اس کے ساتھ ہی اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

وہ اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔ اسکے چاروں طرف تاریکی تھی۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا۔ اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ بس دوڑ رہی تھی۔ ان خونی بھیڑیوں سے بچنے کے لئے جو سرخ زبانیں نکالے غراتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے آ رہے تھے۔ وہ دوڑتے دوڑتے رک گئی۔ سامنے تاریکی میں چمکتی ہوئی سرخ آنکھوں نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ وہ بھیڑیئے تھے۔ اس نے دائیں طرف دیکھا۔ وہاں بھی خونی بھیڑیئے سرخ زبانیں نکالے اس کی طرف لپک رہے تھے۔ بائیں طرف بھی بھیڑیئے اس کا راستہ روکے کھڑے تھے اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ سیٹیوں کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے وہ چیخنا چاہتی تھی مگر اس کی آواز سینے میں گھٹ کر رہ گئی۔ سیٹیوں کی آواز تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ وہ آواز اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسانے لگی۔ اور پھر اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

اس نے آنکھیں کھول دیں اور بدحواس سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ دماغ میں اب بھی ہتھوڑے برس رہے تھے اور سیٹیوں جیسی تیز آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ اب دھڑدھڑاہٹ کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔

نہ تو ویرانہ تھا' نہ تاریکی تھی اور نہ ہی خونی بھیڑیئے۔ دن کی روشنی تھی' کھڑکی سے دھوپ اندر آ رہی تھی۔ باہر دروازے کی گھنٹی بج رہی تھی اور ساتھ ہی دروازہ دھڑدھڑایا بھی جا رہا تھا۔ ثمینہ کو ایک بار پھر اپنا دل سینے میں ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کے ذہن میں سب سے پہلے پولیس کا خیال ابھرا تھا۔ شاید پولیس کو سلمان کے قتل کا پتہ چل گیا تھا اور وہ لوگ اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچ گئے تھے۔

ثمینہ نے ادھر ادھر دیکھا۔ دروازہ بدستور دھڑ دھڑایا جا رہا تھا اور گھنٹی بھی بجائی جا رہی تھی۔ ثمینہ کی نظریں کمرے کی عقبی کھڑکی پر تھیں۔ اس کھڑکی کے پیچھے تقریباً پانچ فٹ چوڑا گلیارہ سا تھا اور اس کے ساتھ پیچھے والے مکان کی دیوار تھی۔ اس نے ایک لمحہ کو یہ سوچا کہ کھڑکی کے راستے نکل کر عقبی دیوار پھاند کر پچھلے مکان میں کود جائے لیکن اسی لمحہ باہر سے ایک آواز سنائی دی۔

"مس ثمینہ..... دروازہ کھولئے..... میں فقیر حسین ہوں۔"

یہ آواز اور یہ نام کچھ جانا پہچانا سا لگا اور پھر دفعتاً" وہ اچھل پڑی۔ یہ انکے کالج کے چپراسی فقیر حسین کی آواز تھی۔ وہ پلنگ سے اتر کر ننگے پیر دوڑتی ہوئی دروازے کے قریب پہنچ گئی۔

دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ گیٹ کے باہر کالج کا چپراسی فقیر حسین کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ ثمینہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی اس نے گیٹ کھولا اور فقیر حسین کو اندر آنے کے لئے کہہ کر تیزی سے واپس آ گئی۔

فقیر حسین کے ساتھ ثمینہ کی سامنے اولی پڑوسن آسیہ بھی اندر آئی تھی۔ اس وقت ثمینہ کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ اس کا جسم اب بھی پسینے میں شرابور تھا۔

"ارے ثمینہ بی بی۔" آسیہ جلدی سے اس کے قریب پہنچ گئی۔ "کیا ہوا تمہیں۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی....."

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کل سارا دن بخار رہا۔ رات کو بھی بخار تھا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"اور تمہارا وہ کزن..... وہ کہاں ہے۔ کسی ڈاکٹر کو بلا لیا ہوتا۔" آسیہ نے کہا۔

"وہ تو کل ہی لاہور چلا گیا تھا۔" ثمینہ نے جواب دیا پھر فقیر حسین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا بات ہے فقیر حسین تم کیسے آئے ہو؟"

"میڈم نے بھیجا ہے جی۔" فقیر حسین نے جواب دیا۔ "آپ کل بھی کالج نہیں آئی تھیں۔"

"تم دیکھ رہے ہو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں دو دن کی رخصت کی ایپلی کیشن لکھ دیتی ہوں۔ میڈم کو دے دینا۔" ثمینہ نے کہا اور ایک کاغذ لے کر ایپلی کیشن لکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے جی۔ میں بتا دوں گا میڈم کو۔" فقیر حسین نے کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"ثمینہ بی بی۔ تم نے کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں۔ طبیعت اتنی خراب تھی تو دروازے میں کھڑے ہو کر آواز دے دی ہوتی۔" آسیہ نے فقیر حسین کے جانے کے بعد کہا۔

"میں تو صبح کالج جانے کے لئے تیار ہوئی تھی کہ یکایک چکر آ گیا۔ اس کے بعد میں بستر پر لیٹ گئی پھر مجھے ہوش ہی نہیں رہا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"تین بج رہے ہیں۔ تم لیٹ جاؤ بستر پر۔ میں کھانا بنا کر لاتی ہوں۔ اتنی دیر تمہارے پاس عائشہ کو بھیج دیتی ہوں۔" آسیہ نے کہا اور ثمینہ کو کرسی سے اٹھا کر بستر پر لے آئی۔

آسیہ کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد اس کی بیٹی عائشہ آ گئی۔ وہ چودہ پندرہ سال کی لڑکی تھی۔ ثمینہ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد آسیہ گھر سے کھانا تیار کر کے لے آئی۔ ثمینہ کی طبیعت نہیں چاہ رہی تھی لیکن آسیہ نے زبردستی کھانا کھلا دیا۔ آسیہ ڈیڑھ دو گھنٹے تک اس کے پاس بیٹھی رہی۔

شام سے پہلے ثمینہ کی طبیعت سنبھل گئی۔ گھر میں اسے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ وہ تیار ہو کر اپنی ایک دوست کے ہاں چلی گئی۔ اس کا گھر دھوبی گھاٹ کے دوسری طرف ڈگلس پورہ میں تھا۔ نائلہ بھی اسی کے کالج میں لیکچرار تھی۔ وہ اس وقت گھر پر ہی تھی۔

"ارے ثمینہ۔" وہ اسے دیکھتے ہی بولی۔ "کیا ہوا تمہیں۔ تم دو دن کالج نہیں آئیں اور دو دنوں میں تم نے یہ کیا حالت بنا لی ہے۔"

"طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "گھر میں اکیلے بیٹھے وحشت ہو رہی تھی۔ سوچا تھوڑی دیر کے لئے تمہارے پاس آ جاؤں۔"

"اچھا کیا تم نے..... آؤ..... میرے کمرے میں آ جاؤ۔" نائلہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔

ثمینہ رات گیارہ بجے تک نائلہ کے پاس رہی۔ اس نے رات کا کھانا بھی وہیں کھایا تھا۔ نائلہ اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر اسے گھر تک چھوڑنے آئی تھی۔

اس رات بھی ثمینہ کو دیر تک نیند نہیں آ سکی تھی۔ اس پر عجیب سی وحشت طاری تھی۔ شارق کا خیال بار بار اس کے ذہن میں در آتا۔ وہ بار بار سر کو جھٹک دیتی۔ وہ شارق کے خیال سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اسے بھول جانا چاہتی تھی۔ وہ قانون کا مجرم تھا۔ وہ قاتل تھا۔ اسے شارق کے خیال کو بھی اپنے قریب نہیں پھٹکنے دینا چاہئے۔ دل کی نادانی اس کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ اسے عقل سے کام لینا چاہئے۔ وہ معاشرے کی ایک معزز فرد ہے۔ لوگ اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ استاد ہے۔ معاشرے میں استاد کا مقام تو بہت اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے۔ لیکن اگر لوگوں کو پتہ چل گیا کہ اس نے ایک مجرم کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ ایک قاتل کو اپنا کزن بتایا تھا اور اس کے ساتھ ایک شخص کو قتل کرنے میں حصہ لیا تھا تو اس کی جو ذلت و رسوائی ہو گی اس کا وہ اندازہ نہیں لگا سکتی تھی۔ لوگ اس پر نفرین کریں گے۔ اس کی وجہ سے دوسرے استادوں پر سے بھی والدین کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ وہ خود کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔ خاندان والے اس کی صورت دیکھنا بھی گوارہ نہیں کریں گے۔ ہاں..... اسے سب کچھ بھول جانا ہو گا۔ اب بھی وقت ہے۔ شارق کے خیال کو ذہن سے جھٹک دینا ہو گا۔ یہ شخص ایک تند بگولے کی طرح اس کی زندگی میں آیا تھا۔ اسے اس بگولے کی لپیٹ میں آنے سے بچنا ہو گا۔ ہاں..... وہ شارق کو بھول جائے گی۔ اس کے تصور کو بھی قریب نہیں پھٹکنے دے گی۔

صبح جب وہ بیدار ہوئی تو اس کا ذہن بالکل صاف تھا اور وہ اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔ اس نے ناشتہ کیا اور تیار ہو کر کالج کے لئے روانہ ہو گئی۔ وہ کالج میں حسب معمول

درس و تدریس میں مصروف رہی۔ شارق کے بارے میں حتمی فیصلہ کر لینے کے بعد اس کا ذہن بالکل صاف ہو چکا تھا۔ حسب معمول وہ تین بجے گھر پہنچی۔ دوپہر کا کھانا اس نے کالج کی کینٹین سے کھا لیا تھا۔ اس نے نہا کر لباس بدلا۔ چائے بنائی اور میز کے سامنے بیٹھ کر کل کے لیکچرز کے لئے نوٹس تیار کرنے لگی۔ تقریباً ساڑھے چار بجے دروازے کی گھنٹی بجی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ درمیانے قد کا ایک بھاری بھرکم آدمی سامنے کھڑا تھا۔ اس نے لاچہ باندھا ہوا تھا اور وائل کا کرتہ پہنا ہوا تھا۔ سر گنجا تھا جس پر پٹکا لپیٹا ہوا تھا۔ شکل و صورت اور لباس سے وہ کوئی تھیلے والا یا اسی قماش کا کوئی آدمی لگتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا۔

"کیا بات ہے' کس سے ملنا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"میرا نام نولکھا ہے جی۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "میں فیصل آباد ہی میں رہتا ہوں مائی دی جھگی۔ لاری اڈے کے پیچھے۔ لاہور گیا ہوا تھا۔ شارق باؤ نے یہ چیزیں آپ کے لئے بھیجی ہیں۔"

"کیا؟" ثمینہ چونک گئی۔ "مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ یہ واپس لے جاؤ۔ میں کسی شارق کو نہیں جانتی۔"

"آپ شاید شارق باؤ سے ناراض ہیں ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "یہ چیزیں آپ رکھ لیں۔ اس تھیلے میں ایک خط بھی ہے۔ اور شارق باؤ نے کہا تھا کہ اگر آپ کو کسی قسم کی پریشانی ہو تو مجھے بتا دیں۔ لاری اڈے کے پچھلی طرف بلو سائیں کا تکیہ ہے' میں وہیں ہوتا ہوں۔ کسی سے بھی میرا نام لے کر پوچھ لیں آپ کو پتہ چل جائے گا۔ کوئی بھی پریشانی ہو آپ مجھے بتا دیں۔"

ثمینہ عجیب سی الجھن میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس نے شارق کو اپنی زندگی سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اس کا نام پھر سامنے آ گیا تھا۔ پھر یہ سوچ کر اس نے نولکھا کے ہاتھ سے تھیلا لے لیا کہ ممکن ہے اس تھیلے میں رکھے ہوئے خط میں شارق کا ایڈریس بھی ہو۔ اگر کبھی کسی معاملے میں ضرورت پڑ گئی تو وہ اس کے پتے سے تو واقف ہو گی۔

کمرے میں آ کر ثمینہ نے تھیلا کھولے بغیر میز پر ایک طرف رکھ دیا اور اپنا کام کرنے لگی۔ لیکن اس کا ذہن ایک بار پھر الجھ چکا تھا۔ شارق کا نام ایک بار پھر اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی پیدا کرنے لگا۔ وہ بار بار سر کو جھٹکتی رہی مگر شارق کا خیال جیسے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ اس کی نظریں بار بار تھیلے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ بالآخر اس نے قلم رکھ دیا اور ہاتھ بڑھا کر تھیلا اٹھا لیا۔ پلاسٹک کے سفید تھیلے پر انارکلی لاہور کے ایک بہت مشہور ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا نام چھپا ہوا تھا۔ اس نے تھیلا کھولا تو اس کی انگلیاں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں۔

تھیلے میں دو سوٹوں کا کپڑا اور کچھ کھانے کی چیزوں کے علاوہ ڈرائی فروٹ بھی تھا۔ کپڑوں کی تہہ میں نیلے رنگ کا لفافہ بھی تھا۔ لفافہ خاصا پھولا ہوا تھا۔ اس نے لفافہ کھولا۔ اس میں کرنسی نوٹوں کے علاوہ ایک خط بھی تھا۔ وہ خط کھول کر پڑھنے لگی۔ جیسے جیسے، وہ خط پڑھ رہی تھی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔۔ خط پڑھنے کے بعد اس نے نوٹ نکال کر گنے۔ پانچ ہزار روپے تھے۔ اس نے خط' نوٹ اور تمام چیزیں تھیلے میں ڈال دیں اور گرہ لگا کر تھیلا میز پر ایک طرف رکھ دیا۔

شارق کا خط پڑھنے کے بعد ثمینہ ایک نئی الجھن میں مبتلا ہو گئی تھی۔ شارق نے اپنے اس خط میں جن عزائم کا اظہار کیا تھا وہ خاصے خطرناک تھے۔ وہ اس جنجال سے نکلنا چاہتی تھی لیکن لگتا تھا جیسے وہ اپنے گرد پھیلنے والے اس حصار سے کبھی نہیں نکل سکے گی۔

شارق نے اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ وہ تین چار دن بعد آئے گا لیکن ثمینہ نے طے کر لیا تھا کہ وہ اس سے نہیں ملے گی۔ اس کا طریقہ بھی اس نے سوچ لیا تھا۔ تیسرے روز اس نے تین چار جوڑے کپڑے اور چند ضروری چیزیں بیگ میں ڈالیں اور نائلہ کے گھر پہنچ گئی۔ اس نے کالج ہی میں نائلہ سے بات کر لی تھی کہ وہ چند روز کے لئے اس کے گھر رہنا چاہتی ہے۔ نائلہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو بہت خوش ہوئی تھی۔ نائلہ کوئی بچی تو تھی نہیں کہ اس کی کسی من گھڑت کہانی پر یقین کر لیتی۔ اس نے پہلی ہی رات ثمینہ سے اصل بات اگلوا لی۔ لیکن ثمینہ نے پوری بات اسے پھر بھی نہیں بتائی تھی۔ وہ اپنی کولیگ کو کیسے بتا سکتی تھی کہ شارق قاتل ہے اور وہ بھی اس کے جرم میں شریک ہو چکی ہے۔ اس نے صرف اتنا بتایا تھا کہ شارق اس کا کزن ہے اور وہ کاروباری سلسلے میں لاہور سے یہاں آتا رہتا ہے۔ پچھلی مرتبہ اس نے گھر دیکھ لیا تھا اور چار پانچ دن رہ کر گیا تھا۔ اب وہ پھر آ رہا ہے۔ اس کا پروگرام اس کے ہاں رہنے کا ہے لیکن وہ اسے اپنے ہاں رکھنا نہیں چاہتی اسی لئے وہ چند روز کے لئے نائلہ کے ہاں آ گئی ہے۔

ثمینہ کو اپنی دوست کے ہاں رہتے ہوئے آٹھواں دن تھا۔ اس روز بھی صبح وہ دونوں اکٹھی ہی کالج جانے کے لئے گھر سے نکلی تھیں۔ ان کا تانگہ جیسے ہی کالج کے سامنے رکا' نیچے اترتے ہوئے ثمینہ کی نظر بائیں طرف فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے ایک آدمی کی طرف اٹھ گئی۔ پینٹ شرٹ میں ملبوس دراز قامت وہ نوجوان کالج میں آنے والی ہر عورت کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اگرچہ کلین شیو تھا مگر اسے دیکھ کر ثمینہ کے ذہن کو جھٹکا سا لگا تھا۔ داڑھی نہ ہونے کے باوجود اس نے شارق کو پہچان لیا تھا۔

ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے چادر اس طرح لپیٹ لی کہ چہرہ پوری طرح

چھپ گیا۔ صرف ایک آنکھ کھلی رہ گئی تھی۔ وہ تانگے سے اترتے ہی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔ گیٹ میں داخل ہونے سے پہلے غیر ارادی طور پر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شارق اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں ثمینہ کو اپنے اندر تک اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شارق نے اسے پہچان لیا تھا۔

گیٹ پر رش تھا۔ لڑکیاں جوق در جوق گیٹ کی طرف آ رہی تھیں۔ ثمینہ انہیں دھکیلتی ہوئی گیٹ میں داخل ہو گئی۔ سب لڑکیاں حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں' نائلہ بھی کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔ وہ تیز تیز چلنے کی کوشش کرتے ہوئے ثمینہ کے ساتھ ملنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ثمینہ اس سے پہلے ہی اسٹاف روم میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ اندر داخل ہوتے ہی ایک کرسی پر گر گئی۔ اس نے چادر اتار کر ایک طرف ڈال دی اور سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ایک منٹ بعد نائلہ بھی پہنچ گئی۔

"کیا ہوا ثمینہ' طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" اس نے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں' میں ٹھیک ہوں۔ پتہ نہیں کیوں دل گھبرانے لگا تھا۔" ثمینہ نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

اسٹاف روم میں دوسری لیکچرارز اور پروفیسرز بھی موجود تھیں۔ وہ بھی باری باری ثمینہ کی خیریت دریافت کرنے لگیں۔

کالج میں ثمینہ کا وہ دن بہت برا گزرا تھا۔ کلاس کو لیکچر دیتے ہوئے بھی بار بار اس کے ذہن میں شارق کا خیال ابھر آتا۔ وہ یقیناً کل کسی وقت آیا ہو گا۔ گھر کے دروازے پر تالا دیکھ کر اس نے پڑوسیوں سے بھی پوچھا ہو گا اور آج صبح کالج کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ چھٹی کے وقت تک کالج کے سامنے کھڑا رہے گا۔ ممکن ہے وہ اسے روکنے کی کوشش نہ کرے لیکن وہ اس کا پیچھا کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گا کہ وہ کہاں رہ رہی ہے۔

اس روز ثمینہ کا آخری پیریڈ خالی تھا۔ اس نے نائلہ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ اس کا انتظار کرنے کی بجائے گھر چلی جائے گی۔ وہ کالج کے پچھلے گیٹ سے نکلی تھی۔ اس نے چادر اس طرح لپیٹ رکھی تھی کہ ایک آنکھ کے علاوہ اس کا پورا چہرہ چھپ گیا تھا۔ پچھلے گیٹ سے نکل کر وہ ایک طویل چکر کاٹتی ہوئی کالج سے بہت آگے سڑک پر نکل آئی۔ موڑ پر دو تین تانگے تھے۔ ایک تانگے والا جھنگ چوکی کی آواز لگا رہا تھا۔ ثمینہ تانگے کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ اس وقت تانگے میں اکیلی تھی اور اچھی طرح جانتی تھی کہ جب تک چھ سواریاں پوری نہیں ہوں گی تانگہ حرکت میں نہیں آئے گا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ثمینہ کو وہاں سے کالج کا گیٹ نظر آ رہا تھا۔ وہ گہری

نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شارق اسے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ صبح ہی واپس چلا گیا ہو یا کہیں چھپا بیٹھا ہو۔ اسی دوران ایک آدمی آگے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس شخص کے بیٹھنے سے تانگے کو ہلکا سا جھٹکا لگا تھا۔

"چل بھئی..... مائی دی جھگی۔" اس شخص نے کوچوان کو آواز دی۔

"یہ تانگہ جھنگ چوکی کے لئے ہے باؤ جی۔ مائی دی جھگی کے لئے وہ تانگہ کھڑا ہے۔ اس پر بیٹھ جاؤ۔" تانگے والے نے جواب دیا۔

"میں کہتا ہوں مائی دی جھگی..... سالم تانگہ..... چلو ہانکو گھوڑے کو۔"

دوسری مرتبہ یہ آواز سن کر ثمینہ چونکے بغیر نہیں رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اسے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ شارق تھا۔ ثمینہ نے تانگے سے اترنا چاہا مگر اسی لمحہ شارق کی سرسراتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"اترنے کی کوشش مت کرنا۔ آرام سے بیٹھی رہو۔"

ثمینہ اپنی جگہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گئی۔ شارق ہی سے بچنے کی کوشش میں وہ کالج کے پچھلے گیٹ سے نکل کر ایک طویل چکر کاٹتی ہوئی اس طرف آئی تھی لیکن شارق جیسے پہلے ہی سے یہاں اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔

"اگر تم نے میرے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کی کوشش کی تو میں شور مچا دوں گی۔" ثمینہ نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اسے دھمکی دی۔

"شور مچانے سے پہلے سوچ لینا کہ تمہارے ہاتھ بھی صاف نہیں ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔ "یہاں کے لوگ ابھی تک سلمان ایڈووکیٹ کو نہیں بھولے ہیں۔"

ثمینہ کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ یہ کھلی دھمکی تھی۔ شارق اسے بلیک میل کر رہا تھا۔ اس کی ساری شرافت دھری کی دھری رہ گئی تھی اب اس کا اصل چہرہ سامنے آ رہا تھا۔ ثمینہ کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کا منہ نوچ لے مگر اس طرح بات کچھ اور بگڑ جاتی۔ وہ اپنے کالج کے سامنے تھی۔ اس کی اسٹوڈنٹس اور کالج کے اسٹاف کو فوراً ہی پتہ چل جاتا۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"چل بھئی..... تم چلتے کیوں نہیں۔" شارق نے کوچوان کی طرف دیکھا۔ "سالم تانگہ لے چلنے کو کہہ رہا ہوں۔ دو روپے زیادہ ہی دوں گا۔"

"بی بی آپ پچھلے تانگے میں بیٹھ جائیں۔" کوچوان نے تانگے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ بی بی تو میرے ہی ساتھ ہے۔ تم تانگہ چلاؤ۔" شارق نے کہا۔

تانگے والے نے مڑ کر پہلے ثمینہ کی طرف دیکھا پھر شارق کی طرف اور پھر سیدھا ہو کر گھوڑے کو ہانک دیا۔ گھوڑا بہت مریل سا تھا۔ تانگے والا اس کے آگے پیچھے کی سات سات نسلوں کو برا بھلا کہتے ہوئے بار بار اسے چابک رسید کر رہا تھا۔

تانگہ مختلف سڑکوں پر ہوتا ہوا جیسے ہی چناب کلب کے سامنے پہنچا شارق نے کوچوان کو تانگہ روکنے کو کہا اور جیب سے پندرہ روپے نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ تانگہ رکتے ہی وہ نیچے اتر آیا۔ ثمینہ کو بھی اترنا پڑا۔ وہاں سے چند قدم آگے لاری اڈہ شروع ہو جاتا تھا لیکن اس سے ذرا پہلے سامنے دائیں طرف ایک سڑک تھی جو وہاں سے سیدھی ریلوے اسٹیشن کے سامنے والی سڑک سے جا ملتی تھی۔ اس سڑک پر وسیع و عریض سرکاری کوٹھیاں تھیں۔ چند کوٹھیاں پرائیویٹ بھی تھیں۔ کسی میں رہائش تھی اور کسی میں کوئی دفتر قائم تھا۔

شارق ثمینہ کو اشارہ کرتا ہوا اس سڑک پر مڑ گیا۔ سڑک کے دونوں طرف فلک بوس گنجان پتوں والے درخت تھے۔ دھوپ کی ایک کرن بھی زمین تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد شارق بائیں طرف دو بنگلوں کے درمیان ایک تنگ سی گلی میں مڑ گیا۔ اس گلی سے نکل کر وہ لاری اڈے کے پچھلی طرف پہنچ گئے۔ اس طرف کسی زمانے میں ایک وسیع قبرستان ہوا کرتا تھا' لیکن اس قبرستان کی جگہ اب زندہ انسانوں کی بستی تھی۔ درمیان میں ایک سڑک بھی نکل آئی تھی جس کے دوسری طرف کچھ قبریں بچ گئی تھیں۔ انہی قبروں میں کسی بزرگ کا مزار تھا جو بلو سائیں کے تکیئے کے نام سے مشہور تھا۔ اس مزار کے پچھلی طرف چند گز کے فاصلے پر ایک کچا مکان تھا۔

مزار کے چاروں طرف پیپل کے درخت تھے۔ چند درخت گوندنی کے بھی تھے جن کی شاخیں گوندنی سے لدی ہوئی تھیں۔ بہت سے درختوں پر سبز جھنڈے لگے ہوئے تھے۔ مزار زیادہ بڑا نہیں تھا صرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس پر گنبد بنا ہوا تھا۔ اندر ایک کچی قبر تھی جو پھولوں اور سبز چادروں سے لدی ہوئی تھی۔ مزار کے اردگرد کا وسیع رقبہ کچی دیوار سے گھرا ہوا تھا۔ جہاں جہاں سے دیوار ٹوٹی ہوئی تھی وہاں راستہ بند کرنے کے لئے سوکھی جھاڑیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

پیپل کے درختوں کے نیچے ایک وسیع و عریض چبوترہ تھا جس پر چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں اور تین چار ملنگ وہاں بیٹھے کونڈے میں بھنگ رگڑ رہے تھے۔ یہ ملنگ ہیروئن اور دیگر منشیات بھی استعمال کرتے تھے مگر بھنگ کا نشہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

یہ دونوں قبرستان میں داخل ہوئے تو ایک ملنگ اٹھ کر تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے مزار کا دروازہ کھول دیا۔ ضعیف العقیدہ لوگ دعائیں مانگنے اور منتیں ماننے کے لئے اس مزار پر آتے ہی

رہتے تھے۔ مزار کے دروازے پر ایک مقفل پیٹی بھی رکھی ہوئی تھی اور یہاں آنے والے نذرانے کے طور پر پیٹی میں کچھ نہ کچھ رقم ڈال دیتے تھے۔ صاحب حیثیت قسم کے لوگ ہوتے تو ان ملنگوں کو بھی کچھ نہ کچھ مل جاتا۔ شارق اور ثمینہ کو دیکھ کر وہ ملنگ کوئی امید لے کر ہی اس طرف آیا تھا۔

"یہ بلو سائیں کا روضہ ہے۔ جو منت مانگو گے قبول ہو گی۔ دل سے نکلی ہوئی دعا اللہ ضرور پوری کرتا ہے۔" ملنگ دروازے میں کھڑا مسلسل بول رہا تھا۔ کبھی وہ حق اللہ' حق اللہ کے نعرے لگانے لگتا۔

"ٹھنڈا پانی مل جائے گا؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جتنا مرضی.....ابھی لاتا ہوں۔" ملنگ کہتا ہوا ایک درخت کے نیچے رکھے ہوئے مٹکے کی طرف دوڑ گیا۔ اس نے مٹی کا پیالہ مٹکے سے بھرا اور قریب آ کر شارق کی طرف بڑھا دیا۔

"لو پانی پی لو....." شارق نے پیالہ ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔

ثمینہ نے چادر چہرے سے اتار لی تھی۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا اور پیالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا اور وہ واقعی پانی کی طلب محسوس کر رہی تھی۔ اس نے پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"نولکھا کہاں ہے؟" شارق نے ملنگ کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔

"مال شال چاہئے تو ہم یہاں کس لئے بیٹھے ہیں۔ نولکھے سے ضرور ملنا ہے۔" ملنگ نے اسے سر سے پیر تک گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے کچھ چاہئے نہیں بیوقوف۔ نولکھا کے لئے مال لے کر آیا ہوں۔ کہاں ہے وہ؟" شارق بولا۔

"وہ اپنے حجرے میں سو رہا ہے پچھلے دروازے سے چلے جاؤ۔" ملنگ نے جواب دیا۔

ثمینہ پانی پی چکی تھی۔ اس نے پیالہ شارق کی طرف بڑھا دیا جس میں کچھ پانی ابھی تک موجود تھا۔ شارق نے پیالہ ہونٹوں سے لگا کر ایک ہی سانس میں پانی حلق سے اتار لیا اور پیالہ ملنگ کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پانچ کا ایک نوٹ بھی اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"چلو۔" شارق نے ثمینہ کو اشارہ کیا۔

اس مزار کے پچھلی طرف بھی ایک دروازہ تھا جس کی اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔ شارق نے آگے بڑھ کر کنڈی گرا دی اور دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں باہر آ گئے۔ اس طرف جھکی ہوئی شاخوں والے گوندنی کے درخت زیادہ گنجان تھے۔ پکی ہوئی گوندنی درختوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین

پر بکھری ہوئی تھی۔ چاروں طرف ٹوٹی پھوٹی قبریں تھیں۔ بعض قبریں تو اس قدر زیادہ ٹوٹی ہوئی تھیں کہ قبروں کے بجائے کھلے ہوئے گڑھے بن گئے تھے۔

ثمینہ کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں۔ جبکہ اس کا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شارق اسے اس قبرستان میں کیوں لے آیا تھا۔ دفعتاً اس کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ اس روز پہلوان نما جو آدمی اس کے لئے شارق کا پیغام اور تحائف لے کر آیا تھا اس نے بتایا تھا کہ اس کا نام نولکھا ہے اور وہ مائی دی جھگی میں بلو سائیں کے تکئے پر رہتا ہے۔ اسے کوئی پریشانی ہو تو وہاں چلی آئے اور اب شارق اسے خود یہاں لے آیا تھا۔

"تت... تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں شارق سے پوچھا۔

"تمہیں یہ دکھانے کے لئے کہ میرے تعلقات کس قسم کے لوگوں سے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم تو میرا پیغام ملنے کی بعد وہ مکان بھی چھوڑ گئیں لیکن میرے دل میں تمہارے لئے اب بھی وہی احترام ہے۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"تم نے کسر ہی کونسی چھوڑی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "تمہاری وجہ سے میں تھانے تک تو ہو آئی۔ محلے کے جو لوگ میری بے حد عزت کرتے تھے آج مجھے شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ تم نے سلمان کا خون میرے اجلے دامن پر چھڑک دیا ہے اور اب تم مجھے دھمکی دے کر اس قبرستان میں لے آئے ہو اور اس پر بھی دعویٰ ہے کہ میری عزت کرتے ہو اور میرا احترام کرتے ہو؟"

"ہاں' میں اپنے اس دعوے پر قائم ہوں۔" شارق نے کہا۔

وہ درختوں کے جھنڈ میں واقع کچے مکان کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ دروازہ بند تھا۔ شارق نے ہلکی سی دستک دی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دائیں جانب تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر قبرستان کی دیوار کے دوسری طرف بھی ایک سڑک تھی اور اس سے ذرا ہٹ کر آبادی تھی۔ اس سڑک سے گزرتے ہوئے دو سائیکل سوار قبرستان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ گیارہ بارہ سال کی عمر کا ایک لڑکا دیوار پر چڑھ کر گوندنی توڑ رہا تھا گوندنی توڑتے ہوئے وہ لڑکا بھی ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شارق نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی۔ اس مرتبہ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ نولکھا تھا۔ اسے دیکھ کر ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"او بسم اللہ' شارق باؤ۔" نولکھا اسے دیکھتے ہی بولا۔ اس نے صرف دھوتی باندھ رکھی تھی۔ جسم کے اوپر کے حصے پر کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اس وقت عجیب بدہیئت سا لگ رہا تھا۔ ثمینہ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

"اوہ! آؤ... اندر آ جاؤ شارق باؤ... مجھے پتہ ہی نہیں تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔" نولکھا کہتے ہوئے دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا۔

شارق ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہو گیا۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن کچھ اور بھی تیز ہو گئی۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی نولکھا نے دروازہ بند کر دیا۔

"تم لوگ اس کمرے میں چلو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" نولکھا نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا اور خود دوسرے کمرے میں گھس گیا۔

شارق ثمینہ کو لئے ہوئے اس کمرے میں آ گیا۔ یہاں لکڑی کی ایک بوسیدہ سی میز اور چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک طرف جھلنگا سی بان کی چارپائی بھی پڑی ہوئی تھی۔ کمرے کے پچھلی طرف ایک کھڑکی تھی جو بند تھی۔ شارق نے کھڑکی کھول دی۔ اس طرف بھی درختوں کے نیچے قبریں اور ان کے اختتام پر کچی دیوار تھی جس کے دوسری طرف بسوں کا اڈہ تھا۔ وہاں کھڑی ہوئی بسیں نظر آ رہی تھیں اور شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ اس دیوار کا فاصلہ وہاں سے بیس گز سے زیادہ نہیں تھا۔ شارق نے کھڑکی بھیڑ دی صرف تھوڑا سا خلا رہنے دیا۔ اس مکان میں بجلی موجود تھی۔ چھت پر پنکھا بھی لگا ہوا تھا۔ شارق نے سوئچ بورڈ پر ایک سوئچ آن کر دیا۔ وہ بتی کا سوئچ تھا۔ اس نے وہ سوئچ آف کر کے دوسرا سوئچ آن کر دیا۔ پنکھا چل پڑا۔

ثمینہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ اگرچہ پسینے میں تر ہو رہی تھی لیکن چادر اس نے اب بھی پوری طرح لپیٹ رکھی تھی۔ ایک رجسٹر اور دو کتابیں اب بھی اس نے ہاتھ میں سنبھال رکھی تھیں۔ اس کے دل میں ایک ہلکا سا خوف تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ شارق جب اس کے گھر میں رہا تھا تو اس نے واقعی شرافت کا مظاہرہ کیا تھا لیکن وہ ایک جرائم پیشہ آدمی تھا۔ اس کی نیت پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس وقت تو وہ اسے دھمکی دے کر یہاں لایا تھا۔ قبرستان' مزار کے سامنے شہ باز ملنگ اور بدہیئت نولکھا۔ ہو سکتا ہے اس مکان میں اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہو۔ اگر انہوں نے اس کے ساتھ زیادتی کی کوشش کی تو وہ کیا کر سکے گی۔ اس نے بہرحال یہ طے کر لیا تھا کہ اگر اس کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کی کوشش کی گئی تو وہ اپنی جان دے دے گی مگر ان کا مقصد پورا نہیں ہونے دے گی۔ اس قبرستان کے چاروں طرف آبادی تھی۔ وہ شور مچا دے گی۔

"تمہیں گرمی نہیں لگ رہی۔ یہ چادر اتار دو۔ اور آرام سے بیٹھ جاؤ۔" شارق نے اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں' میں ٹھیک ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"تم سے باتیں کرنے کے لئے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا تم مجھ سے اتنی

ہی خوفزدہ تھیں کہ میرا پیغام ملنے کے بعد تم نے وہ گھر چھوڑ دیا۔"

"تم جس طرح مجھے یہاں لے کر آئے ہو کیا اسے شرافت کا نام دو گے؟" ثمینہ نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو۔ مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔ میں جن لوگوں کے گھر میں رہ رہی ہوں وہ پریشان ہو رہے ہوں گے۔ کیا تم مجھے ان لوگوں کے سامنے بھی ذلیل کرنا چاہتے ہو؟"

"بات یہ ہے ثمینہ۔" شارق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "مجھے احساس ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ لیکن میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری وجہ سے تم پر کوئی حرف آئے۔ کوئی تمہاری طرف انگلی اٹھائے....."

"تم نے مجھے ہر جگہ تو ذلیل کر دیا ہے۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اگر تمہیں میری عزت کا احساس ہوتا تو مجھے اس جگہ پر نہ لے کر آتے۔"

"مجبوری تھی۔" شارق نے کندھے اچکا دیئے۔ "کل شام میں تمہارے مکان پر ہی گیا تھا لیکن پڑوسیوں نے بتایا کہ تم اپنی کسی دوست کے پاس رہ رہی ہوں۔ میں نے جہاں رات گزاری تھی وہ اس سے بھی بری جگہ تھی۔ صبح میں کالج کے سامنے کھڑا تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اگرچہ داڑھی صاف کروا لی ہے مگر تم نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ تم مجھ سے بات کرنے کے لئے بھی نہیں رکیں اور مجھے نظر انداز کر کے کالج میں گھس گئیں۔ میں صبح سے کالج کے آس پاس منڈلا رہا تھا۔ واپس آنے کے لئے بھی تم نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ وہ تو اتفاق ہے کہ اس وقت میں اسی طرف ٹہل رہا تھا۔ تمہاری اس نیلے پولکا ڈاٹس والی چادر کی وجہ سے میں نے تمہیں پہچان لیا تھا۔" اس نے چادر کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا چاہتے ہو مجھ سے؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔" شارق نے کہا۔

"بلیک میل کرنا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں' میں ایسی گندی ذہنیت کا مالک بھی نہیں ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "پہلی مرتبہ تمہیں بس میں دیکھا تھا۔ تم مجھے اچھی لگی تھیں لیکن سفر کے اختتام پر تم میری طرف دیکھے بغیر چلی گئیں۔ ممکن ہے تمہارے دل میں میرے بارے میں کوئی خیال بھی نہ آیا ہو لیکن میں تمہیں نہیں بھلا سکا اور پھر قسمت مجھے تمہارے دروازے پر لے آئی....."

"یہ بات میں پہلے بھی سن چکی ہوں۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم شاید اسے محبت کا نام دینے کی کوشش کرو گے۔"

"ہاں' میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ تمہیں بھی سے کچھ لگاؤ ہے۔ تمہارا میرے اتنا قریب آ جانا کہ دونوں کے سانس....."

"بند کرو یہ بکواس۔" ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ ایک دم سرخ گیا تھا۔ "وہ خوف و وحشت کی کیفیت تھی جس نے مجھے تمہارے اتنا قریب آنے پر مجبور کر دیا اور مجھے اس خوف میں بھی تم نے ہی مبتلا کیا تھا۔ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا' کیوں میری زندگ برباد کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔"

"میں تو تمہارا پیچھا چھوڑ سکتا ہوں۔ دل پر جبر کر کے تمہیں بھول جانے کی کوشش کروں لیکن.... یہ جو پولیس والے ہیں نا یہ کسی کو نہیں بھولے اور میں یہ کیسے برداشت کر سکتا ہوں ک پولیس تمہاری تلاش میں سرگرداں رہے۔" شارق نے کہا۔

"مجھے اس مصیبت میں مبتلا کرنے والے بھی تم ہو۔" ثمینہ نے کہا۔

"اور اس مصیبت سے تمہیں بچاؤں گا بھی میں ہی۔" شارق نے جواب دیا۔

"تم...." ثمینہ کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "تم تو مجھے دلدل میں دھکیلتے جا رہے ہو' خود تو تم کسی کا سامنا نہیں کر سکتے اور مجھے مصیبت سے بچاؤ گے۔ اونہہ....."

شارق جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ باہر کسی کے کھانسنے کی آواز آئی اور پھر نولکھا اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ مزار کا ایک ملنگ بھی تھا۔ یہ وہی ملنگ تھا جس نے انہیں پانی پلایا تھا اور شارق نے اس سے نولکھا کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس نے ایلومینیم کا جگ اور شیشے کے دو بڑے گلاس اٹھا رکھے تھے جو اس نے میز پر رکھ دیئے۔ جگ میں لسی بھری ہوئی تھی جس میں برف کے ٹکڑے بھی تیر رہے تھے۔ وہ ملنگ گلاسوں میں لسی انڈیلنا چاہتا تھا کہ شارق نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"بس ٹھیک ہے تم جاؤ۔"

ملنگ نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ وہ رخ پھیرے تھی۔ اس کا چہرہ ملنگ کو نظر نہیں آ سکا تھا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔ نولکھا نے آگے بڑھ کر دونوں گلاسوں میں لسی انڈیل دی۔ اس نے ایک گلاس اٹھا کر شارق کی طرف بڑھا دیا۔

"لو یار لسی پیو۔ ٹھنڈ پڑ جائے گی۔" شارق نے گلاس لے لیا۔ نولکھا نے دوسرا گلاس ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔ "لو بی بی.... لسی پی لو۔ سارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ جنگی پہلوان کی دکان سے بنوا کر لایا ہوں۔ پورے فیصل آباد میں اس جیسی لسی کوئی نہیں بناتا۔"

"مجھے نہیں پینی لسی وسی۔" ثمینہ نے غصے میں جواب دیا۔

شارق نے نولکھا کو اشارہ کیا۔ وہ گلاس میز پر رکھ کر باہر چلا گیا۔ شارق نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔

"لو یہ لسی پی لو..... تمہارے دماغ میں جو گرمی بھر گئی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔"

"کہہ دیا نا کہ مجھے نہیں پینی۔" ثمینہ غرائی۔

شارق نے گلاس میز پر رکھ دیا اور ثمینہ کو دونوں بانہوں سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنی طرف موڑ لیا۔ ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"چھوڑ دو..... ہاتھ مت لگانا مجھے' میں شور مچا دوں گی۔" ثمینہ غرائی۔

"تمہارے شور مچانے سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ذلت و رسوائی تمہاری ہو گی اور پھر یہ لوگ میری طرح شریف نہیں ہیں۔" شارق نے اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ میری وجہ سے تمہارے ساتھ جو زیادتی ہو چکی ہے اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ تم نہیں جانتیں کہ میں تمہیں کتنا چاہنے لگا ہوں۔"

"عجیب چاہت ہے تمہاری۔" ثمینہ نے اپنے آپ کو اس سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اٹھا کر غنڈوں اور بدمعاشوں کے ڈیرے پر لے آئے ہو اور دعوے محبت کے کر رہے ہو۔ دنیا میں پہلا مرد ایسا دیکھا ہے جو اپنی محبوبہ کو تحفظ فراہم کرنے کی بجائے جرائم کی دلدل میں دھکیل رہا ہو۔ اسے دوسروں کے لئے بھی تر نوالہ بنانے کی کوشش کر رہا ہو۔"

"کسی کی جرات نہیں ہو سکتی کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔" شارق بولا۔

"آج تم مجھے اٹھا کر یہاں لے آئے ہو کل یہ لوگ بھی مجھے اٹھا کر کہیں اور لے جائیں گے۔ کیا کر لو گے تم ان کا؟" ثمینہ نے کہا۔

"یہ لوگ ایسی کوئی جرات بھی نہیں کر سکتے۔" شارق بولا۔ "یہ لوگ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں اور کیا کر سکتا ہوں۔"

"تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔" ثمینہ نے کہا۔ "یہ جرائم پیشہ لوگ اپنی ماں اور بہنوں تک کا سودا کر ڈالتے ہیں۔ کسی دوسری عورت کی یہ کیا عزت کریں گے؟"

"میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔" شارق نے کہا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ جانے دو مجھے۔" ثمینہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"تم ابھی نہیں جا سکتیں۔" شارق نے کہا۔ "ابھی تو مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ بیٹھ جاؤ۔ آرام سے.....دیر سے گھر پہنچو گی تو قیامت نہیں آ جائے گی۔ کہہ دینا کہ کسی سہیلی کے

ہاں چلی گئی تھی۔"

"کیا باتیں کرنا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "یہی کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور....."

"ہاں' یہی بات ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں عورت کی محبت سے محروم رہا ہوں۔ بچپن میں ماں کی ممتا سے محروم کر دیا گیا۔ زندگی کا آدھا حصہ جیل میں گزر گیا۔ باہر آیا تو میرے گرد سازشوں کے جال پھیلا دیئے گئے۔ مجھے مجرمانہ زندگی اپنانے پر مجبور کر دیا گیا۔ نفرت ہو گئی تھی مجھے اس دنیا سے' میرے دل میں نفرت کی آگ کم نہیں ہوئی۔ میرے راستے میں جو بھی آئے گا انتقام کی آگ اسے جلا کر راکھ کر ڈالے گی۔ اب میں اپنا حق لینے کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔ چھین لوں گا۔ یہی یہاں کی ریت ہے اور یہی میں نے سیکھا ہے۔"

"لیکن... محبت کوئی جنس تو نہیں جسے بازار سے خریدا جا سکے یا کسی سے چھینا جا سکے۔" ثمینہ نے کہا۔ اس کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

"تم میری زندگی میں بہار کا جھونکا بن کر آئی ہو۔ میں اس لطیف احساس کو کھونا نہیں چاہتا میں تمہیں....."

"اس کے لئے تم نے بڑا شریفانہ طریقہ اپنایا ہے۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجبوری تھی۔ اس کے بعد ایسا نہیں ہو گا۔ اس کے لئے بھی میں نے ایک طریقہ سوچ رکھا ہے۔"

"وہ کیا؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم وہ مکان چھوڑ دو۔" شارق نے کہا۔ "کہیں اور مکان لے لیتے ہیں۔ ہم دونوں اکٹھے اس مکان میں شفٹ ہوں گے تو کسی کو میری آمد و رفت پر شبہ نہیں ہو گا۔ تم اس مکان مین رہو گی میں کبھی کبھار آ جایا کروں گا۔"

"گویا تم مجھے اپنی داشتہ بنا کر رکھنا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"نہیں۔" شارق بولا۔ "یہ بہت گندہ لفظ استعمال کیا ہے تم نے۔ میں تمہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھوں گا۔ کبھی کبھار تمہیں دیکھنے کے لئے آ جایا کروں گا۔"

"نہیں..... یہ نہیں ہو سکتا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "میں ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ تم مجھے برباد کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔"

شارق کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ نولکھا کھانستا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس وقت اس نے دھ

اور سفید اجلا کرتا پہن رکھا تھا۔ گنجے سر پر بھی سفید کپڑا سا لپیٹ رکھا تھا۔

"شارق باؤ میں تکئے پر جا رہا ہوں۔ کوئی بات ہو تو مجھے بلا لینا۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ اپنا دھندہ شروع کرو۔" شارق نے جواب دیا۔

نولکھا باہر چلا گیا۔ دن بھر تکئے میں بیٹھے ہوئے ملنگ پڑیاں بیچتے رہتے تھے اور شام سے ذرا پہلے وہ خود وہاں بیٹھ جایا کرتا تھا۔ دس گیارہ بجے تک اس کا دھندہ چلتا رہتا تھا' اس کے گاہکوں میں زیادہ تعداد مزدور پیشہ لوگوں' تھیلے' چھابڑی والوں اور موٹر مکینکوں کی تھی۔ گاڑیوں والے بہت سے گاہک بھی آتے تھے۔ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ قبرستان کے باہر کچی سڑک پر کار روک لیتے۔ ہارن بجاتے اور تکئے کا کوئی ملنگ ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ وہاں سے گزرنے والے بعض لوگ یہی سمجھتے کہ یہ صاحب حیثیت لوگ ہیں اور مزار کے لئے چندہ دے کر جا رہے ہیں۔

شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ثمینہ کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ جانے کی کوشش کی تھی لیکن ہر مرتبہ شارق نے کسی نہ کسی طرح اسے روک لیا تھا۔

"خدا کے لئے مجھے جانے دو۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔ "کیوں مجھے برباد کرنا چاہتے ہو۔"

"بس' تھوڑی دیر اور..... پھر میں تمہیں خود چھوڑ کر آؤں گا۔" شارق بولا۔

تقریباً پانچ منٹ اور گزرے تھے کہ نولکھا دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔ وہ بری طرح بدحواس ہو رہا تھا۔

"شارق باؤ۔" وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔ "تکئے پر پولیس نے چھاپہ مارا ہے دو ملنگ ان کے ہاتھ لگ گئے ہیں تم نکل چلو یہاں سے۔"

شارق اس کے ساتھ ہی باہر کی طرف دوڑا۔ وہ غالباً صورت حال کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ ثمینہ کمرے میں اکیلی رہ گئی۔ پولیس کے خوف سے وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ اگر وہ منشیات کے اڈے سے پکڑی گئی تو اس کی تباہی میں کوئی کسر نہیں رہ جائے گی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر مڑ کر کھڑکی کی طرف لپکی۔ اس نے کھڑکی کھول دی۔ اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھی اور دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔

دوسری طرف اگرچہ کچی زمین تھی۔ لیکن نیچے چھلانگ لگاتے ہوئے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ اس کا پیر مڑ گیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس نے اٹھنا چاہا مگر چادر الجھ جانے سے وہ ایک بار پھر گر گئی۔ اس نے چادر سمیٹتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا مزار کی طرف سے شور سنائی دے رہا تھا مگر اس طرف ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔

ثمینہ کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ وہ جب اٹھ کر کھڑی

ہوئی تو بائیں پیر میں زور دار ٹیس اٹھی۔ پیر مڑ جانے سے اچھی خاصی تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ لنگڑاتی ہوئی قبرستان کی پچھلی دیوار کی طرف دوڑی۔ ایک جگہ سے دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اوپر چڑھنا ہی چاہتی تھی کہ پیر ایک بار پھر رپٹ گیا اور وہ لڑکھڑا کر دیوار کے بالکل ساتھ ایک کھڈ میں گر گئی۔

وہ کھڈ دراصل ایک ٹوٹی ہوئی قبر تھی۔ یہ سوچ کر ہی ثمینہ کی روح کانپ اٹھی کہ وہ جیتے جی قبر میں پہنچ گئی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اٹھا کر قبر سے باہر نکالا اور چادر سمیٹتے ہوئے دیوار پر چڑھنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دو پولیس والے مزار کی طرف سے دوڑتے ہوئے مکان کی طرف جا رہے تھے۔ ثمینہ دیوار کے دوسری طرف اتر گئی اور لنگڑاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ بائیں پیر پر بوجھ نہیں پڑ رہا تھا۔

وہ عجیب صورت حال سے دوچار تھی۔ کالج کی ایک معزز لیکچرار منشیات فروش کے اڈے سے بھاگ رہی تھی۔ چہرے پر بے پناہ خوف اور دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ پیر میں موچ آ گئی تھی اور چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ چادر اور کپڑے مٹی میں اٹ گئے تھے۔

قبرستان کی دیوار کے دوسری طرف لاتعداد چھوٹے چھوٹے ورکشاپ تھے۔ زیر مرمت بسیں آڑھی ترچھی کھڑی تھیں کچھ بسوں پر کام ہو رہا تھا۔ تقریباً سب ہی ورکشاپ کھلے ہوئے تھے۔ تیل اور گریس وغیرہ مسلسل گرتے رہنے سے ورکشاپوں کے سامنے فرش پر چکنائی کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔

قبرستان کی طرف سے شور کی آواز سن کر ورکشاپوں پر کام کرنے والے لڑکے مڑ مڑ کر اس طرف دیکھنے لگے۔ ایک مکینک نے ثمینہ کو بھی دیوار سے کودتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ دوسروں نے اگر اسے کودتے ہوئے نہیں بھی دیکھا تھا تو بھی وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ عورت قبرستان ہی کی دیوار کود کر آئی ہے۔ کیونکہ اس طرف کوئی عام راستہ تو نہیں تھا۔ وہ سب ہی مشتبہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ثمینہ چند قدم آگے بڑھی تھی کہ چکنے فرش پر اس کا پیر پھسل گیا اور وہ دھڑام سے گری۔ ایک بار پھر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی قریب کھڑا ہوا ایک مکینک اس کی طرف لپکا۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں لگی آپ کو۔" مکینک نے اسے سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

گرنے سے ثمینہ کو کولہے پر چوٹ تو لگی تھی۔ اس کے منہ سے ہلکی ہلکی کراہیں خارج ہو رہی تھیں۔ اس کی چادر اور لباس پر سیاہ دھبے پڑ گئے تھے۔

"نن..... نہیں زیادہ چوٹ نہیں لگی۔" ثمینہ کراہی۔

"اوہ میڈم آپ؟" مکینک اس کا چہرہ دیکھ کر چونک گیا۔ "آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ مکینک کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ لمبا تڑنگا صحت مند آدمی تھا۔ ہاتھ تو اس کے بھرے ہوئے تھے ہی منہ پر بھی کالک کے دھبے لگے ہوئے تھے۔

"میں وہ نہیں ہوں جو شاید تم سمجھ رہے ہو۔" ثمینہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"نہیں میڈم' میں نے آپ کو پہچاننے میں غلطی نہیں کی۔" مکینک نے جواب دیا۔ "آپ کالج کی پروفیسر ہیں۔ میری بہن سیکنڈ ایئر میں پڑھتی ہے صبح میں اسے موٹر سائیکل پر کالج چھوڑنے جاتا ہوں۔ کئی مرتبہ آپ کو دیکھا ہے میں نے.... آپ کو شاید زیادہ چوٹ لگی ہے آیئے.... اندر بیٹھ جایئے۔"

مکینک اسے سہارا دے کر اپنی دکان کے اندر لے گیا اور اسے بینچ پر بٹھا دیا۔ دوسرے ہی لمحہ شور کی آواز سن کر وہ باہر آ گیا۔ اس کے دو تین شاگرد قبرستان کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے قریب کھڑے تھے۔ ایک پولیس والا بھی دیوار پھلانگ کر باہر آ گیا۔

"ادھر سے کسی آدمی کو بھاگتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟" پولیس والے نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے لڑکوں سے پوچھا۔

اسی لمحہ مکینک وہاں پہنچ گیا۔ لڑکوں سے پہلے وہ بول اٹھا۔

"نہیں سنتری بادشاہ۔ اس طرف تو کوئی نہیں آیا۔ کوئی چور تھا کیا؟"

"چور نہیں' ہیروئن بیچنے والا تھا۔" سنتری نے جواب دیا اور ٹوٹی ہوئی دیوار سے قبرستان میں کود گیا۔

"اوئے چلو.... اپنا کام کرو۔ یہ ڈرامے تو یہاں روز ہی ہوتے رہتے ہیں۔" مکینک نے لڑکوں کو ڈانٹ کر دیوار کے قریب سے ہٹا دیا اور اپنے ورکشاپ والے کمرے میں آ گیا۔

ثمینہ اسٹول پر بیٹھی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اور جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں اور حلق خشک ہو رہا تھا۔

"پپ.....پانی... تھوڑا پانی مل جائے گا۔" اس نے مکینک کی طرف دیکھا۔ اس کی آواز بھی کپکپا رہی تھی۔

"ابھی لاتا ہوں۔" مکینک کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شیشے کے ایک میلے گلاس میں پانی لے آیا۔ "قبرستان میں بلو سائیں کا یہ تکیہ منشیات فروشوں کا اڈہ ہے۔" وہ گلاس ثمینہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہاں بہت عرصہ سے یہ کالا دھندہ ہو رہا ہے۔ پولیس سب

کچھ جانتی ہے لیکن جب بھتہ نہیں ملتا تو یہاں چھاپے پڑنے لگتے ہیں۔ یہ پولیس والے منشیات فروشوں سے تو یہیں پر مک مکا کر کے انہیں چھوڑ جاتے ہیں لیکن یہاں جو گاہک ان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں انہیں تھانے لے جا کر بے عزت کیا جاتا ہے اور بالآخر پیسے لے کر انہیں بھی چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن.... آپ میڈم.... آپ یہاں کیا لینے آئی تھیں کیا آپ بھی....."

"نہیں تم غلط سمجھ رہے ہو۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں اپنے ملنے والوں کے ہاں گئی تھی۔ واپسی پر سوچا کہ اگر قبرستان سے نکل چلوں تو شارٹ کٹ پڑ جائے گا لیکن اسی وقت دوسری طرف سے پولیس قبرستان میں داخل ہوئی تو میں ڈر کر اس طرف بھاگ نکلی بدحواسی میں دوڑتے ہوئے میرا پیر رپٹ گیا۔ شاید موچ آ گئی ہے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔" ثمینہ جھک کر پیر کو دبانے لگی۔

"آج کل عورتیں بھی اس لعنت کا شکار ہو رہی ہیں۔" مکینک نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "کالج کی لڑکیوں اور لڑکوں میں بھی ہیروئن کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ نوجوان نسل تباہ ہو رہی ہے۔ میرے دو شاگرد ہیروئن استعمال کرتے ہیں۔ اسی تکئے سے خرید کر لاتے ہیں۔ بہت سمجھا چکا ہوں انہیں۔ مگر وہ تو اپنی جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔ آپ کو اس طرف بھاگتے دیکھ کر میں سمجھا کہ شاید آپ بھی.... بہت سی عورتیں بھی آتی ہیں اس تکئے پر ہیروئن لینے کے لئے۔ ایک مرتبہ تو پولیس کے چھاپے میں دو عورتیں پکڑی بھی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک کسی مل اونر کی بیٹی تھی اور دوسری کچہری بازار کے ایک بہت بڑے دکاندار کی بیوی۔ آپ اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ ان کی کس قدر رسوائی ہوئی ہو گی۔"

"نہیں مکینک صاحب....."

"میرا نام محمد یوسف ہے۔" اس نے ثمینہ کی بات کاٹ دی۔

"محمد یوسف صاحب۔" ثمینہ بولی۔ "میرے بارے میں تمہارا خیال غلط ہے۔ میں نے بتایا نا کہ شارٹ کٹ کے خیال سے قبرستان سے گزر رہی تھی۔ بہرحال' آپ نے مجھے پولیس کی نظروں سے بچا لیا اس کے لئے میں بے حد شکرگزار ہوں۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو رکشہ منگوا دیں۔ پیر میں تکلیف کی وجہ سے مجھ سے ایک قدم نہیں چلا جا رہا۔"

"منگوا دیتا ہوں رکشہ' میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو..."

"شکریہ۔" ثمینہ نے کہا۔ "آپ کی اتنی ہی عنایت کافی ہے۔ ویسے آپ کی بہن کا کیا نام ہے۔ کون سی کلاس میں پڑھتی ہے؟"

"سیکنڈ ایئر میں۔ شائلہ نام ہے اس کا... میں نے خود بھی میٹرک کر رکھا ہے۔ آپ بیٹھئے میں

لڑکے کو بھیج کر رکشہ منگواتا ہوں۔"

مکینک یوسف باہر نکل گیا۔ ثمینہ جھک کر زور زور سے اپنا پیر سہلانے لگی۔ تکلیف بڑھ گئی تھی اور اس کے منہ سے ہلکی ہلکی سسکاریاں سی نکل رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد رکشہ ورکشاپ کے سامنے آ کر رک گیا۔ ثمینہ نے اٹھ کر چلنا چاہا تو اس کے منہ سے بے اختیار کراہ نکل گئی بایاں پیر زمین پر ٹک ہی نہیں رہا تھا۔ یوسف نے ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ثمینہ اس کے ہاتھ کا سہارا لے کر لنگڑاتی ہوئی رکشے تک آ گئی۔ اور جب رکشے میں بیٹھنے لگی تو دفعتاً اسے اپنے رجسٹر اور کتابوں کا خیال آ گیا۔ اس نے بدحواسی میں ادھر ادھر دیکھا پھر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ رجسٹر اور کتابیں قبرستان کے مکان کے اس کمرے ہی میں رہ گئی تھیں جہاں وہ شارق کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے سینے میں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ نوٹس کے رجسٹر پر اس اور کالج کا نام لکھا ہوا تھا۔ کتابوں پر بھی اس کا نام تھا۔ رجسٹر اور کتابیں یقیناً پولیس کے قبضے میں گئی ہوں گی اور اب پولیس کو اس تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

"کیا ہوا میڈم؟" یوسف نے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے پوچھا۔

"کک... کچھ نہیں۔ پیر میں تکلیف بڑھ گئی ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے موچ آ گئی ہے' پہلی فرصت میں کسی جراح وغیرہ کو دکھایئے۔ اور اس طرف سے آپ بے فکر رہئے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ آپ یہاں آئی تھیں۔"

ثمینہ جواب دینے کے بجائے رکشہ میں بیٹھ گئی۔ رکشہ حرکت میں آ کر لاری اڈے میں کھڑی ہوئی لاتعداد بسوں کے اردگرد چکراتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ اس وقت آٹھ بج چکے تھے۔ لاری اڈے کی وجہ سے سڑک پر خاصا ٹریفک تھا۔

"کہاں جانا ہے بی بی آپ کو؟" رکشہ ڈرائیور نے پوچھا۔

"ڈگلس پورہ۔" ثمینہ نے مختصر سا جواب دیا اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر دانت بھینچ لئے۔ اس کے پیر کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

جب وہ نائلہ کے گھر کے سامنے پہنچی تو ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ اس کے پاس پیسے بھی نہیں تھے۔ آج صبح وہ ہینڈ بیگ لے کر نہیں گئی تھی۔ چالیس پچاس روپے کے نوٹ کتاب ہی میں رکھے ہوئے تھے۔ رکشہ سے اترتے ہوئے اس نے پیر زمین پر رکھنا چاہا تو بے اختیار کراہ اٹھی۔ اس نے پیر کی طرف دیکھا۔ ٹخنے کے قریب سے پیر سوج گیا تھا۔

"اے بھیا... ذرا اس دروازے کی گھنٹی بجا دینا۔" اس نے ڈرائیور سے کہا۔

ڈرائیور نے اتر کر گھنٹی بجا دی۔ چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھلا۔ وہ نائلہ کا چھوٹا بھائی ندیم تھا۔

...ں نے رکشے میں ثمینہ کو دیکھتے ہی پیچھے مڑ کر آواز لگائی۔

"باجی... ثمینہ باجی آ گئیں۔"

"ندیم آگے آؤ ذرا۔" ثمینہ نے اسے پکارا۔ "میرے پیر میں تکلیف ہے مجھے سہارا دے کر ...ر لے چلو۔"

ندیم جلدی سے آگے آ گیا۔ اس نے ثمینہ کے سوجھے ہوئے پیر کی طرف دیکھا پھر اسے ...ارا دے کر رکشے سے اتارا۔ ثمینہ اس کے سہارے ایک پیر پر تقریباً اچھلتی ہوئی چلنے لگی۔ اسی ...ان نائلہ بھی آ گئی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر دوسری طرف سے ثمینہ کو سہارا دیا اور وہ ...وں اسے اندر لے آئے۔ نائلہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔ ثمینہ کی حالت دیکھ کر ...ہ پریشان ہو گئی تھی۔

"یہ کیا ہوا تمہیں کہاں چلی گئی تھیں تم؟" اس نے پوچھا۔

"باہر رکشے والے کو پیسے بھجوا دو۔" ثمینہ نے کہا۔ "بعد میں بتاؤں گی کہ کیا ہوا ہے اور میں ...ں گئی تھی۔"

نائلہ نے ندیم کو بلا کر کہا کہ وہ رکشے والے کو پیسے دے کر رخصت کر دے۔ اسی دوران ...ہ کی والدہ اور چھوٹی بہن بھی کمرے میں آ گئیں۔

"کیا ہوا ثمینہ بیٹی۔ کہاں چلی گئی تھیں۔ ہم تو پریشان ہو رہے تھے۔" والدہ نے کہا۔

"کالج کی ایک اسٹوڈنٹ مجھے زبردستی اپنے گھر لے گئی تھی۔ اس کے گھر والوں نے آنے ہی ...دیا اور تقریباً ایک گھنٹے پہلے میں ان کے گھر سے نکل کر تانگے میں بیٹھی تو کچھ ہی دور جانے ...بعد تانگے کا ایکسی ڈنٹ ہو گیا۔ قسمت اچھی تھی' بچ گئی۔ لیکن تانگے سے گرنے سے پیر مڑ ...ہے۔ بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ بڑی مشکل سے رکشے پر بیٹھ سکی تھی۔"

نائلہ کی والدہ نے اس کا پیر دیکھا۔ انہوں نے پیر پر ہاتھ رکھ کر ذرا سی حرکت دی تھی کہ ...کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"موچ آ گئی ہے۔ میں ندیم کو بھیج کر اچھے پہلوان کو بلواتی ہوں۔" والدہ کہتی ہوئی کمرے ...نکل گئیں۔

...اچھا پہلوان ہڈی جوڑ کا ماہر تھا' گلی کے موڑ سے ذرا آگے جھنگ بازار میں اس کی دکان تھی۔ ...چند ہی منٹ میں اسے ساتھ لے کر آ گیا۔ ثمینہ کو پلنگ کی پٹی پر اس طرح بٹھا گیا دیا کہ اس ...دونوں پیر لٹکے ہوئے تھے۔ اچھے پہلوان نے اس کے پیر کو ٹٹول کر دیکھا۔ ٹخنے میں موچ آ گئی ...اس نے پہلے گرم پانی منگوا کر سینکائی کی پھر ایک بوتل میں بھرے ہوئے تیل سے پیر کی مالش

کرنے لگا۔ تیل موبل آئل کی طرح گاڑھا اور سیاہ تھا۔ عجیب سی بو اٹھ رہی تھی۔

اچھا پہلوان بڑے ہلکے ہاتھ سے مالش کر رہا تھا۔ ثمینہ کے منہ سے سسکاریاں سی نکل تھیں۔ اس نے دانت بھینچ لئے۔ اچھا پہلوان نے مالش کرتے کرتے اس کے پیر کو زور دا دیا۔ ثمینہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ بری طرح مچلنے لگی۔ نائلہ اور اس کی چھوٹی بہن نے دونوں بانہوں سے پکڑ لیا۔ اچھا پہلوان نے پیر کو دو تین اور جھٹکے دیئے پھر مالش کرنے لگا اور ایک ڈبیہ میں سے مٹیالے سے رنگ کی کریم نکال کر پیر پر اچھی طرح ملی اور پٹی باندھ دی۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ دو تین دن میں بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ کل اسی وقت لینا کاکے.... مالش کرنی پڑے گی۔" اچھا پہلوان نے آخری الفاظ ندیم کی طرف دیکھتے ہوئے اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگا۔

ثمینہ بستر پر لیٹ گئی۔ اس کا چہرہ ایک دم پیلا ہو گیا تھا۔ پیر کو لگائے جانیوالے جھٹکوں اسے یوں لگا تھا جیسے اس کی جان نکل گئی ہو۔

ثمینہ اور نائلہ رات کو اسی کمرے میں ایک ہی پلنگ پر سوتی تھیں۔ رات کو نائلہ جب کے لئے اس کے ساتھ پلنگ پر لیٹی تو اس نے پوچھا۔

"تکلیف میں کچھ افاقہ ہوا یا نہیں؟"

"ہاں.... درد کی شدت میں کمی آ گئی ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"ایک بات بتاؤ ثمینہ۔" نائلہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اصل با تھی جو تم نے امی کو بتائی ہے یا معاملہ کچھ اور تھا؟"

"کچھ اور معاملہ.... کیا مطلب؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش مت کرو ثمینہ۔ جو بات ہے مجھے ٹھیک ٹھیک بتا دو ہے میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔" نائلہ نے کہا۔

"مدد...." ثمینہ کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "نہیں، تم میری کوئی مدد نہیں کر میں تو سوچ رہی ہوں کہ میں نے یہاں آ کر غلطی کی، میری وجہ سے تم لوگوں کو بھی پر سکتی ہے۔"

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہو ثمینہ۔" نائلہ نے اسے گھورا۔ "ہمیں غیر سمجھتی ہو؟"

"اپنا سمجھ کر ہی یہ بات کہی ہے میں نے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "میں جس دلدل کی کوشش کر رہی ہوں اتنا ہی اس میں دھنستی جا رہی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟"

"مجھ پر اعتماد کرو ثمینہ۔ جو بات بھی ہے کہہ دو۔ اس طرح تمہارے دل کا بوجھ ہ

ے گا اور ممکن ہے اس مسئلے کا کوئی حل بھی نکل آئے۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو معاملہ ے اسی کزن کا ہے جس کا تم نے ذکر کیا تھا۔"

"وہ میرا کزن نہیں ہے۔" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"تو پھر کون ہے وہ؟" نائلہ چونک گئی۔

"منشیات کا اسمگلر.... قاتل....." ثمینہ بولی۔

"کیا مطلب.... کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" نائلہ نے اسے گھورا۔ "منشیات کے اسمگلر اور قاتل تمہارا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"میں اس کے جال میں پھنس گئی ہوں نائلہ۔" ثمینہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے شارق سے بس میں ہونے والی ملاقات سے لے کر اب تک کی پوری کہانی سنا ڈالی۔ آخر میں ں کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ "کاش!" وہ کہہ رہی تھی۔ "اس رات مجھے ں پر ترس نہ آیا ہوتا۔ اس کے چہرے کی معصومیت نے مجھے متاثر نہ کیا ہوتا۔ وہ میرے لئے زن موقع تھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اگر میں اسی رات اسے پولیس کے حوالے کر دیتی تو آج مجھے اس طرح ذلیل اور رسوا نہ ہونا پڑتا۔ آج صبح وہ کالج کے سامنے موجود تھا۔ اس نے مجھے دیکھ یا تھا وہ سارا دن وہاں کھڑا میرا انتظار کرتا رہا۔ میں ایک پیریڈ پہلے کالج کے پچھلے گیٹ سے نکلی تھی اور جب میں دوسرے موڑ سے تانگے میں بیٹھی تو کچھ ہی دیر بعد وہ بھی نجانے کہاں سے آ کر انگے میں بیٹھ گیا اور مجھے دھمکی دے کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اگر میں فرار میں کامیاب ہونے کے بجائے پولیس کے ہاتھ آ جاتی تو اس وقت کسی تھانے میں بند ہوتی۔ میں پولیس کے ہاتھ آنے سے ڑ گئی ہوں لیکن منشیات کے اس اڈے پر اپنی موجودگی کا ثبوت چھوڑ آئی ہوں۔"

"کیسا ثبوت؟" نائلہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بدحواسی میں بھاگتے ہوئے اپنا رجسٹر اور کتابیں وہیں بھول گئی تھی۔ ان پر میرا اور کالج کا نام لکھا ہوا ہے۔ مجھے شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ پولیس صبح ہی کالج پہنچ جائے گی اور تم سمجھ سکتی ہو کہ مجھے کس قدر رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"میرا مشورہ مانو تو پولیس کے کسی بڑے آفیسر سے مل کر سب کچھ بتا دو۔" نائلہ نے کہا۔

"کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ سب کچھ بتانے کے بعد وہ پولیس آفیسر مجھے گھر واپس آنے دے گا؟ نہیں نائلہ.... میں ایسا نہیں کر سکتی۔" ثمینہ نے کہا۔

"تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ بلکہ اس تعاون پر پولیس تمہاری شکر گزار ہو گی۔ تم کہہ سکتی ہو کہ تمہیں قتل کی دھمکی دے کر خاموش رہنے پر مجبور کیا گیا تھا۔" نائلہ نے کہا۔

"نہیں نائلہ..... میں ایسا نہیں کر سکتی۔ میں نے پولیس کے سامنے شارق کو اپنا کزن تسلیم
تھا۔ یعنی میں نے پولیس کو دھوکا دیا تھا۔ ایک مجرم کو بچانے کے لئے میں نے انہیں غلط راہ
لگانے کی کوشش کی تھی..... اور پھر قتل کی اس واردات کے بعد میں خاموش رہی جبکہ شارق
یہاں موجود نہیں تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں مجھے کوئی خوف نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں پولیس
سب کچھ بتا سکتی تھی لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔"

"معاملہ خاصا گمبھیر ہے۔ میرا خیال ہے ابو سے بات کر کے کسی وکیل سے مشورہ کرنا چاہ
کوئی اچھا وکیل ہی اس سلسلے میں بہتر مشورہ دے سکتا ہے۔"

"تمہارے ابو سیالکوٹ میں ہیں اور وہ جمعرات کو آتے ہیں۔ جبکہ پولیس صبح ہی مجھے ہ
کرتی ہوئی کالج پہنچ جائے گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"اس کا حل بھی میں نے سوچ لیا ہے۔" نائلہ نے کہا۔ "تم کہہ سکتی ہو کہ رجسٹر اور کتا
تانگے میں بھول گئی تھیں جو کسی اور کے ہاتھ لگ گئیں۔ ہو سکتا ہے وہ شخص منشیات کے اڈ
پر گیا ہو اور وہ رجسٹر اور کتابیں اس نے وہاں چھوڑ دی ہوں۔"

"لیکن ایک ایسے آدمی نے مجھے وہاں سے بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا جو یہ جانتا ہے کہ میں
میں لیکچرار ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔

"کون ہے وہ؟" نائلہ نے چونک کر پوچھا۔

"موٹر مکینک ہے۔ قبرستان کی دیوار کے ساتھ ہی لاری اڈے میں اس کا ورکشاپ ہے۔"

"لیکن وہ تمہیں کیسے جانتا ہے؟" نائلہ نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"اس کی بہن شائلہ ہمارے ہی کالج میں سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہے۔ وہ صبح اپنی بہن کو
چھوڑنے کے لئے آتا ہے۔ وہ کئی مرتبہ مجھے دیکھ چکا ہے۔" ثمینہ نے بتایا۔

"شائلہ وہی لڑکی تو نہیں' بھاری بھرکم' لمبی اور بے ڈول سی۔" نائلہ نے کہا۔

"ہاں' شاید وہی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"لیکن اس کے بھائی کو کیسے پتہ چلا کہ تم وہاں سے بھاگی ہو؟"

"قبرستان کی دیوار کے ساتھ ہی اس کا ورکشاپ ہے۔ اس نے مجھے دیوار سے کودتے ہو
دیکھ لیا تھا۔ میرے پیر میں موچ تو پہلے ہی آ چکی تھی۔ میں اس کی دکان کے سامنے ہی پھسل کر
گئی تھی اور وہی مجھے اٹھا کر دکان کے اندر لے گیا تھا۔ کچھ دیر بعد ایک پولیس والا بھی یہ پوچ
ہوا ادھر آیا تھا کہ انہوں نے اس طرف سے کسی کو بھاگتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔ شائلہ کے بھ
یوسف نے ہی پولیس والے کو جواب دیا تھا کہ انہوں نے کسی کو اس طرف آتے ہوئے نہیں دی

اور پھر کچھ دیر بعد مجھے رکشہ بھی اسی نے منگوا کر دیا تھا۔" ثمینہ نے بتایا۔

"بات واقعی الجھ گئی ہے۔" نائلہ نے کہا۔ "بہرحال' شائلہ کا وہ بھائی فوری طور پر کوئی قدم
نہیں اٹھا سکتا اور یہ ضروری نہیں کہ تمہارا رجسٹر اور کتابیں پولیس کے ہاتھ آ گئی ہوں۔ بالفرض
پولیس نے رجسٹر اور کتابوں پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ معلومات کے لئے صبح کالج آئے بھی تو میں
سنبھال لوں گی اور یہی کہوں گی کہ تم وہ رجسٹر اور کتابیں کسی تانگے میں بھول گئی تھیں۔"

"لیکن اگر پولیس یہاں تمہارے گھر پہنچ گئی تو؟" ثمینہ بولی۔

"ایسا نہیں ہو گا۔" نائلہ نے جواب دیا۔ "تم نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب میرے گھر
والوں کی طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری امی اور ابو تمہیں اچھی طرح
جانتے ہیں۔ آج منگل ہے۔ پرسوں شام کو ابو آ جائیں گے۔ میں ان سے بات کروں گی' اس مسئلے
کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا..... پیر کی تکلیف کی وجہ سے اب تم دو چار روز تک کالج تو نہیں جا
سکو گی۔ صبح ایپلی کیشن لکھ دینا۔ اب سو جاؤ۔ دو بجنے والے ہیں۔"

نائلہ تو تھوڑی دیر بعد سو گئی مگر ثمینہ دیر تک جاگتی رہی۔ موجودہ صورت حال نے اس کے
ذہن کو بری طرح الجھا دیا تھا۔

دوسرے دن نائلہ کالج سے واپس آئی تو اس کے پاس ثمینہ کا رجسٹر اور دونوں کتابیں بھی
تھیں۔ اس نے بتایا کہ دو پولیس والے کالج آئے تھے۔ وہ رجسٹر اور کتابوں کے حوالے سے اس
کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔"

"پھر کیا بات ہوئی؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"وہ دونوں پولیس والے پرنسپل سے ملے تھے۔ پرنسپل کو معلوم ہے کہ تم آج کل میرے
ہاں رہ رہی ہو۔ انہوں نے مجھے بلا لیا۔ میں نے یہ فرضی کہانی سنا دی کہ کالج سے نکلنے کی بعد تم
جس تانگے پر بیٹھی تھیں اس کی ٹکر ہو گئی۔ گرنے سے تمہارے پیر میں چوٹ آ گئی اور تم
بدحواسی میں رجسٹر اور کتابیں بھول کر رکشے پر بیٹھ کر گھر چلی گئیں۔ بعد میں یہ رجسٹر اور کتابیں
کسی ایسے شخص کے ہاتھ لگ گئی ہوں گی جس کا اس منشیات کے اڈے پر آنا جانا ہو۔ اور اس
نے یہ چیزیں وہاں ڈال دی ہوں۔"

"پھر..... انہوں نے یہ رجسٹر اور کتابیں کیسے دیں؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"انہیں میری بات کا یقین کرنا پڑا اور وہ لوگ یہ چیزیں دے کر واپس چلے گئے۔ اس طرح
بات ختم ہو گئی۔" نائلہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر بات اس طرح ٹل گئی ہے تو میرا خیال ہے کہ تم فی الحال اپنے ابو سے بات مت

کرنا۔" ثمینہ نے کہا۔

"کیوں؟" نائلہ نے اسے گھورا۔ "کیا تم اسی طرح الجھنوں میں پھنسی رہنا چاہتی ہو یا اس جال سے خود نہیں نکلنا چاہتیں؟"

"یہ بات نہیں ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں ذرا سوچنا چاہتی ہوں۔ وکیل سے مشورہ کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ بات آگے نکل جائے گی۔ میں نے ابھی گھر والوں کو بھی اس مسئلے سے آگاہ نہیں کیا۔ میں سوچ رہی ہوں کہ ایک دو دن کے لئے ڈیڈی کو یہاں بلا لوں۔ انہیں سب کچھ بتا دوں اور وہ تمہارے ابو سے مشورہ کریں۔ اگر میرے ڈیڈی کو کسی اور ذریعے سے پتہ چلا تو وہ کیا سوچیں گے؟"

"جیسے تمہاری مرضی۔" نائلہ نے کندھے اچکا دیئے۔ "لیکن جو کچھ سوچنا ہے جلدی سوچ لو۔ معاملہ بے حد سنگین ہے۔ اگر پولیس نے اس قتل کا سراغ لگا لیا اور شارق پکڑا گیا تو وہ تمہارا نام لینے میں ذرا بھی نہیں ہچکچائے گا۔ یا اگر پولیس تحقیقات کرتی ہوئی پہلے تم تک پہنچ گئی تو بھی مشکل ہو جائے گی۔ اس لئے جو فیصلہ کرنا ہے جلدی کر لو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ڈیڈی کو خط لکھ کر بلوا لیتی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ نائلہ نے بات ٹھیک ہی کی تھی۔ اگر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے پولیس اس تک پہنچ گئی تو بات بگڑ جائے گی اور وہ کچھ نہیں کر سکے گی۔"

ثمینہ پانچ چھ دن مزید نائلہ کے گھر رہی۔ اس دوران اس کے پیر کا ورم ختم ہو گیا تھا لیکن چلنے میں اب بھی تھوڑی بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ کالج سے اس نے ایک ہفتے کی چھٹیاں لے رکھی تھیں۔ اس روز آخری چھٹی تھی۔ اگلے روز اسے کالج جانا تھا۔ ثمینہ نے اس روز اچانک ہی اپنے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

"کیا ہوا... یہ پیکنگ کیوں کر رہی ہو؟" نائلہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"اپنے گھر جا رہی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"کیا یہ تمہارا اپنا گھر نہیں ہے؟" نائلہ نے اسے گھورا۔

"یہ احساس نہ ہوتا تو اتنے دن یہاں آ کر کیوں رہ لیتی۔" ثمینہ نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے میں نے ڈیڈی کو خط لکھا ہے۔ وہ ایک دو دن میں آنے ہی والے ہوں گے۔ گھر پر تالا دیکھ کر پریشان ہو جائیں گے' چلو... تم بھی آج میرے ساتھ چلو۔ صبح وہاں سے اکٹھی ہی کالج چلی جائیں گی۔"

"چلو... یونہی سہی۔ میں امی سے کہہ دوں۔" نائلہ نے کہا پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "لیکن اگر

تمہارا وہ چاہنے والا وہاں پہنچ گیا تو؟"

"تو میں اس سے نمٹ لوں گی۔" ثمینہ بولی۔ "ایسی صورت میں مجھے مزید انتظار کرنے کی بجائے پولیس کے پاس جانا ہی پڑے گا۔"

ثمینہ اپنی چیزیں پیک کرتی رہی اور نائلہ اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ بھی کمرے میں آ کر اپنی ضروری چیزیں سمیٹنے لگی۔ ماں نے اسے ثمینہ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی تھی۔

شام کی چائے پی کر وہ چھ بجے کے لگ بھگ گھر سے نکلیں تو نائلہ کا چھوٹا بھائی ندیم بھی ان کے ساتھ تھا۔ ثمینہ کا بیگ ذرا وزنی تھا۔ وہ ندیم نے اٹھا رکھا تھا۔ وہ گلیوں ہی گلیوں میں ہوتے ہوئے دھوبی گھاٹ پہنچ گئے اور چند منٹ میں ثمینہ کے گھر پہنچ گئے۔

تقریباً بیس دن تک گھر بند رہا تھا ہر چیز پر دھول نظر آ رہی تھی۔ دو گھنٹے صفائی اور جھاڑ پونچھ میں لگ گئے۔ ثمینہ نے کچن کا جائزہ لیا۔ نائلہ کے ہاں جانے سے پہلے وہ فریج بھی بند کر گئی تھی۔ اس نے فریج آن کر دیا اور کچھ چیزیں منگوانے کے لئے ندیم کو پیسے دے کر بازار بھیج دیا۔

نائلہ' ثمینہ کی اسٹڈی ٹیبل صاف کر رہی تھی۔ اس نے شیلف سے بھی کتابیں نکال کر صاف کر دی تھیں۔ میز صاف کرتے ہوئے اس نے کونے میں پڑا ہوا تھیلا اٹھا کر کھولا۔ اس کے ساتھ ہی وہ چونک گئی۔ اس میں سوٹوں کے کپڑے' ڈرائی فروٹ اور بعض دوسری چیزوں کے علاوہ اوپر ہی سو سو روپے کے نوٹ بھی رکھے ہوئے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے تمہارے پاس پیسے فالتو ہو گئے ہیں۔ اس طرح لاپرواہی سے پھینکے ہوئے ہیں۔" نائلہ نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو کچن سے نکل رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس تھیلے میں کچھ چیزوں کے علاوہ سو سو کے نوٹ بھی رکھے ہوئے ہیں۔" نائلہ نے کہا۔

"اوہ' وہ تھیلا۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیا۔ "اس کے بارے میں تو میں تمہیں بتانا بھول ہی گئی تھی۔" وہ بتانے لگی کہ یہ تھیلا شارق ہی نے لاہور سے بھیجا تھا اور اس کے بعد ہی وہ اپنا گھر چھوڑ کر نائلہ کے گھر منتقل ہوئی تھی۔

نائلہ نے تھیلے میں سے تمام چیزیں نکال لیں۔ اس نے کپڑا کھول کر دیکھا۔

"اس کم بخت کا ذوق تو بہت عمدہ ہے۔" اس نے کپڑا تہہ کر کے دوبارہ تھیلے میں رکھ دیا اور پستے اور بادام کی تھیلیاں کھولنے لگی۔ "یہ تو کھاؤ..... کھانے پینے کی چیزوں سے انکار کفران نعمت ہے۔" وہ ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے پستہ چھیل کر کھانے لگی۔

کچھ دیر بعد ندیم بھی سودا سلف لے کر آ گیا۔ ثمینہ نے تمام چیزیں سنبھال کر رکھیں اور رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔

ندیم رات کا کھانا کھانے کے بعد چلا گیا۔ نائلہ اور ثمینہ کھانے کے بعد دیر تک جاگتی اور باتیں کرتی رہیں۔ کھانے سے تھوڑی دیر پہلے گورایہ کی بیوی اور سامنے والی پڑوسن آسیہ بھی آ گئی تھیں۔ ثمینہ جب نائلہ کے ہاں گئی تھی تو وہ گورایہ کی بیوی کو بتا کر گئی تھی۔

صبح وہ دونوں کالج چلی گئیں۔ چھٹی کے بعد نائلہ تو اپنے گھر چلی گئی اور ثمینہ اپنے گھر آ گئی۔ اسے گھر آئے ہوئے آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے موٹر مکینک یوسف کو دیکھ کر اس کا دل یکبارگی دھڑک اٹھا۔ اسے حیرت ہوئی تھی کہ یوسف کو اس کے گھر کا پتہ کیسے چلا تھا۔

"کیا بات ہے' یہاں کیوں آئے ہو؟" ثمینہ نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں سیردمہری تھی۔

"آپ کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا جی۔ اس روز آپ کے پیر میں تکلیف تھی۔ آپ کئی روز کالج بھی نہیں گئیں۔" یوسف نے جواب دیا۔ اس وقت وہ سیاہ پتلون اور سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ شیو بنا ہوا تھا اور بال بھی سنورے ہوئے تھے۔ لگتا تھا جیسے وہ خاص طور پر تیار ہو کر یہاں آیا ہو۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مگر تمہیں میرے گھر کا پتہ کس نے بتایا ہے؟" ثمینہ نے خشک لہجے میں کہا۔

"آج صبح شائلہ کو کالج چھوڑنے گیا تھا تو آپ کو دیکھا تھا۔ میں چھٹی کے وقت دور کھڑا انتظار کر رہا تھا۔ پھر تانگے کا پیچھا کرتے ہوئے میں نے آپ کا گھر دیکھ لیا۔" یوسف نے جواب دیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"تم میری خیریت معلوم کرنے آئے تھے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں ٹھیک ہوں۔ اب تم جا سکتے ہو اور سنو! آئندہ یہاں مت آنا۔" ثمینہ نے کہا۔

"آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی جی۔" یوسف نے کہا۔

"کہو.... کیا بات ہے؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"وہ جی.... یہاں باہر کھڑے ہو کر تو بات نہیں ہو سکتی نا۔" یوسف نے کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ "بات ایسی ہے کہ گلی میں کھڑے ہو کر نہیں کی جا سکتی۔ آپ مجھے اندر آنے کے لئے بھی نہیں کہیں گی۔"

ثمینہ نے چند لمحے سوچا پھر اسے اندر بلا لیا۔ اس کے اندر آنے کے بعد ثمینہ نے دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو۔" ثمینہ نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ اس روز آپ کے آنے کے بعد میں نے تکئے کے ایک ملنگ سے بات کی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ آپ کسی آدمی کے ساتھ دوپہر کو وہاں آئی تھیں اور سارا دن وہاں رہی تھیں پھر شام کو جب پولیس کا چھاپہ پڑا تو آپ وہاں سے بھاگی تھیں۔" یوسف نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

ثمینہ کو سینے میں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ ویسے یوسف کو دیکھتے ہی اس کا ماتھا ٹھنکا تھا اب اس کی بات سن کر اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔

"کیا صرف یہی بتانے کے لئے آئے تھے؟" اس نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"باتیں تو بہت سی ہیں جی لیکن میں مختصر سی بات کروں گا۔" یوسف نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ آپ اس روز اس آدمی کے ساتھ نولکھا کے مکان میں کیا کرتی رہی ہیں لیکن یہ تو آپ جانتی ہیں کہ وہ منشیات کا بدنام اڈہ ہے۔ کوئی شریف عورت اس طرف جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آپ تو کالج کی پروفیسر ہیں۔ لڑکیوں کو پڑھاتی ہیں میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ اس آدمی کے ساتھ اس مکان میں کیا کرتی رہی ہیں لیکن...."

یوسف خاموش ہو کر ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ شرم کے مارے ثمینہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اور دماغ پر ہتھوڑے سے برس رہے تھے۔ اس کے پاس یوسف کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا کہ وہ ایک آدمی کے ساتھ دن بھر منشیات کے اڈے میں کیوں رہی تھی۔

"اب آپ خود ہی سوچیں نا جی۔" یوسف کہہ رہا تھا۔ "اگر آپ کے کالج میں یہ پتہ چل جائے کہ آپ کے تعلقات بدنام منشیات فروشوں سے ہیں تو کالج کی پرنسپل اور دوسری پروفیسرز آپ کے بارے میں کیا سوچیں گی۔ اس محلے میں بھی آپ کی عزت ہو گی لیکن یہ لوگ بھی آپ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے مردہ لہجے میں پوچھا۔

"جب صورت حال ایسی ہو تو اگلے کی زبان بند رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ قربانی تو دینی ہی پڑتی ہے۔" یوسف نے کہا۔

"کیا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"آپ جوان ہیں' حسین ہیں۔" یوسف اسے اوپر سے نیچے تک گھورتے ہوئے بولا۔ ثمینہ کو اس کی نظریں لباس چیر کر اندر تک جاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ آپ مجھے خوش کر کے میرا منہ بند کر سکتی ہیں۔"

"کمینہ..... بے غیرت....." ثمینہ دل ہی دل میں بولی۔ وہ اسے طوائف سمجھ کر آیا تھا' جو مطالبہ سنتے ہی اپنے آپ کو اس کی سپردگی میں دے دے گی۔

"دیکھو مسٹر یوسف۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں ایک شریف عورت ہوں تم نے میرے بارے میں جو کچھ بھی سوچا ہے' وہ غلط ہے۔"

"کیا یہ غلط ہے کہ تم دوپہر سے رات آٹھ بجے تک ایک آدمی کے ساتھ نولکھا کے کمرے میں رہی ہو۔ کیا تم وہاں نماز پڑھنے گئی تھیں۔" یوسف کے لہجے میں سختی آ گئی وہ ایک دم آپ سے تم پر اتر آیا تھا۔ "اس محلے کے لوگوں کو اور تمہارے کالج میں پتہ چل جائے تو تمہیں کھڑے کھڑے نکال دیا جائے گا بلکہ ہو سکتا ہے پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ کیا تم اس قابل ہو کہ ہماری بچیوں کو تعلیم دے سکو۔ کیا تم شریف لوگوں میں رہ سکتی ہو۔ تمہاری جگہ یہ نہیں' گول بازار ہے۔"

"میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو یوسف' میں قسم کھاتی ہوں کہ میں...."

"رہنے دو یہ باتیں۔" یوسف نے اچانک ہی آگے بڑھ کر اس کی دونوں بانہیں پکڑ لیں۔

"چھوڑ دو مجھے.... میں شور مچا دوں گی۔" ثمینہ روہانسی آواز میں بولی۔

"شور مچا دو تو محلے والوں کو ابھی تمہارے سیاہ کارناموں کا پتہ چل جائے گا۔" یوسف نے اسے بانہوں سے جھنجھوڑ کر چھوڑ دیا۔ "تکیئے کے وہ تمام ملنگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ تم بدکردار ہو اور شریفوں میں رہنے کے قابل نہیں ہو۔ اس وقت میں تمہیں ایک شرط پر چھوڑ سکتا ہوں۔"

"وہ..... وہ کیا؟" ثمینہ خوفزدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"مجھے اس وقت پانچ ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ ابھی اور اسی وقت..... اگر نقد رقم نہ ہو تو کوئی نہ کوئی زیور تو تمہارے پاس موجود ہو گا۔" یوسف بولا۔

"مم.... میرے پاس رقم ہے...." ثمینہ جلدی سے بولی۔ "میں تمہیں پانچ ہزار روپے دے دیتی ہوں۔ خدا کے لئے یہاں سے چلے جاؤ۔" اس نے میز پر پڑے ہوئے تھیلے میں سے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ "گن لو' پورے پانچ ہزار ہیں۔"

"اتنا تو میں تم پر اعتبار کر سکتا ہوں کہ رقم پوری ہو گی۔" یوسف کے ہونٹوں پر مکروہ سی

مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے نوٹ پتلون کی جیب میں ٹھونس لئے۔ "اس وقت میں جا رہا ہوں۔ کل رات کو آؤں گا تمہارا مہمان بن کر..... سمجھ گئیں؟"

وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ ثمینہ پتھر کے مجسمے کی طرح بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ باہر موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی تو وہ جیسے ہوش میں آ گئی اور دھڑ سے کرسی پر گر گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ بھی بند نہیں کیا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد سامنے والی پڑوسن آسیہ کی بیٹی اندر آ گئی۔

"ارے آنٹی' آپ رو رہی ہیں۔" وہ اس کے قریب رک کر بولی۔

"سر میں بہت شدید درد ہو رہا ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"میں آپ کے لئے چائے بناتی ہوں۔" لڑکی کہتے ہوئے کچن میں گھس گئی۔

ثمینہ نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ رو لینے سے اس کے دل کا غبار کچھ ہلکا ہو گیا تھا لیکن دماغ پر ہتھوڑے اب بھی برس رہے تھے۔ دو ٹکے کا کمینک اسے بدکردار اور آوارگی کا طعنہ دے کر گیا تھا۔ وہ اس کی نظروں میں طوائف تھی۔ آوارہ' بدچلن.... غنڈوں اور بدمعاشوں کے ڈیرے پر کئی گھنٹے گزارنے والی عورت کس طرح شریف ہو سکتی ہے؟

وہ چاروں طرف سے پھنس گئی تھی۔ فرار کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ شارق کے بارے میں اس نے نائلہ سے جو پروگرام بنایا تھا وہ بھی تلپٹ ہو گیا تھا۔ اب ایک نیا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور یہ فتنہ سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ یوسف اسے آوارہ اور بدچلن سمجھ کر بہتی گنگا سے ہاتھ دھونے آیا تھا۔ آج تو وہ پانچ ہزار روپے لے کر ٹل گیا تھا لیکن اس کی عزت سے کھیلنے کے لئے ایک دن کی مہلت دے گیا تھا۔ بلیک میلروں کے بارے میں اس نے کتابوں میں بھی بہت کچھ پڑھا تھا اور اس موضوع پر فلمیں بھی دیکھی تھیں۔ ان کے مطالبے بڑھتے ہی رہتے ہیں۔ یہ اپنے شکار کو قبر تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔ اتفاق سے اس کے پاس پانچ ہزار کی وہ رقم موجود تھی جو شارق نے بھیجی تھی۔ اس نے وہی رقم اٹھا کر اس بلیک میلر کو دے دی تھی۔ کل وہ دوسرا مطالبہ لے کر آئے گا اور پھر وہ کبھی انکار نہیں کر سکے گی۔ دنیا والوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہونے سے بچنے کے لئے وہ اس کے ہاتھوں ذلیل ہوتی رہے گی۔

آسیہ کی بیٹی چائے بنا کر لے آئی۔

"بیٹھو پنکی۔" اس نے لڑکی کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے کہا۔ اس کی عمر پندرہ سال تھی اور وہ نویں کلاس کی طالبہ تھی۔ کبھی کبھی پڑھنے کے لئے اس کے پاس آ جاتی تھی۔ "کیسے آئی ہو؟"

"ایسے ہی آ گئی تھی۔" پنکی نے جواب دیا۔ "آپ بہت دنوں سے یہاں نہیں تھیں نا۔ آج ملنے کو دل چاہا تھا میں چلی آئی۔"

"تمہاری پڑھائی کیسی ہو رہی ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"بس ٹھیک ہی ہے آنٹی۔" پنکی نے جواب دیا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک ثمینہ کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر چلی گئی۔ پنکی کی باتوں سے ثمینہ کی توجہ بٹ گئی تھی لیکن اس کے جاتے ہی چبھنے ہوئے خیالات نے اس کے ذہن پر یلغار کر دی۔ دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ اس نئے فتنے کا سر کچلنے کے لئے اس نے ایک اور داؤ لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے سامنے صرف یہی ایک راستہ تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلتے ہی وہ گھر سے نکل گئی۔ اس وقت اس نے سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔ سڑک پر آتے ہی اسے رکشہ مل گیا اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ بلو سائیں کے تکئے والے قبرستان سے ملحق سڑک پر دیوار کے قریب کھڑی دوسری طرف جھانک رہی تھی۔ ایک ملنگ نے اسے دیکھ لیا اور وہ فوراً ہی چبوترے سے اٹھ کر دیوار کے قریب آ گیا۔

"کتنا مال چاہئے؟" ملنگ نے پوچھا۔

"مجھے مال نہیں چاہئے۔ نولکھا کو یہاں بھیجو۔ جلدی کرو۔" ثمینہ بولی۔ ملنگ واپس چلا گیا۔

چند منٹ بعد نولکھا اس کے سامنے موجود تھا۔

"تم کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ میں اور شارق باؤ آٹھ دن سے تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔

"شارق کہاں ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"اس نے طارق آباد میں مکان لے لیا ہے۔ اس وقت وہیں ہو گا۔ کہو تو میں کسی کو بھیج دوں تمہارے ساتھ۔" نولکھا بولا۔

"اس وقت میں جلدی میں ہوں۔ یہاں کھڑے کھڑے بات نہیں کر سکتی۔ میرے ساتھ چلتے رہو۔" ثمینہ کہتے ہوئے پچھلی سمت بنگلوں کے درمیان والی گلی کی طرف مڑ گئی۔

"خیر تو ہے۔ بہت گھبرائی ہوئی ہو؟" نولکھا نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"میں ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"حکم کرو سو بنیو۔ میں یہاں کس لئے بیٹھا ہوں۔" نولکھا بولا۔

ثمینہ چند لمحے خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی پھر اس روز کے فرار اور یوسف سے

ملاقات کے بارے میں بتانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔

"وہ آج دوپہر میرے گھر آیا تھا۔ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ آج وہ مجھ سے پانچ ہزار روپے لے گیا ہے۔ کل پھر آئے گا اپنے گندے عزائم پورے کرنے کے لئے۔"

"اس کی یہ ہمت کہ شارق باؤ کی عزت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ سکے۔" نولکھا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "ہم غنڈے اور بدمعاش ضرور ہیں لیکن ماں بہن کی عزت بچانا جانتے ہیں۔ تم اطمینان سے گھر جاؤ ثمینہ بی بی۔ صبح تمہیں یوسف کے بارے میں پتہ چل جائے گا۔ وہ اب کبھی تمہیں پریشان نہیں کرے گا۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے لاری اڈے والی سڑک پر آ گئے تھے۔ نولکھا نے اسے کچہری بازار کی طرف جانے والے تانگے پر بٹھا دیا اور خود واپس چلا گیا۔

ثمینہ کو اس رات بہرحال نیند نہیں آ سکی تھی۔ وہ صرف دو تین گھنٹے ہی سو سکی تھی، صبح جب اٹھی تو اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ تیار ہو کر کالج چلی گئی۔ اس روز اس کا پیریڈ سیکنڈ ایئر کی کلاس میں تھا جہاں یوسف مکینک کی بہن شائلہ تھی۔ اس نے داخل ہو کر کلاس میں تمام لڑکیوں کو دیکھا مگر شائلہ نظر نہیں آئی۔

"شائلہ کہاں ہے؟ وہ آج نہیں آئی کیا؟" ثمینہ نے ایک لڑکی سے پوچھا۔

"مس!" ایک لڑکی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ شائلہ ہی کے محلے میں رہتی تھی۔ "شائلہ کے بھائی کو کل رات کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اس لئے شائلہ نہیں آئی۔"

ثمینہ میز کے قریب کھڑی تھی۔ کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر میز پر گری اور وہ پتھر کے مجسمے کی طرح بے حس و حرکت کھڑی اس لڑکی کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

○

لاہور میں شارق کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ گوالمنڈی میں مولوی حمید کو ماجھا گجر کے آدمیوں کے مقابلے میں اٹھانے سے براہ راست ماجھا گجر سے ٹھن گئی تھی۔ لیکن شارق ڈرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ دو تین دن میں اس نے شہر کے مختلف علاقوں میں اس کے تین چار بڑے گاہک توڑ لئے تھے۔ اپنے علاقے کی پولیس سے بھی اس کا معاملہ طے ہو گیا تھا اس لئے وہ کچھ اور بھی بے خوف ہو گیا تھا۔

اس نے کئی مرتبہ گھر جانے کے لئے سوچا تھا لیکن ان گمبھیر معاملات کی وجہ سے وہ ایک گھنٹے کے لئے بھی گھر نہیں جا سکا تھا اور نہ ہی سہیل سے ملاقات ہو پائی تھی۔ اسی دوران اسے یہ اطلاع بھی مل گئی کہ فیصل آباد کا گاہک صادق، ماجھا گجر کے جال میں آ گیا تھا اور اس نے چھانگا کے

گروہ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس سے اگلے ہی دن شارق کی ملاقات نولکھا سے ہو گئی جو فیصل آباد سے آیا ہوا تھا۔ وہ ماجھا گجر کا آدمی تھا لیکن شارق نے بڑی خوبصورتی سے اسے توڑ لیا اسے یقین دلا دیا کہ وہ اسے فیصل آباد میں زیرِ زمین دنیا کا سب سے بڑا آدمی بنا دے گا۔ اس نے آدھا کلو ہیروئن نولکھا کو تحفے میں دے دی تھی۔ نولکھا اتنا قیمتی تحفہ پا کر کتے کی طرح اس کے پیر چاٹنے لگا تھا۔ شارق نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ فیصل آباد میں بھی ماجھا گجر کے آدمی کے مقابلے میں نولکھا کو اٹھائے گا۔ شارق نے نولکھا ہی کے ہاتھ ثمینہ کے لئے تحائف بھی بھیجے تھے اور اس نے نولکھا کو یہ ہدایت بھی کی تھی کہ وہ ثمینہ کا خیال رکھے اور اگر ثمینہ کو کوئی پریشانی ہو تو وہ اس کی مدد کرے۔

لاہور آنے کے بعد شارق ایک لمحہ کو بھی ثمینہ کو نہیں بھولا تھا۔ حالانکہ لاہور میں اس کی مصروفیت بہت زیادہ تھی لیکن اس روز وہ فیصل آباد چلا آیا تھا۔ ثمینہ کے مکان پر تالا دیکھ کر اسے زیادہ پریشانی نہیں ہوئی تھی۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید وہ بازار یا کسی سہیلی کے گھر گئی ہو گی۔ اس نے پڑوس میں گورایہ کے گھر سے دریافت کیا تو اسے پتہ چلا کہ وہ اپنی کسی دوست کے ہاں رہنے کے لئے گئی ہوئی ہے۔

دوسرے دن صبح سویرے ہی شارق گرل کالج کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے داڑھی صاف کروا لی تھی لیکن اسے یقین تھا کہ ثمینہ نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور وہ اس سے بچنے کے لئے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کالج کے گیٹ میں گھس گئی تھی اور پھر وہ چھٹی سے پہلے ہی کالج کے پچھلے گیٹ سے نکلی تھی۔ شارق اتفاق سے اسی طرف گھوم رہا تھا۔ اس نے نیلے پولکا ڈاٹس والی چادر سے اسے پہچان لیا تھا اور وہ بھی تانگے پر بیٹھ گیا۔ اس طرح وہ اسے بلو سائیں کے تکئے پر نولکھا کے ڈیرے پر لے آیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ ثمینہ کو لے جاتا۔

ثمینہ کی باتوں سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اس سے سخت ناراض تھی۔ خود شارق کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ اس کی وجہ سے ثمینہ کو واقعی بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ثمینہ دو سال سے اس مکان میں رہ رہی تھی۔ اس دوران اس کے والد' بھائی اور ایک آدھ مرتبہ والدہ کے علاوہ اس کا کوئی رشتے دار اس سے ملنے کے لئے وہاں نہیں آیا تھا اور پھر اچانک وہ اس کے کزن کی صورت میں وہاں آن ٹپکا۔ اس سے پہلے پولیس کا چکر چل چکا تھا۔ یہ سب چیزیں محلے والوں کو ثمینہ کے بارے میں مشکوک کر دینے کے لئے کافی تھیں۔ اس لئے شارق نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کہیں اور مکان لے کر ثمینہ کو وہاں منتقل کر دے گا۔ لیکن ثمینہ شدید غصے میں

ں۔ وہ اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔ اور پھر اس شام بلو سائیں کے تکئے پر پولیس کے چھاپے نے مزید کام خراب کر دیا تھا۔

نولکھا سے چھاپے کی اطلاع پا کر شارق صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے مکان سے باہر نکلا اور چند منٹ بعد جب وہ دوبارہ کمرے میں آیا تو ثمینہ غائب تھی۔ عقبی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ نے جھانک کر باہر دیکھا لیکن ثمینہ کہیں بھی نظر نہیں آئی تھی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ثمینہ قبرستان کی عقبی دیوار پھاند کر بھاگ گئی تھی۔

پولیس کے چھاپے کے وقت دو ملنگ ادھر ادھر ہو گئے تھے۔ البتہ دو پولیس کے ہاتھ لگ گئے۔ ان دونوں سے پڑیوں کی صورت میں تقریباً دو سو گرام ہیروئن برآمد ہوئی تھی۔ نولکھا بھی ڑا گیا تھا لیکن اس کے قبضے سے یا اس کے مکان سے کچھ بھی برآمد نہیں ہوا تھا۔ نولکھا اتنا بے وف نہیں تھا اپنا مال مکان میں رکھتا۔ اس نے اپنا مال قبرستان کی مختلف ٹوٹی ہوئی قبروں میں چھپا کھا تھا۔ پولیس نے ثمینہ کا رجسٹر اور کتابیں بھی اپنے قبضے میں لے لی تھیں۔ ان کے بارے میں لیس کے پوچھنے پر نولکھا نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے بھی پولیس کو یہی بتایا تھا ہ آج دوپہر وہ تانگے پر آ رہا تھا کہ یہ رجسٹر اور کتابیں اسے تانگے کی سیٹ پر پڑی ہوئی ملیں۔ د کوئی بی بی تانگے سے اترتے ہوئے بھول گئی تھی۔

پولیس نے شارق کو بھی پکڑ لیا تھا۔ نولکھا نے اس کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ لاہور کے ۔ سرکاری محکمہ میں ملازم ہے' اسکا دوست ہے۔ اس سے ملنے کے لئے آیا تھا۔ شارق کو حال پولیس کے ساتھ تھانے تو جانا ہی پڑا تھا مگر وہ سب لوگ ایک گھنٹے سے زیادہ تھانے میں ں رہ سکے تھے۔ نولکھا نے تھانیدار سے مک مکا کر لیا تھا۔ پولیس اور جرائم پیشہ لوگوں کے میان یہ ڈرامے ہوتے ہی رہتے تھے اور ہمیشہ مک مکا کے ذریعے معاملہ ختم ہو جاتا تھا۔ نولکھا اور ں کے آدمیوں نے ایک گھنٹے بعد پھر بلو سائیں کے تکئے پر اپنا دھندہ شروع کر دیا تھا۔

شارق ثمینہ کے لئے پریشان تھا۔ اسے یہ تو یقین تھا کہ وہ موقع پا کر بھاگ گئی تھی لیکن اسے ہ کی اس دوست کے گھر کا پتہ نہیں معلوم تھا کہ وہ وہاں جا کر اس کے بارے میں معلوم کرتا۔ د تین دن تک کالج کے چکر بھی لگاتا رہا لیکن ثمینہ کالج بھی نہیں آ رہی تھی۔ شارق کی پریشانی ڑھتی جا رہی تھی۔ شارق کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ پولیس اس کا رجسٹر اور کاپیوں کی وجہ سے ثمینہ کو ہان نہ کرے۔

شارق کو یہ بھی یقین تھا کہ پولیس کے چھاپے کی وجہ سے ثمینہ کے دل میں اس کے خلاف لی اور بڑھ گئی ہو گی۔ شارق کو احساس تھا کہ وہ ثمینہ کے معاملے میں غلطی پر غلطی کرتا چلا گیا

تھا۔ سلمان کو ٹھکانے لگانے کے لئے اس نے ثمینہ کو ساتھ لے جا کر پہلی بڑی غلطی کی تھی
دوسری غلطی اس نے ثمینہ کو نولکھا کے ڈیرے پر لا کر کی تھی۔ اگر اس روز ثمینہ پولیس کے ہا
آ جاتی تو وہ پورے شہر میں ذلیل و رسوا ہو کر رہ جاتی۔ اور اس کی ساری ذمے داری اسی پر ہوتی۔
شارق اگرچہ یہاں صرف ایک دو دن کے لئے آیا تھا لیکن اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ثمینہ
مسئلہ حل کئے بغیر واپس نہیں جائے گا۔ وہ ثمینہ کا خیال دل سے نہیں نکال سکتا تھا۔ ثمینہ کے دل
میں بدگمانی پیدا ہو چکی تھی اور وہ اس کی بدگمانی دور کئے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ
ثمینہ کے دل میں بھی اس کے لئے چاہت موجود تھی۔ اگر چاہت نہ ہوتی تو وہ پولیس سے اصل
بات کیوں چھپاتی۔ اس روز اس نے تلخ اور جلی کٹی باتیں ضرور کی تھیں لیکن اس کی وجہ وہ
حالات تھے جن سے وہ پریشان ہو چکی تھی۔ اگر اس کے دل میں لگن نہ ہوتی تو وہ لاکھ دھمکیوں
کے باوجود اس کے ساتھ نہ آتی۔

دو تین دن کی بھاگ دوڑ کے بعد شارق نے طارق آباد میں ایک کوٹھی کرائے پر لے لی۔
اس نے طے کر لیا تھا کہ ثمینہ کو اس مکان سے نکال کر اس کوٹھی میں لے آئے گا۔ اس نے
کوٹھی میں ضروری سامان بھی سجا دیا تھا۔ ایک بیڈ روم اس نے ثمینہ کے لئے آراستہ کیا تھا۔ آرام
دہ میٹریس کا خوبصورت بیڈ' الماری' ڈریسنگ ٹیبل اور ضرورت کی ہر چیز اس کمرے میں سجا دی گئی
تھی۔ اپنے بیڈ روم کے علاوہ اس نے ڈرائنگ روم بھی سجا دیا تھا۔ کمرے میں قالین شاندار صوفے
اور خوبصورت ڈیکوریشن پیس سجائے گئے تھے۔ ان تمام انتظامات پر اس کے ہزاروں روپے اٹھ
گئے تھے۔ اس کوٹھی میں سب سے بڑی سہولت کی بات یہ تھی کہ یہاں ٹیلی فون بھی موجود تھا۔
ٹیلی فون کی ایک ایکس ٹینشن اس نے ثمینہ والے کمرے میں بھی لگا دی تھی۔

کھانا وغیرہ وہ ہوٹل ہی میں جا کر کھاتا تھا لیکن چائے بنانے کا بندوبست اس نے گھر ہی میں کر
رکھا تھا۔ اس روز بھی شام کو اس نے چائے بنائی اور لان میں آ کر بیٹھ گیا۔ چھوٹے سے لان میں
گھاس بڑی دبیز تھی۔ چاروں طرف کیاریوں میں پھولوں کے پودے تھے۔ شارق کو یہاں بیٹھ کر
چائے پیتے ہوئے بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا اس نے لان کی بتی بھی نہیں جلائی
تھی۔ پودوں' گھاس اور اندھیرے کی وجہ سے مچھروں نے اس پر یلغار کر رکھی تھی۔ وہ گارڈن
چیئر پر بیٹھا ثمینہ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اندر سے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔
اس نے یہاں کا فون نمبر صرف نولکھا کو دیا تھا۔ وہ جب سے یہاں آیا تھا یہاں کئی فون آ چکے
تھے۔ اور وہ سب اس کوٹھی میں رہنے والے پہلے کرائے داروں کے لئے تھے۔ شارق کا خیال تھا
کہ اب بھی کوئی ایسی ہی کال ہو گی وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی

تھی۔ اس نے قریب پہنچ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"نولکھا بول رہا ہوں شارق باؤ۔" اسے ہیلو کے جواب میں ریسیور پر نولکھا کی آواز سنائی دی۔

"خیریت؟ کیا بات ہے نولکھا؟" شارق نے چونک کر پوچھا۔

"وہ آئی تھی ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"کب..... کس وقت؟" شارق نے جلدی سے پوچھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ ثمینہ کے آنے کا مطلب یہ تھا کہ شارق کی طرف سے اس کا دل صاف ہو رہا تھا۔

تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے۔ اس نے بڑی تشویش ناک بات بتائی ہے شارق باؤ۔ میں فون پر بات نہیں کر سکتا۔ تم میرے ڈیرے پر آ جاؤ۔" نولکھا نے کہا۔

"ٹھیک ہے' میں آ رہا ہوں۔" شارق نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

شارق کی آنکھوں میں بھی تشویش ابھر آئی تھی۔ نولکھا کی ادھوری اطلاع نے اسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ کیا ثمینہ پھر کسی مصیبت میں پھنس گئی تھی؟ منشیات کے اڈے سے اس کا رجسٹر اور کتابیں برآمد ہونے کی وجہ سے پولیس تو اس تک نہیں پہنچ گئی تھی' یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اس نے دروازہ بند کیا..... باہر نکل کر گیٹ کو تالا لگایا اور چابیوں کا گچھا ہاتھ میں لئے سڑک کی طرف آ گیا۔

یہ سڑک پہلے بہت مصروف رہا کرتی تھی۔ سارا ٹریفک اسی طرف سے گزرتا تھا۔ آگے ریلوے پھاٹک تھا۔ ٹرینوں کی آمد و رفت کی وجہ سے بار بار ریلوے پھاٹک بند رہتا تھا جس سے ٹریفک کے مسائل پیدا ہو جاتے اور آئے دن حادثے بھی ہوتے رہتے تھے لیکن اوورہیڈ برج بن جانے سے یہ مسائل حل ہو گئے تھے۔ ریلوے اسٹیشن کی طرف سے جی ٹی ایس کے اڈے کے قریب سے شروع ہونے والا یہ پل دوسری طرف عبداللہ پور تک چلا گیا تھا۔ اسی پل کی وجہ سے پچلی سڑک پر ٹریفک تقریباً نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ اب اس طرف صرف وہی گاڑیاں آتیں جنہیں صرف طارق آباد تک آنا ہوتا۔

لاری اڈہ وہاں سے پیدل دس پندرہ منٹ کے فاصلے پر تھا لیکن شارق ایک رکشے پر بیٹھ گیا۔ وہ جلد سے جلد وہاں پہنچ کر نولکھا سے صورت حال جاننا چاہتا تھا۔

نولکھا بلو سائیں کے تکئے پر چبوترے پر موجود تھا وہ شارق کو لے کر مزار کے پیچھے مکان میں آ گیا۔

"کیا معاملہ ہے؟" شارق نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔ "کیا کہا تھا ثمینہ نے؟"

"ثمینہ بی بی اس رات یہاں سے تو خیریت سے نکل گئی تھیں لیکن وہ ایک اور مسئلے میں الجھ

گئی ہے۔" نولکھا نے کہا اور پھر اسے پوری بات بتانے لگا۔

"یوسف کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔ اس کا چہرہ غصے سے ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔

"قبرستان کی دیوار کے دوسری طرف پہلا ورکشاپ اسی کا ہے۔" نولکھا نے کھڑکی سے اشارہ کیا۔

"اس موٹر مکینک کی یہ ہمت۔ میں ابھی اس کا دماغ ٹھکانے لگا دیتا ہوں۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"گرم جوشی سے کام بگڑ جائے گا شارق باؤ۔" نولکھا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تسلی رکھو.... آج ہی اس سے نمٹ لیں گے۔ تم آرام سے بیٹھو یہاں۔ میں چائے منگواتا ہوں.... اس مکینک کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔"

نولکھا کمرے سے نکل گیا۔ اس نے ایک ملنگ کو بھیج کر ہوٹل سے چائے منگوائی اور پھر اس ملنگ کو کچھ ہدایات دینے لگا۔ ملنگ کمرے سے نکل کر قبروں میں چلتا ہوا دیوار کے قریب پہنچ گیا اور ایک جگہ چھپ کر دیوار کے دوسری طرف یوسف کے ورکشاپ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں تاریکی ہونے کی وجہ سے وہ دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ تھا۔ شارق اور نولکھا کمرے میں بیٹھے بار بار کھڑکی سے اس طرف دیکھ رہے تھے۔ دس بجے کے قریب وہ ملنگ دوڑتا ہوا کھڑکی کے قریب آ گیا اور اندر جھانکتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"تمام ورکشاپ بند ہو چکے ہیں۔ یوسف کے سارے شاگرد بھی جا چکے ہیں۔ وہ اپنی دکان کے اندر گیا ہے۔ شاید کپڑے تبدیل کر رہا ہے کچھ دیر بعد وہ بھی چلا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے، تم تکئے پر جاؤ۔" نولکھا نے کہا۔

ملنگ کے جاتے ہی شارق اور نولکھا کمرے سے نکل آئے اور درختوں کے نیچے قبروں میں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے عقبی دیوار کی طرف چلنے لگے۔ دیوار کے قریب رک کر انہوں نے دوسری طرف جھانکا تمام ورکشاپ بند ہو چکے تھے۔ بالکل آخر میں ایک ورکشاپ کھلا ہوا تھا وہاں دو آدمی بیٹھے کام کر رہے تھے۔ ان کے رخ دوسری طرف تھے۔ یوسف کے ورکشاپ کے سامنے بتی جل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد بتی بجھ گئی اور یوسف دکان سے نکل کر دروازہ بند کرنے لگا۔ شارق اور نولکھا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بڑی آہستگی سے دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گئے۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے یوسف کے قریب پہنچ گئے جو اس وقت دروازے کو تالا لگا رہا تھا۔ یوسف تالا لگا کر جیسے ہی مڑا ان دونوں کو دیکھ کر چونک گیا۔ تاریکی کی وجہ سے پہلے تو وہ ان کی شکلیں نہیں دیکھ سکا تھا پھر نولکھا کو اس نے پہچان لیا۔

"نولکھا استاد.... خیر تو ہے؟" وہ بولا۔

"ہاں، خیر ہی ہے۔ تم سے ذرا دو باتیں کرنی ہیں۔" نولکھا نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے جیب سے کمانی دار چاقو نکال لیا۔ بٹن دباتے ہی کھٹ سے چاقو کا پھل باہر آ گیا۔

"کک.... کیا بات ہے نولکھا استاد.... یہ.... یہ چاقو...." یوسف ہکلا کر رہ گیا۔ چاقو دیکھ کر اس کا چہرہ یک دم دھواں ہو گیا تھا۔

"تم تو بڑے بزدل نکلے۔ چاقو دیکھ کر ڈر گئے۔ حالانکہ بلیک میلر تو بڑے جگر والے ہوتے ہیں۔" نولکھا نے چاقو اس کے چہرے کے سامنے لہرایا۔

"مم.... میں نے کیا کیا ہے نولکھا استاد۔" یوسف خوف سے کانپنے لگا۔

"میں تو تمہیں بہت شریف آدمی سمجھتا تھا۔ تم تو بلیک میلر نکلے۔" نولکھا بولا۔ "اپنی بہن کی استانی کو بلیک میل کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی بے غیرتا۔ اس سے پانچ ہزار روپے بھی لے آئے ہو اور کوئی اور دھمکی بھی دی تھی تم نے اسے۔ آؤ ذرا ہمارے ساتھ۔"

"غلطی ہو گئی نولکھا استاد۔ میں رقم واپس کر دیتا ہوں۔" یوسف تھر تھر کانپ رہا تھا۔

شارق نے اسے گردن سے دبوچ لیا۔

"اگر تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلی تو زندہ نہیں بچو گے۔" شارق غرایا۔

وہ دونوں یوسف کو لے کر وہاں کھڑی ہوئی ایک ایسی بس میں گھس گئے جس کا انجن مرمت کے لئے نکالا ہوا تھا۔ اس طرف بھی اندھیرا ہی تھا۔ چند گز کے فاصلے پر لاری اڈے میں مچھلی مارکیٹ کا سا منظر تھا۔ اس طرف سینکڑوں لوگ جمع تھے لیکن کسی کو یہ پتہ نہیں تھا کہ تاریکی میں کھڑی ہوئی ایک زیر مرمت بس میں کیا ہو رہا ہے۔

شارق نے یوسف کو دھکا دے کر ایک سیٹ پر بٹھا دیا اور اس کے ساتھ ہی ایک زور دار گھونسہ اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ یوسف کے منہ سے کراہ نکلی۔ اس کا سر سیٹ کی پشت سے ٹکرا گیا۔ وہ گھگھیا رہا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر بار بار معافی مانگ رہا تھا۔

"آواز نہ نکلے تمہارے منہ سے۔ گلا گھونٹ دوں گا۔" شارق غرایا۔

"اوئے بے غیرتا۔" نولکھا نے اس کے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔ "ہم غنڈے بدمعاش ہیں۔ ہیروئن اور چرس بیچتے ہیں۔ لوگ ہمارے نام پر تھوکتے ہیں۔ شریف لوگ ہمارے سائے سے بھی دور بھاگتے ہیں لیکن ہماری غیرت ابھی مری نہیں۔ ہمارے پاس بڑے بڑے گھرانوں کی لڑکیاں بھی آتی ہیں نشہ لینے کے لئے.... لیکن ہم نے کبھی کسی عورت کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ عورت کو تو ہم اپنی عزت سمجھتے ہیں چاہے وہ ہمارے گھر کی ہو یا کسی اور کے گھر کی،

مگر تو تو بہت ہی بے غیرت نکلا۔ اسی عورت کو بلیک میل کرنے لگا جو تمہاری بہن کو تعلیم د رہی ہے۔ تم نے یہ نہیں سوچا تھا وہ یہاں کس طرح آئی ہو گی۔ یہاں سے نکلتے دیکھ کر تم اسے آوارہ اور بدچلن سمجھ لیا۔ تمہیں تو ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہنا چاہئے۔"

"مجھے معاف کر دو نولکھا استاد... خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔" یوسف گڑگڑایا۔

"تم جیسے بے غیرت اور بے ضمیر کو اللہ بھی معاف نہیں کرے گا۔" نولکھا نے کہا پھر شا کو اشارہ کیا۔

شارق نے پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر یوسف کو سر کے بالوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ دوسر ہاتھ سے اس نے یوسف کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر جکڑ لئے تھے۔ یوسف کی آنکھوں میں پناہ خوف تھا۔ نولکھا نے آگے بڑھ کر اچانک تیز دھار چاقو اس کے گلے پر پھیر دیا۔ شارق بڑی پھرتی سے اس کا منہ دبا دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کے منہ سے نکلنے والی بھیانک چیخ لوگ کو اس طرف متوجہ کر سکتی تھی۔

نولکھا نے دو تین جھٹکے دے کر چاقو کھینچ لیا۔ یوسف کی کٹی ہوئی شہ رگ سے خون کا فو ابل رہا تھا۔ وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ شارق نے کچھ دیر تک ایک ہاتھ سے اس کے بال جکڑ رکھے اور دوسرے ہاتھ سے منہ دبائے رکھا پھر اس نے دونوں ہاتھ ہٹا لئے۔ یوسف دونوں سیٹ کے درمیان ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کے کٹے ہوئے نرخرے سے عجیب آوازیں نکل رہی تھیں۔

"چل شارق باؤ... صبح لوگوں کو اس کا پتہ چل جائے گا۔" نولکھا نے کہتے ہوئے ایک سی کے کشن سے چاقو صاف کیا اور وہ دونوں بس سے اتر گئے۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا اس طر اب بھی سناٹا تھا۔ وہ دونوں دیوار پھاند کر قبرستان میں آ گئے۔ کمرے میں پہنچ کر انہوں نے ا آپ کا جائزہ لیا۔ نولکھا کے کرتے پر خون کا ایک دھبہ لگا تھا اور شارق کے ہاتھ خون آلود تھے صحن میں ہینڈ پمپ پر انہوں نے ہاتھ دھوئے۔ نولکھا نے کرتے کا دامن اور چاقو بھی دھو لیا۔

"کیا آج کی رات تمہارا یہاں رہنا مناسب ہو گا؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں شارق باؤ۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "صبح جب اس لاش کا پتہ چلے گا تو پولیس سے پہلے ہماری طرف ہی آئے گی۔ ایک دو دن مجھے یہاں سے غائب رہنا پڑے گا۔"

"میرے ساتھ چلو دو تین دن وہیں گزار لینا۔" شارق نے کہا۔

"چلو... تمہارے ساتھ ہی چلتے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔

وہ دونوں باہر آ گئے۔ نولکھا نے کمرے کو تالا لگا دیا۔ تکئے پر آ کر وہ رک گئے۔ نولکھا چاروں ملنگوں کو جمع کر لیا۔

"تم تینوں دو دن کے لئے نشاط آباد والے تکئے پر چلے جاؤ اور تم...." اس نے چوتھے ملنگ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہیں رہو گے۔ میری بات غور سے سنو۔ میں کل مغرب سے پہلے لاہور چلا گیا تھا میرا کوئی ملنے والا یہاں نہیں آیا تھا۔ اور رات کو لاری اڈے میں جو کچھ ہوا تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"میں تو کچھ بھی نہیں جانتا نولکھا استاد۔" اس ملنگ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم تینوں فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ جب تک میرا پیغام نہ ملے واپس مت آنا' سمجھ گئے؟ آؤ شارق باؤ چلیں۔ مجھے تو بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے آخری الفاظ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

وہ دونوں قبرستان سے نکل کر بنگلوں کے درمیان والی گلی میں گھس گئے۔ وہ لوگ کسی رکشہ یا تانگے پر بیٹھنے کے بجائے پیدل ہی چلتے ہوئے طارق آباد پہنچ گئے۔ نولکھا کو کوٹھی پر چھوڑنے کے بعد شارق ایک ہوٹل سے کھانا لینے کے لئے چلا گیا۔ نولکھا کو ساتھ لے جانا مناسب نہیں تھا۔ اس علاقے کے کچھ لوگ اسے یقیناً جانتے ہوں گے جبکہ بلو سائیں کے تکئے پر ملنگ کو ہدایت کی گئی تھی کہ اگر کوئی نولکھا کی بارے میں پوچھے تو یہی بتایا جائے کہ وہ لاہور گیا ہوا ہے۔ اس دوران اگر اسے دیکھ لیا گیا تو گڑبڑ ہو سکتی تھی۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد کھانا لے کر واپس پہنچا تو نولکھا ڈرائنگ روم میں قالین پر لیٹا ہوا تھا۔ صوفے کے ایک کشن کو تکئے کے طور پر اس نے سر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ شارق کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یار شارق باؤ۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ کوٹھی تو تم نے خوب سجائی ہے۔ دل چاہتا ہے میں بھی یہیں رہ جاؤں۔"

"تو رہ جاؤ... تمہیں روکا کس نے ہے؟" شارق نے کہا وہ کچن میں جا کر پلیٹیں وغیرہ لے آیا اور ان میں کھانا نکالنے لگا۔

"نہیں یار۔" نولکھا بولا۔ "اپنی اوقات تو وہی ہے۔ بان کی کھردری چارپائی پر سونا اور تندور پر بیٹھ کر روٹی کھانا۔"

"تمہارے پاس پیسے کی کمی تو نہیں۔ اپنی رہائش کے لئے کوئی اچھا سا مکان کیوں نہیں لے لیتے۔ تندور پر بیٹھ کر روٹی کھانا اور بان کی کھردری چارپائی پر سونے کو اپنا مقدر کیوں بنا لیا ہے.... آؤ بیٹھو..... کھانا شروع کرو۔ باتیں ہوتی رہیں گی۔" شارق نے کہا۔

"میرا اپنا مکان ہے تو۔" نولکھا کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "وہ میں نے اپنی بہن کو دے ہے۔ اس کا بندہ پیسے کے معاملے میں ذرا کمزور ہے۔ ایک مل میں کام کرتا ہے۔ تنخواہ میں بھلا گزارہ ہوتا ہے۔ چار بچے بھی ہیں۔"

"تم نے شادی نہیں کی؟" شارق نے پوچھا۔

"کی تھی۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "وہ بھاگوان پہلے بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی فوت ہ گئی۔"

"بچہ کہاں ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک ہفتے بعد وہ بھی اپنی ماں کے پاس چلا گیا تھا۔ کوئی بچہ بھلا اپنی ماں کے بغیر رہ سکتا ہے زندہ ہوتا تو آج سولہ سال کا ہوتا۔" نولکھا کی آواز بھرا گئی۔ "ان دونوں کی قبریں بھی وہیں ہیں جہاں میں نے ڈیرہ جما رکھا ہے۔"

ماحول کچھ سوگوار سا ہو گیا تھا۔ شارق نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔

"میں نے بھی کیا اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دیں۔" نولکھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کھانا کھا یار شارق باؤ.... یہ دکھ سکھ تو زندگی کے ساتھ لگے ہی رہتے ہیں۔ ان دکھوں کو جان روگ بنا لیا جائے تو زندگی نہیں گزرتی۔"

"ٹھیک کہتے ہو تم۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "انسان کو حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ ویسے تم ایسے گھناؤنے کاروبار میں کیسے آئے؟"

"بیوی اور بچے کی موت کے بعد غم بھلانے کے لئے میں نے نشہ شروع کر دیا تھا۔ چرس پیتا تھا۔ اس خانہ خراب نے تھوڑے ہی عرصے میں مجھے نچوڑ کر رکھ دیا۔ کوئی کام دھندہ بھی نہیں رہا تھا۔ جس آدمی سے میں نشہ خریدتا تھا اس نے مجھے اس راستے پر لگا دیا۔ میں ادھر ادھر گھوم کر چرس بیچتا کئی مرتبہ پکڑا گیا۔ لیکن میرا استاد ہر مرتبہ مجھے چھڑا لیتا۔ لیکن مجھے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ میں نے خود نشہ کرنا چھوڑ دیا۔ پھر چرس کی جگہ ہیروئن آ گئی۔ میرا استاد مر گیا۔ اس کی جگہ میں نے لے لی۔ اس بلو سائیں کے تکئے کو میں نے اپنا اڈہ بنا لیا۔ اس کام میں کمپی ٹیشن بہت ہے۔ ہر شخص دولت مند بننے کے چکر میں ہے۔ اس لاری اڈے پر دس بارہ آدمی یہ دھندہ کر رہے ہیں۔ وہ سب لوگ صادق سے مال لے کر آتے ہیں۔"

"فکر مت کرو.... چند روز بعد یہ سب لوگ تم سے ہی مال خریدیں گے اور تمہارے پاس اتنی دولت آئے گی کہ سنبھالے نہیں سنبھلے گی۔" شارق نے کہا۔

"میرا تو اس کام سے دل ہی ٹوٹ گیا تھا یار۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "اب تم آ گئے ہو دیکھو کیا بنتا ہے۔"

"اور ہاں... یہ تو بتاؤ کہ ثمینہ نے کچھ اور بھی کہا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"میں نے اسے تمہارا ٹیلی فون نمبر دے دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ تم اس کے پیچھے مت آنا۔ وہ خود ہی فون پر تم سے بات کرے گی۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' میں اس کے فون کا انتظار کروں گا۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

کھانے کے بعد شارق نے برتن اٹھا کر کچن میں رکھ دیئے اور دونوں ڈرائنگ روم میں دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر نولکھا تو وہیں قالین پر لیٹ گیا اور شارق اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

شارق صبح دیر تک سوتا رہا۔ جب وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آیا تو نولکھا ڈرائنگ روم میں موجود نہیں تھا۔ شارق برآمدے میں آ گیا۔ نولکھا پائپ اٹھائے لان میں پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ اس نے بھی شارق کو دیکھ لیا۔

"تم سو رہے تھے۔ میں نے سوچا ان پودوں کی پیاس بجھا دی جائے۔" نولکھا نے کہا۔

شارق جواب دیئے بغیر واپس اندر چلا گیا۔ پہلے اس نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور پھر کچن میں جا کر ناشتہ تیار کرنے لگا پھر اس نے نولکھا کو بھی بلا لیا۔

"تم تو دو تین دن میں میری عادت بگاڑ دو گے شارق باؤ۔" نولکھا نے میز پر انڈے' مکھن' جام اور ڈبل روٹی وغیرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"عادت اس طرح نہیں بگڑتی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ناشتے کے بعد وہ باتیں کرتے رہے۔ شارق نے الماری سے تاش نکال لی تھی۔ وہ تاش کھیلنے لگے۔ وقت گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا۔ تقریباً تین بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو شارق نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ اس کے خیال میں یہ ثمینہ ہی کی کال ہو سکتی تھی۔ اس کا خیال درست نکلا۔ وہ ثمینہ ہی کی کال تھی۔ وہ شارق کی آواز سنتے ہی بولی۔

"یہ تم نے کیا کیا شارق؟"

"تمہاری طرف کوئی میلی آنکھ سے دیکھے اور میں اسے زندہ چھوڑ دوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"میں فون پر تفصیل سے بات نہیں کر سکتی۔ کہاں مل سکتے ہو؟" ثمینہ نے کہا۔

"رکشہ پر بیٹھ کر طارق آباد آ جاؤ۔ جہاں سے طارق آباد کا پل شروع ہوتا ہے تمہیں وہیں سڑک پر کھڑا ملوں گا۔" شارق نے کہا۔

"ٹھیک ہے' میں یہاں سے روانہ ہو رہی ہوں۔" ثمینہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔

شارق نے بھی ریسیور رکھ دیا اور پھر پانچ منٹ بعد وہ گھر سے نکل کر سڑک پر اس جگہ آ گیا جہاں سے پل شروع ہوتا تھا۔ نیچے والی سڑک پر ایک کوٹھی کی دیوار کے ساتھ تین چار ٹھیلے کھڑے تھے۔ ان میں ایک ٹھیلا پھلوں کا بھی تھا۔ شارق ٹھیلے کے قریب کھڑے ہو کر کینو کھانے لگا۔ وہ اس طرف آنے والے ہر رکشے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ کوئی بھی رکشہ وہاں نہیں رکا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ایک رکشہ وہاں آ کر رکا۔ اس میں ثمینہ بیٹھی ہوئی تھی۔

"رکشہ چھوڑ دو۔ گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔" شارق نے کہا اور جیب سے پیسے نکال کر ڈرائیور کو دینے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ پیدل گھر کی طرف جا رہے تھے۔ کوٹھی تک پہنچنے میں انہیں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ وہ جیسے ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے نولکھا انہیں دیکھتے ہی اٹھ گیا۔

"یہ.....یہ تم لوگوں نے کیا کیا؟" وہ باری باری ان کی شکلیں دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا تم لوگوں کی نظروں میں انسانی زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے؟"

"بات یہ ہے ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "اس شخص نے تمہاری توہین کی تھی اور ہم تمہاری توہین کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔"

"لیکن اتنی سخت سزا۔" ثمینہ بولی۔

"اگر اسے یہ سزا نہ دی جاتی تو وہ تمہارے لئے مستقل طور پر عذاب بنا رہتا۔ تمہارا جینا حرام کر دیتا۔" شارق نے جواب دیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" ثمینہ نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ "میں جتنا بچنا چاہتی ہوں اتنا ہی اس دلدل میں دھنستی جا رہی ہوں۔ کاش! تم میری زندگی میں نہ آئے ہوتے۔"

"اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اب تم اس مکان میں بھی نہیں رہو گی۔"

"لیکن....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ کوٹھی میں نے تمہارے لئے کرائے پر لی ہے۔ یہاں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے' تم ایک دو دن میں یہاں شفٹ ہو جاؤ تمہارے یہاں آ جانے کے بعد میں لاہور چلا جاؤں گا۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "میں یہاں کیسے آ سکتی ہوں؟"

"دیکھو ثمینہ۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں ان تمام

جھنجھٹوں سے بچنا ہے تو میرے ساتھ رہنا ہو گا۔ میں تمہیں مکمل تحفظ دوں گا اور کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا۔"

"مجھے سوچنا پڑے گا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"ایک دو دن میں فیصلہ کر لو۔" شارق نے کہا۔ "آؤ تمہیں کوٹھی دکھاؤں۔"

نولکھا تو وہیں بیٹھا رہا اور شارق' ثمینہ کو لے کر کوٹھی میں گھمانے لگا۔ آخر میں وہ اس بیڈ روم میں آ گئے جو اس نے ثمینہ کے لئے آراستہ کیا تھا۔

"یہ تمہارا بیڈ روم ہے۔" شارق نے کہا۔

"میرا؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں ثمینہ' یہ تمہارا بیڈ روم ہے۔" شارق نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

ثمینہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں شارق کو اپنی پشت پر کھڑا دیکھ رہی تھی۔ شارق کے ہاتھوں کے لمس نے اس کے پورے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑا دی تھیں۔ اس پر بے خودی سی طاری ہونے لگی اور وہ شارق کے بارے میں سب کچھ بھول گئی.....

○

سنسنی کی ایک عجیب سی کیفیت نے ثمینہ کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا' وہ بھول گئی تھی کہ یہ وہی شارق ہے جس نے اس کی پرسکون زندگی میں ایک طوفان سا اٹھا دیا تھا۔ اسے کوئی فکر نہیں تھی۔ کوئی پریشانی نہیں تھی۔ لوگوں کی نظروں میں اس کے لئے بڑا احترام تھا لیکن اب وہی لوگ اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔ ایک معمولی موٹر مکینک اسے بدکردار اور آوارہ قرار دے کر اسے بلیک میل کرنے آیا تھا اور یہ سب کچھ شارق کی وجہ سے ہوا تھا۔ اگر یہ شارق اس کی زندگی میں نہ آیا ہوتا تو وہ موٹر مکینک اس سے بات کرتے ہوئے نظریں اٹھانے کی جرات بھی نہ کرتا مگر وہ تو بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے آیا تھا۔

شارق اسے مسلسل تباہی کے راستے پر دھکیل رہا تھا۔ اس نے یہ بھی فراموش کر دیا تھا کہ کل رات اس نے ایک انسان کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور شاید وہ رات کو بھی سکون و اطمینان کی نیند سویا ہو گا۔ اسے ایک لمحہ کو بھی یہ احساس نہیں ہوا ہو گا کہ اس نے کسی زندگی کا چراغ گل کر دیا ہے۔

ثمینہ بے خودی کی سی کیفیت میں کھڑی سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ شارق اس کی پشت پر کھڑا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ ثمینہ کے کندھوں پر تھے۔ لیکن دفعتاً کھانسنے کی آواز سن کر وہ دونوں چونک گئے۔ شارق اسے چھوڑ کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ثمینہ بھی سنبھل گئی۔ اسی لمحے نولکھا کھانستا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"آؤ شارق باؤ میں نے چائے بنا لی ہے۔" نولکھا نے دروازے کے قریب ہی رک کر باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ثمینہ کا چہرہ سرخ ہو گیا جیسے کوئی جرم کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔

"چائے!" شارق نے حیرت سے نولکھا کی طرف دیکھا۔ "تم نے چائے بنائی ہے؟"

"تو کیا تم سمجھتے ہو کہ میں چائے نہیں بنا سکتا۔" نولکھا نے اسے گھورا۔ "آ کر دیکھو تو سہی ایسی چائے تو تم نے اپنی پوری حیاتی میں نہیں پی ہو گی۔ ثمینہ بی بی بھی کیا یاد کرے گی کہ کبھی نولکھا کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پی تھی۔"

وہ لوگ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ سینٹر ٹیبل پر چائے کے کپ رکھے ہوئے تھے۔ شارق نے ایک کپ اٹھا لیا۔ پہلا گھونٹ بھرتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ چائے واقعی بے حد خوش ذائقہ تھی۔ الائچی کی مہک تھی۔

"مان گئے استاد۔" شارق نے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "چائے تو واقعی بہت شاندار بنائی ہے تم نے۔"

"کیا تم مجھے نکما آدمی سمجھتے ہو؟" نولکھا نے اسے گھورا۔ "ضرورت پڑنے پر میں روٹی بھی پکا سکتا ہوں اور برتن بھی مانجھ سکتا ہوں۔"

"اچھا ہوا تمہاری ان صفات کا پتہ بھی چل گیا۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ تینوں چائے پیتے ہوئے اسی قسم کی باتیں کرتے رہے۔ ان دونوں کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں گزشتہ رات کے واقعے کی سنگینی کا قطعاً احساس نہیں تھا۔

"کل رات تم لوگوں نے بڑے ظالمانہ رویہ کا مظاہرہ کیا ہے۔" بالآخر ثمینہ نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔ "اس مکینک نے مجھے پریشان ضرور کیا تھا میں نے تم لوگوں سے اس کی شکایت اس لئے کی تھی کہ اسے تھوڑی بہت سزا دے دی جاتی۔ اس کے بعد وہ اس قسم کی کوئی حرکت کرنے کی جرات نہ کرتا۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "ہم اسے مارپیٹ کے چھوڑ دیتے تو وہ تمہارا جینا اجیرن کر دیتا۔ تم اس قسم کے لوگوں کو نہیں جانتیں۔ یہ لوگ تو کسی جرم کی سزا ملنے پر تائب ہونے کے بجائے اور پھیل جاتے ہیں۔ لاری اڈے کے یہ سارے موٹر مکینک اور بسوں کے ہاکر وغیرہ جو ڈرامے کرتے رہتے ہیں وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ لوگ لاری اڈے پر آنے والی معصوم اور سادہ لوح عورتوں کو ورغلا کر انہیں بے آبرو کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ ابھی چھ سات مہینے پہلے سرگودھا سے آنے والی ایک عورت کے ساتھ کچھ ایسا ہی کیا گیا تھا۔ اس عورت کے ساتھ آٹھ سال کا بچہ بھی تھا۔ انہیں جھنگ جانا تھا۔ وہ عورت بے چاری سرگودھا کے کسی گاؤں کی رہنے والی تھی۔ وہ رات دس بجے یہاں پہنچی ایک ہاکر سے اس نے جھنگ جانے والی بس کے بارے میں پوچھا تو وہ دھوکے سے اسے یوسف کے ورکشاپ میں لے آیا وہ تو اس بچے نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا۔ اس طرح لوگوں کو پتہ چل گیا اور ان دونوں کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ اس مکینک کی رات تھانے میں گزری تھی۔ صبح دو ہزار روپے دے کر چھوٹا تھا۔ یہ تو اچھا ہوا ثمینہ بی بی کہ کل تم نے مجھے بتا دیا ورنہ وہ شیطان تو تمہارا جینا حرام کر دیتا۔"

"لیکن اگر پولیس کو پتہ چل گیا تو...."

"پولیس کو پتہ کیسے چلے گا۔" نولکھا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ کام ہم نے بڑی رازداری سے کیا ہے۔ اور بالفرض پولیس کو پتہ چل بھی گیا تو میں ہی پکڑا جاؤں گا نا.... تم دونوں پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا۔"

ثمینہ خاموش رہی۔ تقریباً پانچ بجے جب وہ جانے لگی تو شارق نے ڈپلی کیٹ چابیوں کا گچھا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں کل رات کو لاہور چلا جاؤں گا۔ شاید ایک ہفتے بعد واپس آؤں گا۔ اس سے پہلے اگر تم وہ مکان چھوڑ کر یہاں منتقل ہو جاؤ تو بڑی اچھی بات ہو گی۔ یہ کوٹھی میں نے تمہارے ہی نام سے کرائے پر لی ہے اور ایک سال کا کرایہ ایڈوانس دے چکا ہوں۔ اس سلسلے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"تم مجھے یہاں منتقل ہونے پر مجبور نہ کرو شارق۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں ایک باعزت گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں اور باعزت پیشے سے وابستہ ہوں۔ اب تک جو کچھ ہو چکا ہے اسے لوگ شاید کسی قسم کی غلط فہمی سمجھ کر بھول جائیں لیکن مستقل طور پر تمہارے ساتھ رہنا مناسب نہیں ہے۔ الگ رہتے ہوئے تو کسی ناگہانی صورت حال میں اپنا دفاع کر سکتی ہوں لیکن ساتھ رہتے ہوئے ایسا ممکن نہیں ہو گا۔ تم اپنے بارے میں بھی خوب اچھی طرح جانتے ہو۔ تم پولیس کو مطلوب ہو۔ پولیس نے کبھی تمہارا سراغ لگا لیا تو مجھے بھی شریک جرم قرار دے کر پکڑ لیا جائے گا۔ اس وقت نہ تم مجھ سے کوئی لاتعلقی ثابت کر سکو گے اور نہ میں۔ حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے دور ہی رہیں۔"

"لیکن میں تم سے دور نہیں رہ سکتا۔" شارق نے کہا۔ "اور اس بات کا تم اطمینان رکھو۔ میرے تعاقب میں پولیس کبھی اس کوٹھی تک نہیں پہنچ سکے گی اور پھر نولکھا کو تم نے دیکھ لیا ہے۔ یہ اس قسم کا آدمی ہے کہ عدالت میں بھی اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ اس کی وفاداری کا مظاہرہ تم دیکھ چکی ہو۔ ایک آدمی نے میلی آنکھ سے تمہاری طرف دیکھا تھا اور اس نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تم یہاں رہو گی تو یہ تمہاری حفاظت بھی بہتر طور پر کر سکے گا اور مجھے بھی اطمینان رہے گا۔"

"کیا... کیا یہ یہاں رہے گا؟" ثمینہ نے کہا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کے پاس بہت سے ذرائع ہیں یہ اس کوٹھی پر کبھی نہیں آئے گا لیکن تمہارے حالات سے باخبر رہے گا۔"

"میں سوچوں گی۔" بالآخر ثمینہ نے نیم رضامندی کا اظہار کر دیا۔

"سوچنے میں وقت ضائع مت کرو۔ دو چار دن میں یہاں آ جاؤ۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ نے مزید کچھ کہے بغیر اس سے چابیوں کا گچھا لے لیا۔ جب وہ دونوں ڈرائنگ روم سے نکل کر باہر آئے تو نولکھا لان میں پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ ثمینہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ شارق اس کے ساتھ گیٹ سے باہر نہیں نکلا تھا۔ ثمینہ کے جانے کے بعد اس نے گیٹ بند کر دیا اور لان میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

اسی رات آٹھ بجے کے قریب شارق، نولکھا کو کوٹھی ہی میں چھوڑ کر بلو سائیں کے تکئے پر پہنچ گیا۔ قبرستان کی دیوار کے ساتھ تاریکی میں کھڑے ہو کر اس نے ملنگ کا نام لے کر ہولے سے آواز دی۔ سڑک پر سے کچھ لوگوں کی آمد و رفت تھی لیکن کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ تیسری مرتبہ پکارنے کے بعد ملنگ درختوں کے سائے میں اس کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ قبرستان میں تاریکی اور سناٹا تھا۔ مزار میں مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا اور کھلے ہوئے دروازے سے اس کی مدھم سی روشنی سامنے کے کچھ حصے کی تاریکی کو دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"کون ہے بھئی.... کدھر کھڑے ہو۔ ہنیرے میں تو کچھ نظر بھی نہیں آتا۔" ملنگ دیوار سے دو تین قدم دور رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"ادھر ہوں.... اس طرف۔" شارق نے سرگوشی کی۔

"کون ہے، کیا بات ہے۔" ملنگ قریب پہنچ کر بولا۔ دیوار کے ایک طرف شارق تھا اور دوسری طرف ملنگ۔ دیوار ان کے کندھوں تک اونچی تھی۔

"میں ہوں شارق۔" شارق نے سرگوشی کی۔ "یہاں کی صورت حال کیا ہے؟"

"سب ٹھیک ہے شارق باؤ۔" ملنگ نے بھی اس مرتبہ سرگوشی میں جواب دیا۔

"صبح سویرے یوسف کی لاش کا پتہ چل گیا تھا تو پولیس آئی تھی۔ وہ لوگ یوسف مکینک کے دو شاگردوں اور تین چار اور آدمیوں کو پکڑ کر لے گئے ہیں، اس طرف کوئی نہیں آیا۔ کسی نے پوچھا تک نہیں۔"

دوسری رات تقریباً اسی وقت صورت حال معلوم کرنے کے لئے وہ پھر بلو سائیں کے تکئے پر پہنچ گیا۔ سب خیریت تھی۔ پولیس تکئے کی طرف نہیں آئی تھی۔ ملنگ نے بتایا تھا کہ پولیس نے گزشتہ روز جن آدمیوں کو شبہے کی بنا پر حراست میں لیا تھا۔ ان میں سے دو کے علاوہ باقی سب کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ جن دو آدمیوں کو حوالات میں بند رکھا گیا تھا ان میں ایک یوسف مکینک کا

تنخواہ دار مستری تھا اور دوسرا ایک ٹرانسپورٹ کمپنی کا ہاکر۔۔۔ اس کمپنی کی بسیں یوسف ہی کے ورکشاپ میں مرمت کے لئے آتی تھیں اور اس ہاکر نے چند مہینے پہلے یوسف سے پچاس روپے ادھار لئے تھے جنہیں وہ ابھی تک ادا نہیں کر سکا تھا۔ تین دن پہلے ان دونوں میں جھگڑا بھی ہوا تھا۔ اس کے دوسرے دن یوسف کا تنخواہ دار مستری سے بھی کسی بات پر جھگڑا ہوا تھا اور پولیس کو شبہ تھا کہ قتل ان دونوں میں سے کسی نے کیا ہو گا۔

شارق مطمئن ہو گیا تھا۔ پولیس نے دو آدمیوں کو قتل کے شبہے میں حراست میں لے لیا تھا۔ شبہے کی وجہ معقول تھی۔ بعض اوقات کوئی معمولی سا جھگڑا بھی کسی بڑے فساد کی بنیاد بنتا ہے اور ایسی تو بے شمار مثالیں موجود تھیں کہ محض دو چار روپے کی خاطر کسی کو قتل کر دیا گیا ہو۔ یوں بھی اس ملک کی پولیس تفتیش و تحقیق کی زحمت گوارا نہیں کرتی شبے میں دو آدمیوں کو پکڑ لیا تھا' یہی کافی تھا۔ پولیس ان میں سے کسی ایک سے یا دونوں سے اس جرم کا اعتراف کروا سکتی تھی۔ لاہور میں ڈی ایس پی کے قتل کی مثال بھی اس کے سامنے تھی۔ قاتل وہ تھا اور پولیس نے کسی اور کو قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا تھا۔

رات گیارہ بجے شارق اور نولکھا کوٹھی سے نکلے۔ شارق نے کوٹھی کے دروازے بند کر کے تالے چیک کئے اور چابیاں جیب میں ڈال لیں۔ سڑک پر آ کر انہیں کوئی رکشہ نہیں ملا تھا وہ ایک تانگے میں بیٹھ گئے۔ نولکھا تو لاری اڈے سے پہلے موڑ پر اتر گیا اور شارق کچھ آگے جا کر اترا تھا۔ دس منٹ بعد وہ لاہور جانے والی بس پر سفر کر رہا تھا۔

لاہور میں لاری اڈے پر بس سے اترتے ہی وہ ایک رکشے پر بیٹھ کر باغبانپورہ روانہ ہو گیا۔ وہ پندرہ بیس دن سے گھر نہیں گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ سمجھتا تھا کہ اگر سیدھا مزنگ چلا گیا تو کسی کسی الجھن میں پھنس جائے گا اور شاید پھر کئی روز تک گھر آنے کا موقع نہ ملے۔ اس لئے وہ سیدھا باغبانپورہ آیا تھا۔ جب اس نے گھر کے دروازے کی بیل بجائی تو صبح کے چار بج رہے تھے۔ دروازہ شاہد نے کھولا تھا۔

"آپ کہاں غائب ہو گئے تھے بھائی جان۔" شاہد اسے دیکھتے ہی بولا۔ "ماں جی اور رضیہ باجی پریشان ہو رہی تھیں۔ کوئی اطلاع بھی نہیں دی آپ نے۔"

"بس کام میں ایسا مصروف رہا کہ کوئی اطلاع نہ دے سکا۔" شارق آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "ماں جی یا رضیہ کو مت جگانا۔ صبح ملاقات ہو جائے گی۔"

"مگر رضیہ باجی کو تو جگانا پڑے گا۔ وہ آپ کے کمرے میں سو رہی ہیں۔" شاہد بولا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں ڈرائنگ روم میں سو جاتا ہوں۔" شارق اپنے کمرے کی طرف جاتے

ڈرائنگ روم کی طرف مڑ گیا۔

"میں بستر بچھا دیتا ہوں۔" شاہد نے کہا۔

"بستر بچھانے کی ضرورت نہیں' میں صوفے پر سو جاؤں گا۔ جاؤ' تم بھی سو جاؤ اور صبح مجھے جگانا مت۔" شارق کہتے ہوئے ڈرائنگ روم میں گھس گیا۔ بتی جلا کر اس نے کمرے کا جائزہ لیا بریف کیس میز پر رکھ دیا اور جوتے اتار کر صوفے پر لیٹ گیا۔ اس نے بتی جلتی چھوڑ دی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

اس کی آنکھ صبح دس بجے سے پہلے نہیں کھل سکی تھی۔ اسی وقت شاہد کسی کام سے اندر داخل ہوا۔

"میں نے ابھی ابھی چائے کا پانی رکھا ہے۔ آپ ہی کو دیکھنے آیا تھا۔" شاہد نے کہا۔

"چائے بنا کر یہیں لے آؤ۔ ماں جی کہاں ہیں؟" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔

"بازار گئی ہیں سودا وغیرہ لینے کے لئے آتی ہی ہوں گی اور رضیہ باجی آپ کے جاگنے کا انتظار کر رہی ہیں۔" شاہد نے کہا۔

شارق ڈرائنگ روم سے نکل کر باتھ روم میں گھس گیا۔ دس منٹ بعد جب وہ باہر نکلا تو رضیہ بھی کمرے سے نکل رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی اس طرح لپٹ گئی جیسے برسوں کی بچھڑی ہوئی ہو۔

"آپ تو کہیں جاتے ہیں تو خبر تک نہیں لیتے۔ ہم ماں بیٹی یہاں بیٹھی پریشان ہوتی رہتی ہیں۔"

"اچھا بھئی جہاں جایا کروں گا اطلاع دے دیا کروں گا۔" شارق نے کہا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد شاہد ان دونوں کے لئے چائے لے آیا۔ شارق کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد شاہد نے اخبار بھی اس کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ شارق نے اخبار اٹھا لیا۔ پہلے صفحہ پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل پڑا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔ چائے چھلک گئی۔ اس نے جلدی سے کپ میز پر رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟" رضیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں' یہ سرخی دیکھ کر ذہن کو جھٹکا سا لگا تھا۔" شارق نے ہیڈ لائن کی طرف اشارہ کیا۔ پاکستان کی سرحدوں کے قریب بھارتی فوج کے اجتماع کی خبر تھی حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ شارق ایک اور دو کالمی سرخی کو دیکھ کر چونکا تھا۔

"گوالمنڈی میں منشیات فروشوں کے دو گروہوں میں خوفناک تصادم۔"

"فائرنگ سے ایک راہ گیر اور ایک منشیات فروش ہلاک ہو گیا۔"

شارق وہ خبر پڑھنے لگا۔ اس خبر کے مطابق کل رات دس بجے گوالمنڈی کے علاقے میں مولوی حمید اور جیرا بلیڈ کے گروہوں میں تصادم ہو گیا جس کے نتیجہ میں مولوی حمید کے گروہ کا ایک آدمی اور دو راہ گیر فائرنگ کی زد میں آ کر ہلاک ہو گئے' اس علاقے میں منشیات کی فروخت پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے دونوں گروہ کئی روز سے آپس میں الجھ رہے تھے اور بالآخر گزشتہ رات ان میں خونی تصادم ہو گیا۔ منشیات فروشوں کی ان دونوں پارٹیوں کو ماجھا گجر اور شارق نامی منشیات کے بڑے اسمگلروں کی حمایت حاصل ہے۔ پولیس نے دونوں پارٹیوں کے دو دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا ہے جبکہ مولوی حمید اور جیرا بلیڈ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ پولیس سرگرمی سے انہیں تلاش کر رہی ہے۔

شارق نے یہ خبر دو مرتبہ پڑھی۔ اس کی توقع کے خلاف ماجھا گجر نے بڑی جلدی اپنا رد عمل ظاہر کر دیا تھا۔ گوالمنڈی میں اس کی دو پارٹیاں سرگرم عمل تھیں اور وہ روزانہ لاکھوں روپے کما رہی تھی۔ شارق نے مولوی حمید کی پشت پناہی کر کے ماجھا گجر کے آدمیوں کو وہاں سے بھگانے کی کوشش کی تھی لیکن ماجھا گجر اس کی پالیسی کو سمجھ گیا تھا اور اس نے فوراً ہی رد عمل کا اظہار بم کر دیا تھا۔

شارق نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے تاثرات نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے تھے۔

"آپ جلدی سے اٹھ کر تیار ہو جایئے۔ میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔ میں نے بھی ابھی تک ناشتہ نہیں کیا؟" رضیہ یہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

"کیوں بھئی' تم نے ناشتہ کیوں نہیں کیا؟" شارق نے اسے گھورا۔

"کئی روز بعد آپ آئے ہیں۔ میں نے سوچا آپ ہی کے ساتھ ناشتہ کروں گی۔" رضیہ کہتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

شارق چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے صورت حال کے بارے میں سوچنے لگا۔ ماجھا گجر کو پتہ چل گیا تھا کہ گوالمنڈی میں مولوی حمید کو اٹھانے میں شارق کا ہاتھ ہے۔ اور اس نے فوراً ہی رد عمل کا اظہار بھی کر دیا تھا جس کا مطلب تھا کہ ان دونوں کے براہ راست تصادم میں بھی اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ وہ اپنے آدمیوں سے صورت حال کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے خیال میں ایک آدھ دن مزنگ والے ڈیرے پر جانا یا اپنے کسی آدمی سے رابطہ قائم کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ اس وقت اس کے پاس معلومات حاصل کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا۔ نکا

پہلوان..... ایسی خبریں زیر زمین دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں' یہ واقعہ رات دس بجے کے قریب پیش آیا تھا۔ نکا پہلوان کو یقیناً اس سلسلے میں بہت کچھ معلوم ہو گا۔

شارق اور رضیہ ناشتہ کر ہی رہے تھے کہ مریم بھی آ گئی۔ گھر کا سودا سلف حالانکہ شاہد ہی لایا کرتا تھا لیکن صبح سویرے جب اسے معلوم ہوا کہ شارق آ گیا ہے تو وہ خود سودا لینے چلی گئی تھی۔ کھانے پینے کے معاملے میں وہ شارق کی پسند سے اچھی طرح واقف تھی۔ اسی لئے وہ خود سودا لینے گئی تھی۔

مریم بھی ان کے پاس بیٹھ گئی۔ ناشتے کے بعد بھی وہ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے رضیہ اسے پہلے ہی بتا چکی تھی کہ اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا ہے لیکن آج وہ شارق کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔ کچھ دیر بعد شارق اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور دروازہ بند کر کے لباس تبدیل کرنے لگا۔ جب وہ کمرے سے نکلا تو بارہ بجنے والے تھے۔

"کہاں جا رہے ہو بیٹا؟" مریم نے اسے کہیں جانے کے لئے تیار دیکھ کر پوچھا۔

"سنگھ پورہ تک جا رہا ہوں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آ جاؤں گا۔" شارق نے کہا۔

"کھانا گھر پر ہی آ کر کھانا۔" مریم نے کہا۔

"جی بہتر ہے۔" شارق کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

گلیوں سے نکل کر وہ میں روڈ پار کر کے سامنے والی ایک گلی میں گھس گیا اور پھر تنگ اور پیچ در پیچ گلیوں میں گھومتا ہوا حق نواز روڈ پر نکل آیا۔ نکا پہلوان کے طویلہ تک پہنچنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ ایک آدمی احاطے میں ایک تانگے کا پہیہ مرمت کر رہا تھا۔

"نکا پہلوان کہاں ہے؟" شارق نے اس کے قریب رک کر پوچھا۔

"اندر ہے شارق باؤ۔" اس آدمی نے جواب دیا۔ "سنا ہے رات کو تمہارا ایک آدمی پکڑا گیا ہے؟"

شارق نے گہری نظروں سے اس کی دیکھا۔ وہ شارق کو پہچانتا تھا لیکن شارق اسے نہیں جانتا تھا۔

"میں شہر میں نہیں تھا۔ مجھے نہیں معلوم کون پکڑا گیا ہے۔" شارق کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

نکا پہلوان کمرے میں جھلنگا سی چارپائی پر لیٹا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس کے سامنے کرسی پر ایک اور آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔

"آؤ شارق باؤ..... تمہیں دیکھنے کو تو آنکھیں ترس جاتی ہیں۔ کہاں غائب ہو جاتے ہو؟" نکا پہلوان اسے دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"میں ایک کام سے سیالکوٹ گیا ہوا تھا۔" شارق نے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آج صبح چار بجے واپس آیا ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے اخبار میں ایک خبر پڑھی ہے کیا تم نے؟"

"قصہ کیا ہونا ہے۔" نکا پہلوان نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "چھانگے کی موت کے بعد ماجھا گجر پھیلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم نے گوالمنڈی میں مولوی حمید کو اٹھانے کی کوشش کی تو وہ ناراض ہو گیا۔ رات کو اس کے آدمیوں نے مولوی حمید پر حملہ کر دیا تھا۔ مولوی حمید خود تو بچ گئے مگر اس کا ایک بندہ مارا گیا۔"

"یہ تم سے کس نے کہا کہ میں گوالمنڈی میں مولوی حمید کو اٹھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" شارق نے اسے گھورا۔

"ایسی باتوں کے لئے ڈھنڈورہ پیٹنا ضروری نہیں ہوتا شارق باؤ۔" نکا پہلوان نے کہا۔ "ایسی خبریں تو خود بخود پھیل جاتی ہیں۔"

"میرا کون سا بندہ پکڑا گیا ہے؟" شارق نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"شیدا۔" نکا پہلوان نے جواب دیا۔ "وہ تو بے قصور ہی پکڑا گیا۔ مولوی حمید سے اس کی پرانی دوستی ہے۔ اس سے ملنے گیا تھا کہ لپیٹ میں آ گیا۔ گوالمنڈی تھانے میں ہے سنا ہے دس ہزار مانگ رہے ہیں اس کے لئے۔"

"دس ہزار کی تو کوئی بات نہیں لیکن اس ماجھا گجر کا دماغ درست کرنا ہی پڑے گا۔" شارق نے کہا۔ بات کرتے ہوئے اس کے دانت بھنچ گئے تھے۔

"ایک بات اور بتاؤں شارق باؤ۔" نکا پہلوان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ماجھا پھنیئر ہے پھنیئر۔ اس سے بچ کر رہنا۔ پرسوں وہ میرے پاس بھی آیا تھا۔"

"کس لئے؟" شارق نے اسے گھورا۔

"تمہیں پتہ ہے نا کہ چھانگے کی موت کے بعد وہ پورے لاہور کی مارکیٹ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، مجھ سے کہہ رہا تھا کہ تمہارا ساتھ چھوڑ کر اس سے مل جاؤں۔"

"تو پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"اصول بھی کوئی چیز ہوتی ہے شارق باؤ۔" نکا پہلوان نے جواب دیا۔ "چھانگا نے میرے برے وقتوں میں ساتھ دیا تھا۔ آج میں اس کی پارٹی کو کیسے چھوڑ دوں؟ ویسے ایک بات بتاؤں شارق باؤ.... ماجھا گجر تمہاری تاک میں ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا۔"

"اس کی تم فکر مت کرو۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پھر بولا۔

"اگر تم ماجھا گجر کا ساتھ دینا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ ماجھا گجر اب یہاں سے بھاگنے ہی والا ہے۔ وہ لاہور کی مارکیٹ پر قابض ہونے کا جو خواب دیکھ رہا ہی وہ کبھی پورا نہیں ہو گا۔"

"کیا بات کرتے ہو شارق باؤ۔" نکا پہلوان نے کہا۔ "چھانگے کے احسانات کے سامنے تو میری گردن نہیں اٹھ سکتی۔ میں اپنی جان تو دے سکتا ہوں مگر چھانگے کی پارٹی سے غداری نہیں کروں گا۔ چھانگا نہیں رہا تو کیا ہوا۔ تم تو ہو نا اس کی جگہ پر۔"

"گوالمنڈی کا تھانیدار کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"ملک صاحب ہیں وہ یہاں بھی کچھ عرصہ رہ چکا ہے۔ اپنی بڑی یاری ہے اس سے۔ کہو تو میں چلوں تمہارے ساتھ۔" نکا پہلوان نے کہا۔

شارق چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ابھی نہیں میں شام کو جاؤں گا تو تمہیں اپنے ساتھ لے لوں گا اس وقت مجھے کچھ اور ضروری کام ہیں۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔ جس وقت مرضی ہو آ جانا۔ میں یہیں رہوں گا۔" نکا بولا۔

"ٹھیک ہے، اب میں چلتا ہوں۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

"کوئی لسی پانی شارق باؤ....." نکا پہلوان بولا۔

"پھر کبھی سہی۔" شارق نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

نکا پہلوان کے ڈیرے سے نکل کر شارق مدینہ چوک پر آ گیا۔ وہاں بازار سے اس نے کچھ پھل خریدے اور گھاس منڈی کے سامنے سے ایک تانگے پر بیٹھ گیا جب وہ گھر پہنچا تو ڈیڑھ بجنے والا تھا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر تک مریم اور رضیہ سے باتیں کرتا رہا پھر اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ وہ نکا پہلوان سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ بات صرف گوالمنڈی تھانے تک محدود رہی تھی۔ شیدا اگر گوالمنڈی نہ جاتا تو وہ بھی گرفت میں نہ آتا لیکن بہرحال اسے پولیس کی حراست سے چھڑانا ضروری تھا۔

رات نو بجے وہ کھانا کھا کر گھر سے نکل گیا۔ اس نے مریم اور رضیہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ رات کو واپس نہ آئے تو وہ لوگ پریشان نہ ہوں۔ مین روڈ پر وہ تقریباً دس منٹ تک کھڑا رہا۔ کوئی ٹیکسی یا رکشہ نہیں ملا۔ بالآخر وہ ایک تانگے پر بیٹھ گیا۔ سیڑھیوں والی طرف ریلوے اسٹیشن کے قریب تانگے سے اتر کر وہ سیڑھیوں والا پل پار کر کے ریلوے اسٹیشن کے سامنے آ گیا۔ وہاں سے بھی وہ تانگے پر بیٹھ کر ہی گوالمنڈی پہنچا تھا۔ ایس ایچ او ملک اس وقت موجود نہیں تھا۔ شارق

کو تقریباً بیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا تھا۔ اور ملک سے ملاقات مزید دس منٹ گزرنے کے بعد ہی ہوئی تھی۔ ملک کے چہرے پر بے حد کرختگی تھی۔ اس کا لہجہ بھی درشت تھا۔ لیکن شارق سے جب مطلب کی بات شروع کی تو اس کا لہجہ بدل گیا۔ شارق نے براؤن رنگ کا ایک پھولا ہوا لفافہ اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ ملک نے لفافہ اٹھا کر میز کی دراز میں رکھ لیا اور ایک کانسٹیبل کو آواز دی۔

"شیدے کو لے کر آؤ۔"

چند منٹ بعد شیدا آگیا۔ اس کا حلیہ دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کل رات سے اب تک اس کی اچھی خاصی چھترول کی گئی تھی۔

"آئندہ اگر تم اس علاقے میں نظر آئے تو بند کر دوں گا اور کسی سفارش پر نہیں چھوڑوں گا۔" تھانیدار نے شیدے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا سرجی۔ ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے بندوں نے پکڑ لیا۔" شیدے نے کہا۔

"کچھ نہیں کیا۔ اسی لئے تو تمہیں چھوڑ رہا ہوں لیکن آئندہ اس طرف مت آنا۔"

"نہیں آؤں گا جی۔" شیدے نے جواب دیا۔

"چلو' بھاگ جاؤ۔" تھانیدار نے کہا۔

شارق بھی کرسی سے اٹھ گیا۔ اس نے تھانیدار سے ہاتھ ملایا اور شیدے کو لے کر تھانے سے باہر آگیا۔

"تم جاؤ مزنگ پہنچو۔ میں آتا ہوں تھوڑی دیر میں۔" شارق نے کہا۔ شیدا ایک طرف چلا گیا اور شارق ٹہلتا ہوا مولوی حمید کے ہوٹل کے سامنے سے گزرتا ہوا کچھ آگے ایک اور چھوٹے سے ہوٹل میں بیٹھ گیا۔ مولوی حمید کا ہوٹل بند تھا۔

اسے بھی ہوٹل کے بجائے چائے کی دکان کہنا ہی مناسب ہو گا۔ دکان کے اندر دیوار کے ساتھ تھڑا سا بنا ہوا تھا جس کے سامنے بینچ نما لمبی سی میز رکھی ہوئی تھی۔ تین چار گاہک دکان کے اندر بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے فٹ پاتھ پر بھی کرسیوں پر کچھ گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق بھی باہر ہی بیٹھ گیا۔ چند سیکنڈ بعد ہوٹل کے ملازم لڑکے نے پوچھے بغیر اس کے سامنے چائے کا گلاس لا کر رکھ دیا۔

اس ہوٹل کا مالک بھی دراصل ماجھا گجر ہی کا ایجنٹ تھا۔ لیکن وہ خود اس وقت نہیں تھا۔ اس کا ملازم کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا۔ شارق نے یہ بات نوٹ کر لی تھی کہ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے آدمی نے

دوسرے ملازم لڑکے کو بلا کر کوئی سرگوشی کی تھی اور وہ لڑکا ہوٹل سے نکل کر شارق کی طرف دیکھتا ہوا ایک طرف چلا گیا تھا۔

شارق گلاس اٹھا کر چائے کی چسکیاں لیتا رہا۔ اس نے یہ بات بھی نوٹ کر لی تھی کہ کل کے ہنگامے کی وجہ سے آج یہاں پر پڑیوں کا کاروبار بند تھا۔ شارق ابھی چائے پی ہی رہا تھا کہ ایک آدمی اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ طویل سا تھا' شیو بڑھا ہوا' پچکے ہوئے گال اور اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں۔ لباس صاف ستھرا تھا۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر صاف طور پر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ نشے کا عادی ہے۔

"شارق باؤ!" اس نے میز پر جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ انداز ایسا تھا جیسے بڑبڑا رہا ہو۔ "یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ گجر کے آدمی آنے والے ہیں۔ ان کا ارادہ ہے کہ تمہیں گھیر کر ختم کر دیا جائے۔"

"تم کون ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"میرے بارے میں جاننے کے چکر میں مت پڑو۔" وہ آدمی بڑبڑایا۔ "تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ وہ لوگ یہاں پہنچنے ہی والے ہیں۔"

شارق چند لمحے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا جیب سے پانچ کا نوٹ نکال کر میز پر گلاس کے نیچے دبا دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اس اجنبی کی مشورے پر عمل کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ وہ اس وقت خالی ہاتھ تھا اور جان بوجھ کر خطرات کو دعوت دینا حماقت ہی کہلاتی۔

چوک پر آکر وہ ایک لمحہ کو رکا۔ ادھر ادھر دیکھا اور ایک گلی میں داخل ہو گیا۔ اس وقت گیارہ بج چکے تھے۔ چوک پر اگرچہ رونق تھی لیکن گلی میں سناٹا تھا۔ وہ گلیوں ہی گلیوں میں ہوتا ہوا نسبت روڈ پر نکل سکتا تھا۔

وہ تیسری گلی میں مڑا ہی تھا کہ اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سن کر وہ چونک گیا اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دو آدمی تیز تیز قدم اٹھائے ہوئے آ رہے تھے۔ اس نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی اور ایک اور گلی میں گھس گیا۔ وہ دونوں آدمی بھی اس کے پیچھے اسی گلی میں مڑے تھے۔

مزید دو تین گلیوں میں گھومنے کے بعد شارق کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ دونوں آدمی اسی کا تعاقب کر رہے تھے۔ شارق یہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ایک اور گلی میں گھومتے ہی اس نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک مکان کی دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ اس گلی میں کافی آگے ایک مکان کے سامنے بلب جل رہا تھا لیکن اس کی روشنی یہاں نہیں پہنچ رہی تھی۔ شارق

جس جگہ کھڑا تھا وہاں تو گہری تاریکی تھی۔

چند سیکنڈ بعد ہی وہ دونوں آدمی گلی میں مڑے وہ دو قدم آگے بڑھے تھے لیکن پھر ایک دم رک گئے۔

"کہاں غائب ہو گیا نظر نہیں آ رہا۔" ایک آدمی نے کہا۔

"وہ آگے چھوٹی گلی میں مڑ گیا ہو گا' جلدی چلو۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آگے چلنے لگے۔ شارق بڑی خاموشی سے آڑ سے نکلا اور دبے قدموں چلتا ہوا دوبارہ اسی گلی میں مڑ گیا جس طرف سے وہ آیا تھا۔ چند قدم کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک اور گلی میں مڑ گیا اور پھر مختلف گلیوں میں گھومتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ بھول بھلیوں کی طرح پیچ و خم کھاتی ہوئی یہ گلیاں شیطان کی آنت ثابت ہو رہی تھیں۔ شارق کو کسی بڑی سڑک پر نکلنے کا راستہ ہی نہیں مل رہا تھا۔ بعض اوقات تو وہ گھومتا ہوا دوبارہ اسی گلی میں پہنچ جاتا جہاں سے چلا تھا۔

وہ ایک اور گلی میں مڑا ہی تھا کہ وہ دونوں آدمی اچانک ہی ایک اور گلی سے نکل کر اس کے سامنے پہنچ گئے۔

"اب تم بھاگنے کی کوشش مت کرنا شارق باؤ۔" ایک آدمی نے اس پر پستول تان لیا۔ تمہاری موت ہی تمہیں اس طرف لے آئی تھی۔ اب تم ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔"

"کون ہو تم لوگ اور مجھ سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟" شارق بولا۔

"ہمارے گجر سے دشمنی مول لے کر کوئی یہاں زندہ نہیں رہ سکتا۔" پستول والے نے کہا۔ "تم ہمارے دوست بن کر تو زندہ رہ سکتے تھے دشمن بن کر نہیں۔"

"او اس کو کیا کہانی سنا رہے ہو۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ "اس کو کھولے میں لے چلو اور جان چھڑاؤ اس سے۔"

"چلو... آگے لگو...." پہلے آدمی نے پستول سے اشارہ کیا۔

"اس کی تلاشی تو لے لو۔" دوسرا آدمی شارق کے پیچھے آ کر اس کا لباس تھپتھپانے لگا۔ "ٹھیک ہے کچھ نہیں ہے اس کے پاس۔ "چل اوئے۔" اس نے شارق کو دھکا دیا۔

وہ دونوں شارق کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ پہلے آدمی نے اسے پستول کی زد میں لے رکھا تھا۔ وہ ایک موڑ گھوم کر تنگ سی گلی میں آ گئے۔ تھوڑا ہی آگے چل کر وہ رک گئے۔ بائیں طرف ایک بہت پرانے مکان کا ملبہ بکھرا ہوا تھا۔ یہ مکان شاید کچھ عرصہ پہلے ہی گرا ہو گا اور اس

کو اس شخص نے کھولے کا نام دیا تھا۔

وہ دونوں اسے لے کر ٹوٹے ہوئے مکان میں داخل ہو گئے۔ دوسرے آدمی نے بھی اب جیب سے چاقو نکال لیا تھا۔

"شارق باؤ۔" چاقو والے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہیں ایک شرط پر چھوڑ سکتے ہیں۔"

"وہ کیا؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر تم ہمارے گجر سے راضی نامہ کر لو اور اپنا کاروبار بند کر کے کہیں اور چلے جاؤ تو تمہاری جان بخشی جا سکتی ہے۔ ویسے بھی تم اس لائن کے آدمی نہیں ہو۔ چھانگا تو تمہیں زبردستی گھسیٹ لایا تھا۔ وہ مر گیا.... قصہ ختم.... تم بھی چلے جاؤ یہاں سے۔" اس شخص نے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ ایک مرتبہ جو آدمی اس بزنس میں آ جائے۔ اس کے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔" شارق نے جواب دیا۔

"ایک راستہ ہے اور ہم تمہیں اب اسی راستے پر بھیج رہے ہیں۔" پستول والے نے کہا۔

شارق اچانک ہی حرکت میں آ گیا۔ اس کے پیر کی ٹھوکر پستول والے کے ہاتھ پر پڑی۔ پستول اس شخص کے ہاتھ سے نکل کر ملبے میں کہیں جا گرا۔ وہ آدمی بھی لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔ شارق کے دوسرے پیر کی ٹھوکر چاقو والے کے پیٹ پر لگی تھی۔ اس کے منہ سے گندی گالی نکلی اور وہ پیٹ پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔

شارق نے ان دنوں میں سے کسی کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے دونوں کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔ ان میں سے ایک تو مسلسل گالیاں بک رہا تھا جبکہ دوسرا خاموشی سے پٹ رہا تھا لیکن بالآخر ان میں سے ایک کا داؤ چل گیا۔ اس کے پیر کی ٹھوکر شارق کی پنڈلی کی ہڈی پر لگی۔ شارق بلبلا اٹھا وہ ایک ٹانگ پر ناچ کر رہ گیا۔ اس دوران پستول والے نے اس پر گھونسوں کی بوچھاڑ کر دی۔ شارق کچھ دیر پٹتا رہا لیکن پھر اس نے اپنے حریف کو دبوچ لیا۔ وہ دونوں نیچے گرے۔ وہ شخص نیچے تھا اور شارق اس کے اوپر.... ٹھیک اسی لمحہ اپنے پیچھے غراہٹ سن کر شارق نے اپنے حریف کو چھوڑ دیا اور بڑی پھرتی سے ایک طرف لوٹ لگا دی۔

دوسرا آدمی چاقو لہراتا ہوا شارق پر حملہ آور ہوا تھا۔ شارق کے بروقت ایک طرف ہٹ جانے سے وہ اپنے ہی ساتھی کے اوپر گرا۔ اس نے چاقو سے بھرپور وار کیا تھا۔ اس کا نشانہ تو شارق تھا۔ شارق کے ہٹ جانے سے چاقو اس کے اپنے ہی ساتھی کے سینے میں دستے تک پیوست ہو گیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی بھیانک تھی۔

حملہ آور سکتے میں رہ گیا۔ اس کا ہاتھ اب بھی چاقو کے دستے پر تھا۔ شارق بھی ایک لم
دم بخود سا کھڑا ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ کھولے سے نکل کر گلی میں ایک طرف دوڑ
لگا۔ گلی کے موڑ پر پہنچ کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دوسرا آدمی بھی کھولے سے نکل کر مخالف
سمت میں بھاگ اٹھا تھا۔

شارق گلیوں میں دوڑتا رہا۔ سڑک پر پہنچا تو انکشاف ہوا کہ وہ ایک بار پھر گوالمنڈی
چوک کے آس پاس ہی موجود تھا۔ وہ مڑ کر تیزی سے ایک طرف چلنے لگا اور پھر تقریباً آدھے گ
بعد وہ سہیل کے ریسٹورنٹ میں داخل ہو رہا تھا۔

○

ثمینہ ایک بار پھر الجھن کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ شارق سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی لیکن حالا
نے اسے پھر اسی راستے پر دھکیل دیا تھا۔ اگر موٹر مکینک یوسف اسے بلیک میل کرنے کی کوش
نہ کرتا تو ممکن ہے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی مگر بلیک میلنگ کے اس چکر نے اسے ای
بار پھر شارق کی طرف دھکیل دیا تھا۔ وہ بلیک میلروں کے بارے میں اچھی طرح جانتی تھی
یوسف ایک بار اس کی پیچھے پڑ جاتا تو زندگی بھر اس کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ سب سے پہلے وہ اس
عزت پر ہاتھ ڈالتا۔ یوسف سے پیچھا چھڑانے کے لئے اس نے نولکھا سے شکایت کی تھی۔ اس
خیال تھا کہ وہ لوگ اسے تھوڑی بہت سزا دے کر چھوڑ دیں گے مگر انہوں نے یوسف کو بڑی
دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

اور اب شارق بضد تھا کہ وہ اپنا مکان چھوڑ کر اس کے ساتھ رہے۔ عجیب منطق تھی
لیکن ثمینہ محسوس کر رہی تھی کہ اسے شارق جیسے شخص کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے۔ وہ جس
چکر میں پھنس گئی تھی اس سے نکلنا بظاہر اسے مشکل ہی نظر آ رہا تھا۔ شارق سے نجات حاصل
کرنے کے لئے حکمت عملی طے نہیں کر پائی تھی۔ لیکن اتنا وہ جانتی تھی کہ شارق آسانی سے ا
کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔ اس روز وہ اسے دھمکی دے کر اپنے ساتھ نولکھا کے ڈیرے پر
گیا تھا۔ اس کے اخلاق اور شرافت میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن تھا تو وہ جرائم پیشہ۔ اس نے مع
سی دھمکی دی تھی اور وہ اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ کل کلاں کو وہ اس سے کوئی اور مطالبہ
کر سکتا تھا۔

دوسرے ہی دن ثمینہ کا والد لاہور سے آ گیا۔ شفاعت علی اے جی آفس میں ملازم تھے ا
ثمینہ کا خط ملنے کے بعد وہ دو دن کی چھٹی لے کر آئے تھے۔ ثمینہ نے یہ سوچ کر اپنے والد کو
لکھا تھا کہ نائلہ کے والد اور وکیل سے مل کر اپنے بچاؤ کی کوئی راہ نکالی جائے گی لیکن صور

حال اب بدل گئی تھی۔ اس نے اپنے والد سے یہ بہانہ کر دیا کہ وہ یوں ہی کچھ پریشان ہو گئی تھی
اور اسی پریشانی میں اس نے خط لکھ دیا تھا۔

"آپ سے ایک اور بات بھی کرنا چاہتی ہوں۔" ثمینہ نے رات کے کھانے کے دوران اپنے
والد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "میری ایک سہیلی اور اس کے والدین دو سال کے لئے انگلینڈ
چلے گئے ہیں۔ طارق آباد میں ان کی کوٹھی خالی ہے۔ وہ کوٹھی کسی کو کرائے پر نہیں دینا چاہتے۔
چابی مجھے دے گئے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو یہ مکان چھوڑ کر وہاں منتقل ہو جاؤں۔"

"اگر کوئی مسئلہ نہ ہو تو تمہارے وہاں منتقل ہونے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اس کے
والد نے جواب دیا۔

"مسئلہ تو کوئی نہیں۔" ثمینہ نے باپ کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ "اگر آپ کہیں تو آپ
کے ہوتے ہوئے سامان وہاں منتقل کر دیا جائے۔"

"جیسا تم چاہو۔" شفاعت علی نے جواب دیا۔

اور پھر دوسرے ہی دن انہوں نے سامان شارق والی کوٹھی میں منتقل کر دیا۔ ثمینہ کو اپنا بہت
سا سامان نکالنا بھی پڑا تھا۔ جس روز وہ کوٹھی میں منتقل ہوئی اس سے اگلے ہی روز شفاعت علی
لاہور واپس چلے گئے۔

اس کوٹھی میں ثمینہ کی وہ دوسری رات تھی۔ پہلی رات تو اس کا والد ساتھ تھا لیکن آج وہ
اکیلی تھی۔ اتنی بڑی کوٹھی میں اسے ڈر لگ رہا تھا۔ اس نے سارے دروازے بند کر رکھے تھے اور
وہ اپنے کمرے میں بستر پر بیٹھی نوٹس تیار کر رہی تھی۔ لیکن اس کا دھیان بار بار شارق کی طرف
منتقل ہو رہا تھا۔ شارق اس سے کیا چاہتا تھا؟ کیا شارق کو واقعی اس سے محبت تھی؟ لیکن وہ اسے
اپنے ساتھ جرائم کی دلدل میں کیوں گھسیٹ رہا تھا؟ لیکن وہ اس صورت حال کے لئے خود کو بھی
بری الذمہ نہیں سمجھتی تھی۔ سارا قصور اسی کا تھا۔ یہ حالات خود اس کے اپنے پیدا کردہ تھے۔ اگر
وہ پہلے ہی دن شارق کے ساتھ مختلف رویہ اختیار کرتی تو آج اسے ایسی سنگین صورت حال کا سامنا
نہ کرنا پڑتا لیکن شارق کے بھولپن اور شرافت سے متاثر ہو کر وہ خود پھنس گئی تھی۔ اسے پہلے
ہی سمجھ لینا چاہئے تھا کہ کوئی جرائم پیشہ شخص شرافت کا مجسمہ نہیں ہوتا۔

ثمینہ کی وہ رات تقریباً جاگتے ہوئے ہی گزری تھی۔ صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی وہ جلدی
سے تیار ہو کر کالج کے لئے روانہ ہو گئی۔ کالج میں وہ دوسرا پیریڈ لے رہی تھی کہ چپراسی کلاس
روم کے دروازے کے سامنے آ کر رکا۔ ثمینہ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کو پرنسپل صاحبہ بلا رہی ہیں مس ثمینہ۔" چپراسی نے کہا۔

"اچھا' میں آ رہی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"انہوں نے کہا ہے ذرا جلدی آ جایئے۔" چپراسی نے پھر کہا۔

ثمینہ نے مڑ کر چپراسی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات تھے۔ ثمینہ کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ وہ اپنا لیکچر ادھورا چھوڑ کر کلاس روم سے نکل گئی۔

پرنسپل اپنے دفتر میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات تھے۔

"یس میڈم!" ثمینہ دفتر میں داخل ہو کر میز کے سامنے رک گئی۔

"مس ثمینہ!" پرنسپل کے لہجے میں کسی قدر کرختگی تھی۔ "تمہیں یاد ہو گا کہ چند روز پہلے پولیس کو منشیات کے ایک اڈے سے تمہارا رجسٹر اور کتابیں ملی تھیں اور پولیس تمہارے بارے میں پوچھتی ہوئی یہاں پہنچی تھی۔"

"یس میڈم۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "وہ رجسٹر اور کتابیں تانگے میں رہ گئی تھیں اور ہو سکتا ہے کسی ایسے شخص کے ہاتھ لگ گئی ہوں جس کا تعلق منشیات کے اس اڈے سے ہو۔ میں نے پولیس والوں کو بھی ساری بات بتا دی تھی اور وہ مطمئن ہو کر چلے گئے تھے۔"

"لیکن پولیس والے کسی معاملے میں آسانی سے مطمئن نہیں ہوتے۔" میڈم نے اسے گھورا۔

"میں سمجھی نہیں میڈم۔" ثمینہ بولی۔ اسے سینے میں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

"ایک پولیس آفیسر اسی سلسلے میں تم سے ملنا چاہتا ہے۔" پرنسپل نے کہا۔ "وہ وزیٹرز روم میں تمہارا منتظر ہے۔ اس سے جا کر مل لو لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔ میں یہاں پولیس کی آمد و رفت پسند نہیں کرتی۔ تم سمجھتی ہو نا کہ اس سے دوسروں پر اور کالج کی ریپوٹیشن پر کیا اثر پڑے گا؟"

"یس میڈم!" ثمینہ کہتی ہوئی دفتر سے نکل گئی۔

وزیٹرز روم کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ پولیس کو یہ پتہ تو نہیں چل گیا کہ جس روز بلو سائیں کے تکئے پر چھاپہ پڑا تھا وہ بھی وہاں موجود تھی۔ اس روز رجسٹر اور کتابوں کے سلسلے میں اس نے جو من گھڑت کہانی سنائی تھی اس سے بظاہر پولیس والے مطمئن ہو کر چلے گئے تھے لیکن اسے پولیس کا تجربہ نہیں تھا۔ وہ اس حقیقت سے واقف نہیں تھی کہ پولیس والے بال کی بھی کھال نکالتے ہیں۔

وہ جب وزیٹرز روم میں داخل ہوئی تو کرسی پر بیٹھا ہوا ایک اے ایس آئی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ایک نوجوان اور خوبرو آفیسر تھا۔ اسے غالباً پولیس میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں

گزرا تھا اسی لئے چہرے پر شگفتگی اور نرمی تھی۔

"آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مس ثمینہ؟" پولیس آفیسر نے پوچھا۔

"جی ہاں' ثمینہ میرا ہی نام ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"تشریف رکھئے۔" پولیس آفیسر نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "آپ کو زحمت دینے کی معذرت چاہتا ہوں مس ثمینہ لیکن آپ سمجھتی ہیں نا کہ ہماری ڈیوٹی ہی ایسی ہے۔ بعض اوقات ناخوشگوار فرائض بھی انجام دینا پڑتے ہیں۔"

اس کے لہجے میں اگرچہ نرمی اور شائستگی تھی لیکن ثمینہ کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ پولیس آفیسر بھی اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

"جی فرمایئے آپ مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"چند روز پہلے پولیس نے بلو سائیں کے تکئے پر قائم منشیات کے اڈے پر چھاپہ مارا تھا۔ اس چھاپے کے دوران آپ کا رجسٹر اور دو کتابیں پولیس کو منشیات کے اس اڈے سے ملی تھیں۔"

"جی ہاں۔" ثمینہ نے کہا۔ "اور میں بتا چکی ہوں کہ وہ رجسٹر اور کتابیں ایک تانگے میں رہ گئی تھیں۔ ہو سکتا ہے تانگے میں سوار کسی شخص نے وہ چیزیں اٹھا لی ہوں اور اس کا تعلق منشیات کے اس اڈے سے ہو...."

"لیکن آپ کا یہ بیان درست نہیں ہے۔" پولیس آفیسر نے کہا۔ "آپ وہ رجسٹر اور کتابیں کسی تانگے میں نہیں منشیات کے اس اڈے میں بھولی تھیں۔ ہمارے پاس منشیات کے اس اڈے میں آپ کی موجودگی کا ثبوت ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے...." ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہو گیا تھا اور دل کی دھڑکن خطرناک حد تک بڑھ گئی تھی۔

"بیٹھ جایئے۔" پولیس آفیسر نے کہا۔ اس کے لہجے میں بدستور نرمی تھی۔ "معاملہ بے حد سنگین ہے مس ثمینہ۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "چند روز قبل منشیات کے اڈے والے قبرستان سے ملحق موٹر ورکشاپ کے مالک یوسف کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ اس سے چند روز پہلے منشیات کے اڈے پر پولیس نے چھاپہ مارا تھا تو ایک عورت قبرستان کی دیوار پھلانگ کر اس طرف آئی تھی اور دیوار پھاندنے سے اس عورت کے پیر میں موچ آ گئی تھی۔ یوسف نے اس عورت کو کالج کی لیکچرار کی حیثیت سے شناخت کر لیا تھا۔ اس کی بہن اسی کالج میں پڑھتی ہے اور وہ اپنی بہن کو کالج چھوڑنے آتا تھا۔ اس نے اس لیکچرار کو دیکھا تھا۔ اس

لئے شناخت بھی کر لیا۔ ہم نے آپ کے بارے میں تھوڑی سی معلومات حاصل کی ہیں۔ ابھی پرنسپل صاحبہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ پچھلے دنوں پیر میں موچ آ جانے سے کالج سے چھٹی پر تھیں۔ منشیات کے اڈے سے آپ کے رجسٹر اور کتابوں کا ملنا اور یہ واقعات اس امر کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ....."

"یہ جھوٹ ہے' غلط ہے سب کچھ۔" ثمینہ نے کہا۔

"مس ثمینہ۔" پولیس آفیسر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "معاملہ اگر صرف رجسٹر اور کتابوں کے برآمد ہونے تک محدود رہتا تو بات ختم ہو سکتی تھی لیکن اب معاملہ ایک قتل کا ہے۔ ورکشاپ میں کام کرنے والے مستری آپ کو شناخت کر سکتے ہیں۔"

"آپ سمجھتے ہیں کہ اس مکینک کو میں نے قتل کیا ہو گا؟" ثمینہ نے کہا۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔" پولیس آفیسر بولا۔ "مکینک یوسف کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ اس کے بارے میں بھی کچھ سنسنی خیز انکشافات ہوئے ہیں۔ وہ بلیک میلر تھا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو منشیات کے اڈے سے بھاگتے دیکھ کر اس نے آپ کو پریشان کرنے کی کوشش کی ہو۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ کسی جرم میں ملوث ہو سکتی ہیں لیکن مجرموں کی گرفتاری کے لئے آپ ہماری مدد ضرور کر سکتی ہیں۔ اگر آپ اس سلسلے میں کچھ جانتی ہوں تو ہم سے تعاون کیجئے۔ آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ قانون آپ کو مکمل تحفظ فراہم کرے گا۔"

ثمینہ بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ اس کا گلا سوکھ رہا تھا اور ہونٹ خشک تھے۔ وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ اس نوجوان پولیس آفیسر نے حالات کا جو تجزیہ کیا تھا وہ حقیقت کے کس قدر قریب تھا اور ثمینہ سوچ رہی تھی کہ اس وقت وہ اسے قانونی تحفظ کی پیشکش کر کے تعاون کے لئے کہہ رہا ہے لیکن جب اسے پتہ چلے گا کہ شارق اور نولکھا سے اس کا کوئی تعلق ہے تو وہ اپنی پیشکش بھول کر اسے سلاخوں کے پیچھے بند کر دے گا۔

"مس ثمینہ!" پولیس آفیسر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "ایک بات ذہن میں رکھئے۔ قانون اندھا یا بہرہ نہیں ہے ابھی تحقیقات شروع ہوئی ہے آگے چل کر مزید انکشافات ہو سکتے ہیں۔ میں آپ کو سوچنے کے لئے وقت دے رہا ہوں۔ میں کل دوبارہ آپ کے پاس آؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں گی وہ آپ کے حق میں ہو گا۔"

پولیس آفیسر اٹھ کر کھڑا ہو گیا وہ چند لمحے ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ثمینہ اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ اس کا چہرہ سرسوں کے پھول کی طرح پیلا ہو رہا تھا اور دل کانپ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دے۔ وہ بری

طرح پھنس گئی تھی۔ پہلی مرتبہ جب اسے پولیس والے تھانے لے گئے تھے تو شارق اور گورایہ اسے چھڑا لائے تھے پھر رجسٹر اور کتابوں کے بارے میں جو پولیس والے پوچھ گچھ کے لئے آئے تھے انہیں بھی ٹرخا دیا گیا تھا لیکن ثمینہ کو اب احساس ہو رہا تھا کہ پولیس والے اتنے بے وقوف نہیں ہوتے جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔ پولیس والے جب کسی جرم کی تحقیقات کرتے ہیں تو بہت دور تک چلے جاتے ہیں۔ یوسف کا قتل ایک راز تھا۔ پولیس نے شبے میں دو آدمیوں کو گرفتار بھی کر لیا تھا اس کے خیال میں یہ بات یہیں پر ختم ہو جانی چاہئے تھی لیکن پولیس تحقیقات کرتی ہوئی اس تک پہنچ گئی تھی۔

منشیات کے اڈے پر چھاپہ اگرچہ یوسف کے قتل سے کئی روز پہلے پڑا تھا لیکن پولیس نے یہ سراغ بھی لگا لیا تھا کہ چھاپہ پڑنے کے بعد وہ قبرستان کی دیوار پھلانگ کر یوسف کے ورکشاپ کی طرف آئی تھی۔ اور اس کے پیر میں موچ آ گئی تھی۔

یہ ابھی تحقیقات کی ابتدا تھی۔ پولیس ورکشاپ کے ملازموں کو سامنے لے آئے گی تو وہ اسے شناخت کر لیں گے۔ پولیس کڑی سے کڑی ملاتی ہوئی ایک ایسی زنجیر تیار کر لے گی جو اس کی گردن میں لپیٹ دی جائے گی۔ اسے یقین سا ہو گیا تھا کہ پولیس یوسف کے قتل کا سراغ لگا لے گی اور پھر سلمان ایڈووکیٹ کے قتل کا سراغ لگانا بھی مشکل نہیں ہو گا۔

ثمینہ کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ بے حس و حرکت کرسی پر بیٹھی سامنے والی دیوار کو گھورتی رہی چونکی تو اس وقت جب دفتر کی مائی کمرے میں داخل ہوئی۔

"ثمینہ بی بی.... میڈم آکو بلا رہی ہیں۔" ماسی نے کہا۔

"اوہ.... اچھا۔" ثمینہ کہتی ہوئی اٹھ گئی لیکن دوسرے ہی لمحہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اگر وہ خود سے نہ بیٹھ جاتی تو یقیناً گر پڑتی۔ وہ کچھ دیر تک بیٹھی اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی پھر اٹھ کر وزیٹرز روم سے نکل گئی۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں اور اس کے لئے چلنا مشکل ہو رہا تھا۔

"یس میڈم!" وہ پرنسپل کے کمرے میں داخل ہو کر میز کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"کیا معاملہ ہے مس ثمینہ۔ یہ پولیس آفیسر کیوں آیا تھا؟" پرنسپل نے اسے گھورا۔

"پتہ نہیں میڈم۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں گھر جا رہی ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔

"مس ثمینہ!" پرنسپل نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ تمہارا کوئی ذاتی معاملہ ہے تو اس میں کالج کا نام نہیں آنا چاہئے۔ میں کالج کی بدنامی کسی صورت بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ تمہیں وضاحت کرنی ہو گی کہ یہ سب کیا قصہ ہے۔"

"یس میڈم۔" ثمینہ نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں کل آپ کو بتا دوں گی۔ اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں گھر جا رہی ہوں۔"

ثمینہ پرنسپل کے دفتر سے نکل کر اسٹاف روم میں آ گئی۔ اس وقت نائلہ اسٹاف روم سے نکل رہی تھی۔ ثمینہ کو دیکھ کر رک گئی۔

"کیا ہوا ثمینہ' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" نائلہ اس کی حالت دیکھ کر چونک گئی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" ثمینہ نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا۔

"یہ پولیس آفیسر کیوں آیا تھا؟" اب کیا کہہ رہا تھا یہ؟" نائلہ نے پوچھا۔

"وہی قصہ ہے۔ پولیس یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ میرا رجسٹر اور کتابیں منشیات کے اس اڈے تک کیسے پہنچی تھیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"تو پھر.... تم نے کیا کہا؟" نائلہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کہتی کیا۔" ثمینہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "وہی جو پہلے کہا تھا۔ لیکن پولیس والے اس کہانی کے بجائے کچھ اور سننا چاہتے ہیں۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ کسی وکیل سے بات کر لی جائے لیکن تم نے معاملے کو معمولی سمجھ کر ٹال دیا۔ تمہارے ڈیڈی آئے بھی تو تم نے بات نہیں کی۔ تم نے تو سنا ہے مکان بھی تبدیل کر لیا ہے۔ کہاں چلی گئی ہو؟" نائلہ نے کہا۔

"کل بتاؤں گی۔ اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ گھر جا رہی ہوں۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے اپنی الماری سے اپنی چیزیں نکالیں۔ چادر اوڑھی اور اسٹاف روم سے نکل گئی۔

کالج کے گیٹ سے نکل کر اس نے محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر ایک طرف چلنے لگی۔ اس کے قدموں میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ تقریباً دو فرلانگ تک پیدل چلتی رہی اور بار بار پیچھے مڑ کر اور ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ وہ اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ پھر وہ ایک تانگے پر بیٹھ کر کچہری بازار کے بیرونی چوک پر اتر گئی۔ اور ادھر ادھر دیکھتی ہوئی کچہری بازار میں داخل ہو گئی۔ اب اس کی خود اعتمادی کسی حد تک لوٹ آئی تھی اور اس نے اپنی وحشت پر بھی بڑی حد تک قابو پا لیا تھا۔

گھنٹہ گھر کے چوک پر پہنچ کر وہ ایک لمحہ کو رکی اور کارخانہ بازار میں داخل ہو گئی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا کر چلتی ہوئی بازار کے چوک پر آ گئی۔ تیز دھوپ میں چلتے ہوئے اس کا لباس پسینے میں شرابور ہو چکا تھا لیکن یہ سب کچھ اس نے محض اس لئے کیا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب کرتا ہوا اس کے گھر تک نہ پہنچ جائے۔ کالج سے نکلتے ہوئے اسے شبہ تھا کہ سادہ لباس میں کوئی پولیس والا اس

کی نگرانی نہ کر رہا ہو۔ لیکن اس کا شبہ بے بنیاد نکلا۔ اتنا لمبا چکر کاٹنے کے بعد اسے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جس پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکتا۔

چوک پر آنے کے بعد وہ ایک خالی تانگے پر بیٹھ گئی۔ تانگے والا طارق آباد کی آوازیں لگا رہا تھا۔

"بابا مجھے جلدی جانا ہے سالم تانگہ لے چلو۔" ثمینہ نے تانگے والے سے کہا۔

کوچوان تانگے پر بیٹھ گیا اور اس نے گھوڑے کو ہانک دیا۔

ثمینہ طارق آباد کا اوورہیڈ برج شروع ہوتے ہی تانگے سے اتر گئی۔ اس نے ہینڈ بیگ میں سے پیسے نکال کر تانگے والے کو دیئے اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے چلنے لگی حالانکہ اسے سیدھا جانا تھا لیکن وہ بنگلوں کے درمیان ایک گلی میں اتر گئی۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلنے لگی۔ دو تین گلیاں گھوم کر وہ مخالف سمت سے اپنی کوٹھی والی گلی میں داخل ہو گئی۔ کوٹھی کے سامنے پہنچ کر وہ رکی۔ محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ اتفاق سے اس وقت گلی میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ہینڈ بیگ میں سے چابیوں کا گچھا نکال کر ایک چابی منتخب کی۔ گیٹ کھولا اور اندر داخل ہو کر گیٹ بند کر دیا۔ برآمدے میں پہنچ کر اس نے ایک بار پھر گچھے میں سے ایک چابی منتخب کی۔ تالا کھولا اور دروازے میں داخل ہو کر دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔

ثمینہ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیزیں راہداری ہی میں پھینک دیں۔ چادر بھی اتار کر پھینک دی اور دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں جا کر پلنگ پر گر گئی۔ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ دیر تک پلنگ پر بے سدھ پڑی روتی رہی۔ اس طرح رو لینے سے اس کے دل کا بوجھ کسی حد تک ہلکا ہو گیا لیکن دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ صورت حال واقعی سنگین ہو گئی تھی۔ اگر کوئی چھوٹی موٹی بات ہوتی تو وہ حالات کا مقابلہ کر سکتی تھی لیکن معاملہ قتل کا تھا۔ ایک نہیں بلکہ دو قتل.... قتل کی ان دونوں وارداتوں میں اگرچہ وہ براہ راست ملوث نہیں تھی لیکن وہ شریک جرم ضرور تھی۔ سلمان ایڈووکیٹ کو وہ ہوٹل سے بلا کر لائی تھی اور ویران اور زیر تعمیر مکان میں لے جا کر اسے قتل شارق نے کیا تھا۔ اس طرح وہ بھی سلمان کے قتل میں شریک ہو گئی تھی۔ مکینک یوسف نے اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اصولی طور پر ہونا تو چاہئے تھا کہ وہ یوسف کے خلاف پولیس سے مدد طلب کرتی۔ پولیس اسے گرفتار کر کے عدالت میں پیش کرتی اور عدالت اسے سزا دیتی لیکن اس طرح خود بھی پھنس جاتی۔ اس سے یہ ضرور پوچھا جاتا کہ یوسف اسے کس بنا پر بلیک میل کر رہا تھا۔

اسے وہ سب کچھ بتانا پڑتا جو وہ نہیں بتانا چاہتی تھی۔ اسی لئے اس نے نولکھا سے یوسف کی شکایت کر دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ یوسف کو تھوڑی بہت سزا دے کر چھوڑ دے گا لیکن نولکھا اور شارق نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ نولکھا نے بھی یوسف کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ اور اس پولیس آفیسر نے بھی کچھ انکشافات کئے تھے۔ وہ جرائم پیشہ تھا۔ بلیک میلر تھا لیکن اسے سزا دینے کا حق صرف اور صرف قانون کو تھا۔

یوسف کے قتل میں ثمینہ کا براہ راست کوئی تعلق نہ سہی لیکن پولیس کو اس پر شبہ ہو گیا تھا کہ یوسف اسے بلیک میل کر رہا تھا۔ اس پر قاتل ہونے کا شبہ نہ سہی لیکن پولیس اس سے معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ پولیس کا طریقہ کار اب کسی حد تک اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ اتنے مضبوط اعصاب کی مالک نہیں تھی کہ پولیس کے چند سوالوں کا بھی مقابلہ کر سکتی۔

وہ کیا کرے؟ کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اس کا ذہن ماؤف ہوا جا رہا تھا۔ پلنگ پر پڑے پڑے اس نے سر اٹھا کر دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ چار بجنے والے تھے۔ اسے پیٹ میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ صبح ناشتے میں اس نے ڈبل روٹی کا صرف ایک سلائس کھایا تھا اور اب بھوک کی شدت سے وہ پیٹ میں اینٹھن سی محسوس کر رہی تھی۔

اس نے کروٹ بدل لی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ وہ لاہور چلی جائی اور اپنے باپ کو سب کچھ بتا دے۔ اس کے باپ کے بعض بڑے لوگوں سے تعلقات تھے۔ ممکن ہی وہ اس کی کوئی مدد کر سکیں لیکن پھر اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ معاملہ قتل کا تھا۔ باپ کے تعلقات اس کے کسی کام نہیں آ سکتے تھے اور جب شارق سے اس کا تعلق ثابت ہو گیا تو بات بہت آگے نکل جائے گی۔ شارق نے اسے اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ وہ اسلحے اور ہیروئن کا اسمگلر تھا۔ ممکن ہے اس کے کھاتے میں دو چار قتل بھی ہوں۔ اس سے ثمینہ کا تعلق ثابت ہونے کے بعد اسے بھی ہر جرم میں اس کا شریک سمجھا جائے گا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ پولیس کے چکر میں ایک مرتبہ پھنس جانے کے بعد وہ اس سے نکل نہیں سکتی تھی۔ شارق نے بھی اپنے بارے میں نئی سب کچھ بتایا تھا۔ سب سے پہلے اسے بھی جرم بے گناہی کی سزا بھگتنا پڑی تھی۔ اس کے بعد اس نے شرافت کی زندگی بسر کرنا چاہی تھی لیکن پولیس نے اسے جرائم کی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔

ثمینہ کو بچاؤ کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ فرار! اس کے لئے یہی ایک راستہ باقی بچا تھا۔ اس کے سوا بچاؤ کی اور کوئی ترکیب نہیں تھی۔

یہ خیال آتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ فرار کے ساتھ ہی اسے ایک اور خیال

ی آیا تھا۔ راہ فرار اختیار کرنے کے بعد اسے اپنے ماں باپ اور بہن بھائی ہر ایک سے محروم ہونا ہے گا۔

وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ صبح کی ڈبل روٹی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے چائے بنائی اور ڈبل ٹی کے دو تین سلائس کھا لئے۔ پیٹ بھرنے کے بعد دماغ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو وہ ر بار پھر صورت حال کا جائزہ لینے لگی اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچی کہ اس کے سامنے صرف فرار کا راستہ بچا تھا۔ اس نے ہر پہلو پر غور کر لیا تھا۔ شارق سے پہلی ملاقات کے بعد وہ جس طرح نتہ طور پر جرائم کی دلدل میں دھنستی چلی گئی تھی ان حالات کے پیش نظر اس کے بچاؤ کا کوئی ہ نہیں رہا تھا۔ کوئی بھی اس کی بے گناہی پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہو گا۔ اسی لئے اس نے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن پھر دفعتاً ایک اور خیال نے اسے چونکا دیا۔ وہ جائے گی کہاں؟

اس سوال نے اسے پریشان کر دیا۔ یہ واقعی اس کے لئے اہم مسئلہ تھا۔ اپنے کسی جاننے ے کے ہاں وہ نہیں جا سکتی تھی۔ اسے ہر جگہ تلاش کر لیا جائے گا۔ اس کے سامنے صرف ایک ہم تھا۔ ایک ہی چہرہ تھا جو ایسی صورت میں اسے پناہ دے سکتا تھا۔ شارق ہی ایک ایسا آدمی تھا کے پاس اسے پناہ مل سکتی تھی۔ یہ کوٹھی بھی شارق ہی نے اس کے لئے کرائے پر حاصل کی لیکن وہ یہاں نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کوٹھی کے بارے میں اگرچہ کسی کو علم نہیں تھا لیکن ں زیادہ سے زیادہ دو تین روز میں اس کا سراغ لگا لے گی۔ لیکن مسئلہ تو یہ تھا کہ اسے شارق ور کا پتہ معلوم نہیں تھا۔ اس نے کبھی اپنا پتہ نہیں بتایا تھا البتہ ایک مرتبہ شارق نے بتایا تھا ہ لاہور میں مزنگ میں رہتا ہے لیکن مزنگ کوئی چھوٹی جگہ نہیں تھی کہ اسے آسانی سے کیا جا سکتا۔ وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ شارق نے وہ کون سا نام بتایا تھا جس نے ں منشیات کا اڈہ قائم کر رکھا تھا۔ بڑا عجیب سا نام تھا۔ کچھ دیر ذہن پر زور دینے کے بعد ہ نام یاد آ گیا.... چھانگا.... وہ منشیات کا اسمگلر تھا۔ اس قسم کے لوگ خاصے بدنام ہوتے ہیں ں علاقے میں وہ رہتے ہیں وہاں کا بچہ بچہ ان سے واقف ہوتا ہے۔

ایک حتمی فیصلے پر پہنچنے کے بعد ثمینہ کو اطمینان سا ہوا۔ اس نے طے کر لیا کہ وہ آج ہی ی جائے گی اور مزنگ پہنچ کر شارق کو تلاش کر لے گی۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد اس نے کی تیاری شروع کر دی۔ وہ اپنے ساتھ کوئی چیز نہیں لے جا سکتی تھی۔ چند جوڑے کپڑے ہی ضرورت کی چند دوسری چیزیں اس موقع پر اس کا ساتھ دے سکتی تھیں۔

م ہو گئی تھی۔ ثمینہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ اس وقت روانہ ہوئی تو رات کے دس بجے ہ لاہور نہیں پہنچ سکے گی اور پھر شارق کا ٹھکانہ تلاش کرنے میں بھی وقت لگے گا۔ رات

کو اکیلی عورت سڑک پر گھومتی رہے تو ویسے ہی غنڈے اور بدمعاش اس کا پیچھا شروع کر دیتے ہیں' نہیں اس وقت جانا مناسب نہیں ہو گا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ صبح سویرے روانہ ہو جائے گی۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ مطمئن سی ہو گئی اور کچن میں جا کر کھانا پکانے کی تیاری کرنے لگی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ کھانا کھانے بیٹھی ہی تھی کہ کال بیل کی آواز سن کر اچھل پڑی۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرا گئے۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس گھر کے بارے میں کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ اس نے نائلہ کو بھی نہیں بتایا تھا۔ تو کیا پولیس نے اس کا پتہ لگا لیا تھا؟

کال بیل ایک بار پھر بجائی گئی اور اس کے ساتھ ہی گیٹ زور زور سے دھڑدھڑایا جانے لگا۔ یہ انداز پولیس ہی کا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر راہداری میں ہوتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی اور بتی جلائے بغیر کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکنے لگی۔ گیٹ پر تاریکی تھی اس لئے کچھ نظر نہیں آ سکا۔ اسی لمحہ ایک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"بیگم صاحب.... اللہ کے نام پر... بچا کھچا کھانا دے دو.... میرے بچے بھوکے ہیں آپ کو دعائیں دیں گے۔"

اس صدا کے ساتھ ہی گیٹ ایک بار پھر کھٹکھٹایا گیا۔ ثمینہ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ کوئی بھکاری تھا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ اس کا دل اب بھی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔ یہ کوئی طریقہ ہے مانگنے کا۔ تنگ کر رکھا ہے تم لوگوں نے۔" وہ گیٹ کھول کر بولی۔ اس کے سامنے ایک دراز قامت ملنگ کھڑا تھا۔ گنجا سر اور ٹخنوں تک لمبا چوغہ۔

"ثمینہ بی بی۔" ملنگ نے سرگوشی کی۔ "مجھے نولکھا نے بھیجا ہے۔ پولیس کو شبہ ہو گیا ہے' لوگ آپ کا سراغ لگا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے پولیس آج رات آپ کی گرفتاری کے لئے یہاں چھاپہ مار دے۔ آپ دس بجے تک تیار ہو جائیں۔ نولکھا آپ کو لینے کے لئے پہنچ جائے گا۔"

"میں تیار ملوں گی لیکن جانا کہاں ہو گا؟" ثمینہ نے سرگوشی میں پوچھا۔

"یہ تو پتہ نہیں جی لیکن آپ تیار رہئے۔" ملنگ نے کہا اور بائیں طرف سے دو آدمیوں کو آتے دیکھ کر حق اللہ کی آوازیں لگانے لگا۔

"معاف کرو بابا۔ تم لوگوں نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے۔" ثمینہ نے اونچی آواز میں کہا اور دھڑ سے گیٹ بند کر دیا۔

برآمدے میں پہنچ کر ثمینہ نے مڑ کر دیکھا۔ ملنگ جا چکا تھا۔ اس نے راہداری میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا اور کمرے میں آ کر کھانا کھانے لگی۔ ابھی نو بجنے والے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ باقی

تھا۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے نولکھا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ نولکھا نے جس طرح اطلاع بھجوائی تھی اس سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ اس سے بے خبر نہیں تھا۔

کھانا کھانے کے بعد اس نے برتن اٹھا کر کچن میں رکھ دیئے اور نولکھا کا انتظار کرنے لگی۔ ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ہر آہٹ پر چونک پڑتی۔ اسے یہ بھی اندیشہ تھا کہ نولکھا سے پہلے پولیس یہاں نہ پہنچ جائے۔ نولکھا نے اسے غلط اطلاع نہیں بھجوائی ہو گی۔ پولیس نے اس کوٹھی کا سراغ لگا لیا ہو گا۔ اور عین ممکن ہے پولیس کو اس کے خلاف کوئی اور ثبوت بھی مل گیا ہو اور پولیس آج رات یہاں چھاپہ مارنے والی ہو۔

وہ اپنے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ گئی اور کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکنے لگی۔ کبھی وہ اپنے کمرے میں آ جاتی اور کبھی کسی بھٹکی ہوئی روح کی طرح کوٹھی کے دوسرے کمروں میں گھومنے لگتی۔ ایک عجیب سی بے چینی بھری ہوئی تھی اس میں۔ جب سے ملنگ نے آ کر اسے اطلاع دی تھی اسی وقت سے وہ اور پریشان ہو گئی تھی۔

دس بج گئے۔ نولکھا نہیں آیا۔ اس کی بے چینی بڑھتی گئی۔ دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ سوا دس بج گئے۔ کوئی گاڑی گیٹ کے سامنے آ کر رکی تو وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ چند سیکنڈ بعد ہی کال بیل چیخ اٹھی۔ ثمینہ کو اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کھڑکی کے سامنے سے ہٹ کر دروازے کے قریب آ گئی۔

چند لمحے سوچنے کی بعد اس نے دروازہ کھول دیا اور باہر آ گئی۔ کمرے میں بند رہ کر یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ باہر کون ہے۔ اس لئے اسے مجبوراً باہر آنا پڑا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی گیٹ کے قریب پہنچ گئی۔ گیٹ کے باہر نولکھا کھڑا تھا۔

"ثمینہ بی بی۔" نولکھا کی سرگوشی سنائی دی۔ "تیار ہو کر جلدی سے آ جاؤ میں یہاں انتظار کر رہا ہوں۔"

"میں تیار ہوں' ابھی آ رہی ہوں۔" ثمینہ کہتی ہوئی تیزی سے مڑ گئی۔ کمرے میں آ کر اس نے اپنا اٹیچی کیس اٹھایا اور ہر چیز پر الوداعی نظر ڈالتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے تمام بتیاں بجھا دی تھیں۔ دروازے کو تالا لگانے لگی۔ جب وہ تالا لگا کر گاڑی کے قریب آئی تو نولکھا اگلی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا ثمینہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

وہ ایک پرائیویٹ کار تھی۔ ثمینہ کے بیٹھتے ہی کار حرکت میں آ گئی۔ ڈرائیور کو شاید پہلے ہی معلوم تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے اس لئے نہ تو نولکھا نے کچھ بتایا تھا اور نہ ہی ڈرائیور نے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ کار مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی لاری اڈے کے سامنے سے

ہوتی ہوئی نشاط آباد ریلوے پھاٹک عبور کر کے رک گئی۔ یہاں چھوٹی چھوٹی کئی دوکانیں تھ
ہوٹل تھے' پھلوں کے اور مختلف چیزوں کے ٹھیلے تھے' خاصی چہل پہل تھی۔ کار پھاٹک
ذرا آگے رکی تھی۔ ڈرائیور نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ ثمینہ اور نولکھا کار ہی میں بیٹھے رہے۔
نے چادر لپیٹ رکھی تھی اور اس کا چہرہ بھی چادر میں چھپا ہوا تھا۔ نولکھا نے بھی سر پر ایک
کپڑا اس طرح رکھا ہوا تھا کہ کپڑے کا ایک پلو اس کے چہرے پر گرا ہوا تھا اور اس کا چہ
تقریباً چھپ گیا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ایک فلائنگ کوچ کار سے چند گز پیچھے آ کر رکی۔ کار کے ڈرائیور
جھک کر نولکھا سے کچھ کہا۔ نولکھا ثمینہ کا اٹیچی کیس اٹھا کر کار سے اتر گیا۔ ثمینہ بھی دروازہ کھ
کر نیچے آ گئی اور وہ دونوں فلائنگ کوچ کی طرف آ گئے۔ کار کا ڈرائیور وہیں کھڑا رہا تھا۔

نولکھا نے فلائنگ کوچ کے کنڈکٹر سے کچھ کہا۔ جیب سے ٹکٹ نکال کر دکھایا۔ کنڈکٹر
خالی سیٹوں کی طرف اشارہ کیا۔ ان کے بیٹھتے ہی فلائنگ کوچ حرکت میں آ گئی۔

ان کا اٹیچی کیس چھت پر رکھ دیا گیا۔ ثمینہ کھڑکی کی طرف بیٹھی تھی۔ نولکھا نے اس فلا
کوچ کے ٹکٹ پہلے ہی سے منگوا لئے تھے اور یہی کہا گیا تھا کہ وہ لوگ نشاط آباد ریلوے پھا
سے فلائنگ کوچ میں بیٹھیں گے۔ یہ فلائنگ کوچ انہی کے لئے یہاں رکی تھی اور ان کے بیٹھنے
حرکت میں آ گئی تھی۔

فلائنگ کوچ کی تمام سیٹیں بھری ہوئی تھیں۔ فلائنگ کوچ کہیں رکے بغیر چلتی رہی۔

رات ایک بجے لاہور ریلوے اسٹیشن کے سامنے ایک ہوٹل کی عمارت کی قریب فلائنگ
رک گئی۔ یہاں متعدد ہوٹل تھے اور ہر ہوٹل کے سامنے مختلف شہروں کو جانے والی فلائنگ
کے اڈے بھی قائم تھے۔ یہاں تانگوں' رکشوں اور ٹیکسیوں کی بھی بھرمار تھی۔ رکشہ اور
ڈرائیور کوچ سے اترنے والے مسافروں کو گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ نولکھا' ثمینہ کا س
کیس اٹھائے ایک ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ ثمینہ بھی اس کے پیچھے ہی تھی۔ اس نے اپنے جسم
چادر کو کچھ اور بھی لپیٹ لیا تھا۔

ٹیکسی میں بھی نولکھا آگے والی سیٹ پر ہی بیٹھا تھا۔ ثمینہ پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ڈرا
نے بھی اپنی سیٹ سنبھال لی۔

"کہاں چلنا ہی جی؟" اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"چوبرجی۔" نولکھا نے مختصر سا جواب دیا۔

ثمینہ کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ چوبرجی چوک کے ساتھ سرکاری کوارٹرز

اور ثمینہ کے والد کا مکان بھی اسی کالونی میں تھا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر اس نے دل کو تسلی دی کہ انہیں چوبرجی کے علاقے میں پتہ نہیں کہاں جانا ہو گا۔ اور پھر رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس وقت بھلا اسے کون دیکھے گا۔

ٹیکسی مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی چوبرجی چوک پر پہنچ گئی۔ نولکھا ڈرائیور کو راستہ بتانے لگا اور جب ٹیکسی چوبرجی کوارٹرز کالونی کے گیٹ میں داخل ہوئی تو ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ٹیکسی کوارٹرز کی چوتھی لین کے قریب رک گئی۔ نولکھا نے ڈرائیور کو پیسے دیئے اور نیچے اتر آیا۔ ثمینہ بھی نیچے آ گئی۔ اس وقت اگرچہ ہر طرف سناٹا تھا لیکن اس نے چادر کو پوری طرح لپیٹ رکھا تھا صرف ایک آنکھ کھلی تھی۔ اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ساتویں لین میں اس کے والد کا کوارٹر تھا۔

"چلو ثمینہ بی بی یہاں میری پھوپھی زاد بہن رہتی ہے۔ آج کی رات ہمیں یہیں گزارنی پڑے گی۔ صبح شارق کے ڈیرے پر جا کر اس کا پتہ کروں گا۔" نولکھا نے کہا۔

"یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟" ثمینہ نے کہا اس کے لہجے میں ہلکا سا خوف تھا۔

"یہاں میری پھوپھی زاد بہن رہتی ہے۔ گھبراؤ نہیں' آؤ میرے ساتھ....." نولکھا نے کہتے ہوئے اس کا سوٹ کیس اٹھا لیا۔

"یہ...یہاں میرے والدین بھی رہتے ہیں۔ ساتویں لین میں ان کا کوارٹر ہے۔ اگر انہیں میرے بارے میں پتہ چل گیا تو قیامت آ جائے گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"اوہ۔" نولکھا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "یہ تو واقعی گڑبڑ ہو گئی۔ لیکن رات تو یہیں گزارنی پڑے گی ہم صبح سویرے ہی یہاں سے نکل چلیں گے۔"

ثمینہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔ نولکھا اسی لین میں ایک کوارٹر کے سامنے رک گیا اور دروازے پر کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ دروازہ دوسری مرتبہ گھنٹی بجانے کے بعد ہی کھلا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا جو دھوتی اور بنیان پہنے ہوئے تھا۔

"ارے نولکھا تم..... یہ..... یہ کون ہے؟" وہ شخص باری باری دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ میری بہن ہے بھائی صاحب۔" نولکھا آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "رات یہاں رہنا ہے۔ صبح اپنے گھر چلی جائے گی۔ کلثوم کہاں ہے؟"

"وہ سو رہی ہے' آؤ..... اندر آ جاؤ۔" اس شخص نے کہا۔

وہ لوگ اندر آ گئے..... نولکھا کی پھوپھی زاد بہن کلثوم بھی جاگ گئی تھی۔ وہ ثمینہ کی شکل دیکھتے ہی چونک گئی۔ ثمینہ اسی محلے کی تو رہنے والی تھی۔ کالونی کے لوگ ایک دوسرے کو جانتے

پہچانتے تھے۔ کلثوم نے بھی ثمینہ کو پہچان لیا تھا اور ثمینہ بھی اسے پہچان گئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی ثمینہ کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔

"یہ..... شفاعت علی کی بیٹی....." اس نے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو فیصل آباد میں استانی ہے۔ تو اسے بھگا کر تو نہیں لایا نولکھے؟"

"او نہیں بہن کلثوم۔" نولکھا نے کہا۔ "اسے میری بہن ہی سمجھو۔ بیچاری ایک مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ اس کے ماں باپ کا گھر بھی یہیں ہے تو اسے کبھی بھی یہاں لے کر نہ آتا لیکن اب..... کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ یہ یہاں ہے۔ میں اسے کل دن میں کسی وقت یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"تو کیا یہ اپنے ماں باپ کے پاس نہیں جائے گی؟" کلثوم کے شوہر ناصر نے کہا اس کے لہجے میں حیرت بھی تھی اور پریشانی بھی۔

"نہیں۔" نولکھا نے کہا۔ "میں نے ابھی کہا ہے نا کہ کسی کو اس کے بارے میں خبر بھی نہیں ہونی چاہئے۔ میری بات سمجھ گئے نا تم دونوں؟"

"لیکن اگر کسی ہمسائی نے دیکھ لیا تو؟" کلثوم بولی۔

"اگر گھر میں کوئی بھی آ جائے تو اسے دوسرے کمرے میں چھپا دینا۔" نولکھا بولا۔

"ہمیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دینا نولکھے۔" ناصر نے کہا۔

"او کچھ نہیں ہوتا۔" نولکھا نے کہا پھر کلثوم کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "اب اس کے سونے کا بندوبست کرو۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ نیند آ رہی ہے۔"

کلثوم نے ایک کمرے میں ثمینہ کے لئے بستر لگا دیا۔ نولکھا چادر لے کر بیٹھک میں دری پر سو گیا۔ ثمینہ اپنے بستر پر لیٹی تھی۔ اس کے آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔ صوت حال نے اچانک ہی ایک نیا موڑ لیا تھا۔ وہ اپنے گھر سے کس قدر قریب تھی۔ لیکن گھر نہیں جا سکتی تھی۔ چند گز کا یہ فاصلہ میلوں پر محیط ہو گیا تھا۔ وہ بار بار کلثوم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اگر اس نے صبح ہوتے ہی اس کے گھر والوں کو جا کر بتا دیا تو وہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ وہ ایک غیر مرد کے ساتھ رات کو سفر کر کے کیوں آئی تھی اور پھر رات کو گھر آنے کی بجائے کسی اور کے گھر میں کیوں رہی تھی؟ وہ کبھی یہ سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دیتی کہ نولکھا کے ڈر سے کلثوم اس کے بارے میں فی الحال اپنی زبان بند رکھے گی لیکن جب وہ یہاں سے چلی جائے گی تو وہ یقیناً محلے بھر میں بتاتی پھرے گی کہ ثمینہ رات کو اس کے گھر آ کر رہی تھی اور اگر کلثوم نے خود ہی اس سے پوچھ لیا کہ وہ نولکھا کو کیسے جانتی ہے اور رات اپنے گھر

جانے کے بجائے یہاں کیوں رہی ہے اور یہ کہ وہ اپنے آپ کو اپنے ماں باپ سے کیوں چھپانا چاہتی ہے تو وہ کیا جواب دے گی۔

عجیب سی صورت حال ہو گئی تھی۔ کبھی اس کا دل چاہتا کہ خاموشی سے یہاں سے نکل جائے اور جا کر اپنے باپ کو سب کچھ بتا دے لیکن ہر بار وہ اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیتی تھی۔ وہ ایک انتہائی قدم اٹھا چکی تھی۔ اس کے دامن پر بے ثمار دھبے لگ چکے تھے۔ پولیس اس کے پیچھے لگ گئی تھی۔ ممکن ہے اس کے بعد فیصل آباد میں پولیس نے اس کے مکان پر چھاپہ مارا ہو اور اس کی باقاعدہ تلاش شروع ہو گئی ہو۔ ایسی صورت میں وہ اپنے گھر نہیں جا سکتی تھی۔ فیصل آباد میں اس کی تلاش میں ناکامی کے بعد پولیس اس کے گھر والوں سے رابطہ قائم کرے گی اور جب اس کے ماں باپ کو پتہ چلے گا کہ وہ پولیس کو مطلوب ہے تو ان کا کیا حال ہو گا۔ وہ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ محلے والے اس کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ کیا اس کے ماں باپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہیں گے؟ اب یہ سب کچھ سوچنے کا وقت نہیں رہا تھا۔ وہ اپنی اور ماں باپ کی عزت کو داؤ پر لگا چکی تھی۔ واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ ثمینہ بستر پر لیٹی تاریکی میں گھورتی رہی اور بالآخر رات کا اندھیرا چھٹنے لگا۔ کھڑکی سے دن کا مدھم سا اجالا جھلکنے لگا۔ دن کی روشنی بتدریج واضح ہوتی چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد گھر میں چلنے پھرنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ گھسٹتے ہوئے قدموں کی آواز دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ وہ کلثوم تھی جو کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑی اس طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے جاگتے دیکھ کر کلثوم کمرے میں آ گئی۔

"میرا خیال ہے تمہیں رات کو نیند نہیں آئی۔" وہ چارپائی کی پٹی پر بیٹھ گئی۔

"ہاں، مجھے نیند نہیں آئی۔" ثمینہ نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"تم نولکھے کو کیسے جانتی ہو؟" کلثوم نے سرگوشی کی۔ "یہ میرا بھائی ضرور ہے مگر اس کے عادات اچھے نہیں ہیں۔ ہیروئن بیچتا ہے۔ تم اس کے جال میں کیسے پھنس گئیں، کیا یہ تمہیں بھگا کر لایا ہے۔ کوئی دھمکی دے کر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے؟"

"نہیں۔" ثمینہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میں کسی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ یہ تو مجھے بچا کر لایا ہے۔ میرے ساتھ اس نے کوئی زیادتی نہیں کی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"تو پھر اپنے گھر چلی جا۔" کلثوم نے کہا۔ "تمہارے ماں باپ کو جب پتہ چلے گا کہ تم یہاں تھیں تو وہ کیا سوچیں گے۔"

"نہیں نہیں۔ خدا کے لئے انہیں مت بتانا۔ کسی کو مت بتانا کہ میں یہاں ہوں۔ کسی کو پتہ

نہیں چلنا چاہئے۔" ثمینہ نے کہا۔

"عجیب لڑکی ہو تم؟" کلثوم اسے گھورنے لگی۔

"تم نہیں جانتیں کہ میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔ "جب تک اس مصیبت سے نہیں نکل جاتی اپنے ماں باپ کا سامنا نہیں کر سکتی۔"

"تم اپنے ماں باپ کو بتا کیوں نہیں دیتیں۔ آخر ایسی کیا مصیبت ٹوٹ پڑی ہے تم پر۔" کلثوم نے کہا۔

"میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ کسی کو کچھ نہیں بتا سکتی۔ بس تم مجھ پر یہ احسان کرو کہ کسی کو یہاں میری موجودگی کا پتہ نہ چلے۔" ثمینہ نے کہا۔

کلثوم چند لمحے اسے گھورتی رہی پھر مزید کچھ کہے بغیر اٹھ کر چلی گئی۔ ثمینہ چارپائی پر لیٹی رہی۔ کچھ دیر بعد کلثوم کا شوہر اور نولکھا بھی جاگ گئے۔ ثمینہ ان کی آوازیں سنتی رہی مگر اس کے کمرے میں کوئی نہیں آیا تھا۔ کلثوم کا شوہر تیار ہو کر دفتر چلا گیا تو اس کے کچھ دیر بعد نولکھا کمرے میں آ گیا۔

"ثمینہ بی بی۔" وہ اس کی چارپائی کے قریب رک کر بولا۔ "میں شارق باؤ کا پتہ کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے کلثوم کو سمجھا دیا ہے۔ تم اٹھ کر کچھ کھا پی لو اور اپنا خیال رکھنا۔"

"کب تک واپس آؤ گے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"اگر شارق باؤ چھانگے کے ڈیرے پر مل گیا تو میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔ ورنہ ہو سکتا ہے اسے تلاش کرنے میں کچھ دیر ہو جائے۔ تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ کلثوم تمہارا خیال رکھے گی۔" نولکھا کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔

نولکھا کے جانے کے بعد بھی ثمینہ دیر تک بستر پر لیٹی رہی پھر اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور باورچی خانے ہی میں کلثوم کے پاس بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔ ناشتے کے بعد وہ پھر اسی کمرے میں آ گئی۔ کلثوم گھر کے کام کاج میں مصروف ہو گئی۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ ثمینہ جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی لیکن نولکھا کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ اسے گئے ہوئے تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ اس وقت کلثوم، ثمینہ کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی کہ باہر کا دروازہ کھٹ کھٹایا گیا۔

"تم یہ دروازہ اندر سے بند کر لو۔ میں دیکھتی ہوں کون ہے۔" کلثوم کہتی ہوئی اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ ثمینہ نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا اور وہیں کھڑی ہو کر دروازے کی جھری سے جھانکنے لگی۔ وہ محلے ہی کی کوئی عورت تھی۔ ثمینہ اسے جانتی تھی اور ان کے گھر میں بھی اس

آنا جانا تھا۔

وہ عورت تقریباً ایک گھنٹے تک کلثوم کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی اور جب وہ چلی گئی تو ثمینہ نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

دوپہر ڈھلنے لگی۔ نولکھا ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ ثمینہ کے دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ ایک مرتبہ پھر اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ اپنے گھر چلی جائے۔ ماں اس وقت اکیلی ہو گی۔ وہ ماں کو سب کچھ بتا دے شاید بہتری کا کوئی راستہ نکل آئے لیکن ان بھیانک خیالات نے ایک بار پھر پیروں میں زنجیریں ڈال دیں کہ پولیس اس کے گھر پہنچ جائے گی اور وہ اپنے بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکے گی۔

ساڑھے پانچ بجے کے قریب کوئی گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ کچھ ہی دیر بعد کال بیل بجائی گئی۔ ثمینہ نے کمرے میں داخل ہو کر دراوزہ بند کر لیا۔ کلثوم نے باہر کا دروازہ کھولا۔ وہ نولکھا تھا۔ ثمینہ نے اسے دیکھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

"ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے اس کے قریب آ کر کہا۔ "میں نے شارق باؤ کا پتہ چلا لیا ہے۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں ٹیکسی لے کر آیا ہوں۔"

ثمینہ کو تیاری کیا کرنی تھی۔ اس نے چادر اٹھا کر اس طرح اوڑھ لی کہ اس کا چہرہ بھی چھپ گیا۔ نولکھا نے کلثوم کو ایک بار پھر سمجھا دیا کہ اس کی یا ناصر کی زبان پر ثمینہ کا نام نہیں آنا چاہئے پھر وہ ثمینہ کا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔ ثمینہ چادر لپیٹ کر دروازے سے باہر نکلی۔ سامنے والے کوارٹر کے دروازے میں کھڑی ہوئی ایک عورت اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ٹیکسی دروازے کے بالکل سامنے کھڑی تھی ثمینہ جلدی سے آگے بڑھی اور دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

اس وقت لوگ دفتروں سے واپس آ رہے تھے کالونی کے گیٹ والی سڑک پر لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ گیٹ کے باہر کی طرف پھلوں کے دو تین ٹھیلے بھی کھڑے تھے۔ ٹیکسی جیسے ہی گیٹ پر پہنچی باہر والی سڑک سے ایک موٹر سائیکل گیٹ کی طرف مڑی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے موٹر سائیکل کو بچانے کے لئے ایک دم بریک لگا دیا۔ ثمینہ کو ایک زور دار جھٹکا لگا اور چادر اس کے سر سے اتر گئی....

موٹر سائیکل کی ٹکر ہونے سے بچ گئی تھی۔ موٹر سائیکل سوار نے گھور کر ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھا پھر اس کی نظریں نولکھا کے چہرے سے پھسلتی ہوئی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ثمینہ کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ ثمینہ کی نظریں بھی موٹر سائیکل سوار کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کا

دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ کوشش کے باوجود اپنی نظریں اس شخص کے چہرے سے نہیں ہٹا سکی تھی۔ وہ موٹر سائیکل سوار اس کا باپ شفاعت علی تھا....!!!

○

شارق، سہیل کے ریسٹورنٹ والے کمرے میں محدود ہو کر رہ گیا تھا شہر میں ایک ہنگامہ سا مچ گیا تھا۔ اس قتل کو بھی پولیس نے منشیات فروشوں کے دو گروہوں کے تصادم کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ پولیس نے کچھ لوگوں کو حراست میں بھی لیا تھا۔ رائے عامہ پولیس کے خلاف ہو گئی تھی۔ سیاسی اور سماجی لیڈروں کے دھواں دار بیانات اخباروں میں چھپ رہے تھے اور پولیس ہی کو ان تمام خرابیوں کی بنیاد قرار دینے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ بعض سیاسی اور سماجی لیڈروں نے کھل کر یہ بیان دیئے تھے کہ یہ تمام بھیانک جرائم پولیس کی سرپرستی میں ہو رہے ہیں۔ پولیس نے اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے پکڑ دھکڑ شروع کر رکھی تھی لیکن پولیس کی گرفت میں وہ لوگ آ رہے تھے جو جیب تراشی اور چھوٹی موٹی چوریوں جیسے جرائم میں ملوث تھے۔ بڑی مچھلیاں ان کے قابو میں نہیں آ رہی تھیں۔ سب لوگ روپوش ہو گئے تھے۔ شارق نے بھی اپنی پناہ گاہ سے باہر آنا مناسب نہیں سمجھا۔ ویسے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ پولیس کی یہ سرگرمی دو تین روز تک جاری رہے گی اور اس کے بعد سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ جائے گا اور پھر خطرے کی کوئی بات نہیں رہے گی۔

تین دن بعد وہ اپنی پناہ گاہ سے نکلا۔ اس کا خیال درست ثابت ہوا تھا۔ پولیس کی سرگرمیاں سرد پڑ گئی تھیں۔ وہ شام کے وقت سہیل کے ریسٹورنٹ سے نکلا اور مزنگ پہنچ گیا۔ گاما اور دو اور آدمی ڈیرے پر موجود تھے۔ ان میں سے ایک کو تو شارق جانتا تھا جبکہ دوسرا اس کے لئے اجنبی تھا۔ شارق گاما کو لے کر الگ چلا گیا۔

"یہ کون ہے؟" شارق نے اس اجنبی کے بارے میں دریافت کیا۔

"یہ شیدا ٹلی والا ہے۔ سیالکوٹ سے آیا ہوا ہے۔ کل سے یہاں بیٹھا ہوا ہے اسے مال چاہئے۔" گاما نے بتایا۔

"تو دے دیتے اسے مال۔ تمہیں تو پتہ ہے کہاں رکھا ہے۔" شارق نے کہا۔

"مجھے پتہ تو ہے لیکن تمہاری اجازت کے بغیر میں اس مال کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔" گاما نے جواب دیا۔

شارق دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ "اسے اچھی طرح جانتے ہو نا؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں، ایک دو مرتبہ چھانگے سے مال لے گیا تھا۔"

"کتنا مال چاہئے اسے؟"

"ایک کلو.... رقم لے کر آیا ہے۔" گاما نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اس سے رقم لے لو۔ میں مال لے کر آتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

گاما اس کمرے میں بیٹھا ہوا تھا جہاں وہ آدمی بیٹھا ہوا تھا اور شارق مزار میں آ گیا۔ اس نے دراوزہ بند کر کے تہہ خانہ کھولا اور قبر کے اندر اتر گیا۔ تہہ خانے میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس نے تمام چیزوں کو چیک کیا۔ کسی چیز کو نہیں چھوا گیا تھا۔ تقریباً دس لاکھ کی رقم بھی الماری کے سب سے نچلے خانے میں موجود تھی۔ مطمئن ہونے کے بعد اس نے ہیروئن کا ایک کلو والا پیکٹ اٹھا کر پلاسٹک کے ایک تھیلے میں لپیٹا اور تہہ خانے سے باہر آ گیا۔

اس نے تھیلی گاما کے حوالے کر دی۔ گاما نے وہ تھیلی شیدا ٹلی کے حوالے کر دی۔

"مال چیک کر لو۔ بعد میں ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہو گی۔"

"کوئی بے اعتباری ہے گامے۔" شیدا ٹلی نے تھیلی لیتے ہوئے کہا۔ "بے اعتباری ہوتی تو کل سے یہاں نہ بیٹھا رہتا۔ یہاں میں اسی لئے آتا ہوں کہ مال کھرا اور پورا ملتا ہے۔"

"تم واپس کب جاؤ گے؟" گاما نے پوچھا۔

"بس یہاں سے سیدھا لاری اڈے ہی جاؤں گا۔" شیدا ٹلی نے جواب دیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد شیدا ٹلی رخصت ہو گیا۔ شارق نے دوسرے آدمی کو چائے لینے کے لئے بھیج دیا۔

"صورت حال کیا ہے؟" شارق نے گامے سے پوچھا۔

"تین دن پہلے ماجھے گجر کا ایک آدمی مارا گیا تھا۔" گاما نے کہا۔ "یہ تو پتہ نہیں چلا کہ اسے کس نے مارا تھا لیکن ماجھا گجر یہ سمجھتا ہے کہ اسے تم نے مارا تھا کیونکہ اس رات تمہیں گوالمنڈی کے علاقے میں دیکھا گیا تھا۔"

"مولوی حمید واپس آیا کہ نہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"آج صبح سے اس نے ہوٹل کھولا ہے۔ لیکن ماجھا گجر کے آدمی اسے دھمکی دے چکے ہیں کہ اگر اس نے گوالمنڈی میں اپنا کاروبار بند نہ کیا تو اسے بھی اڑا دیا جائے گا۔"

"ماجھا گجر کو تو میں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی یاد کریں گی۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کی بعد بولا۔ "فیصل آباد سے کوئی پیغام!"

"نہیں، کوئی نہیں آیا۔" گاما نے جواب دیا۔

اس دوران وہ آدمی چائے لے کر آ گیا۔ وہ خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ شارق تقریباً گیارہ

بجے تک وہاں رہا۔ اس دوران صرف دو گاہک وہاں آئے تھے۔ گزشتہ تین چار دن کے دوران پولیس کی پکڑ دھکڑ کی وجہ سے تمام چھوٹے منشیات فروش ادھر ادھر ہو گئے تھے اور اب آہستہ آہستہ وہ دوبارہ اپنا دھندہ شروع کر رہے تھے۔

گیارہ بجے کے قریب شارق ایک بار پھر تہہ خانے میں گھس گیا اس نے الماری کے نچلے خانے سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ایک تھیلے میں بھر لیں اور تہہ خانے سے باہر آ گیا۔ اس کے کچھ دیر بعد وہ گاما کو کچھ ہدایات دیتا ہوا ڈیرے سے نکل آیا۔ چوک سے اسے رکشہ مل گیا اور وہ سیدھا چوبرجی پہنچ گیا۔ رکشہ اس نے چوک پر ہی چھوڑ دیا اور پیدل چلتا ہوا اپنی خفیہ پناہ گاہ میں پہنچ گیا۔

اپنے بیڈ روم میں آ کر اس نے الماری کے پیچھے دیوار میں خفیہ خانہ کھولا اور رقم اس میں رکھنے کے بعد الماری دوبارہ اسی جگہ پر سرکا دی اور کپڑے بدل کر بستر پر لیٹ گیا۔ چار دن پہلے جب وہ گھر سے نکلا تھا تو اس نے رضیہ اور مریم سے کہا تھا کہ اگر وہ رات کو نہ آیا تو صبح آ جائے گا لیکن ماجھے گجر کے آدمیوں کی پیدا کردہ گڑبڑ کی وجہ سے وہ سہیل کے ہاں رک گیا تھا اور پولیس کی سرگرمیوں کی وجہ سے وہیں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ اس طرح وہ آج بھی گھر نہیں جا سکا تھا۔

بستر پر لیٹے ہوئے وہ ثمینہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ ثمینہ اس کوٹھی میں منتقل ہو چکی ہو گی۔ وہ ثمینہ کے سحر میں پوری طرح جکڑا جا چکا تھا۔ لیکن نادانستہ طور پر وہ ثمینہ کو بھی اپنے ساتھ جرائم کی اس دلدل میں گھسیٹ چکا تھا۔ جس کا اسے بے حد افسوس تھا۔ ثمینہ ایک تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ ایک معزز پیشے سے وابستہ تھی۔ معاشرے میں اسے عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن جب لوگوں کو یہ پتہ چلے گا کہ وہ ایک جرائم پیشہ شخص سے وابستہ ہو چکی ہے اور خود بھی ایک قتل میں ملوث ہے تو لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ اس کی کیا عزت رہ جائے گی لوگوں کی نظروں میں؟ اب وہ قانون کی نظروں میں مجرم تھی۔ پولیس کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ سلمان ایڈووکیٹ کے قتل میں ملوث ہے۔ لیکن پولیس کو جیسے ہی اس کے بارے میں شبہ ہو گا وہ اس پر ہاتھ ڈالنے میں دیر نہیں لگائے گی۔

شارق ثمینہ کے ہی کے بارے میں یہ سب کچھ سوچتا ہوا نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ صبح وہ دیر تک سوتا رہا۔ بیدار ہونے کے بعد بھی وہ بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کی ذہنی رو ایک بار پھر بہک گئی۔ وہ اپنے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ کیا تھا اور کیا بن گیا تھا۔ اس کے ماں باپ اسے کیا بنانا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر' انجینئر' وکیل لیکن وہ مجرم بن گیا تھا.... اور اسے مجرم بنانے میں قانون کے محافظوں ہی کا ہاتھ تھا۔ اگر قانون کے یہ محافظ اسے اس راستے پر نہ دھکیلتے تو آج وہ کچھ اور

ہوتا۔ شریفانہ اور پرسکون زندگی بسر کر رہا ہوتا لیکن اب شرافت اور سکون اس کی زندگی سے رخصت ہو چکا تھا۔ وہ قانون کا مجرم تھا۔ اس کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے تھے۔ اس کا ہر قدم اسے گہری دلدل میں دھکیل رہا تھا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے وہ بستر سے اٹھ گیا۔ اس وقت ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ رات کو وہ آتے ہوئے بیکری سے انڈے اور ڈبل روٹی وغیرہ لے آیا تھا۔ اس نے ناشتہ تیار کیا۔ ناشتے کی بعد کپڑے بدلے اور مکان سے باہر آ گیا۔ وہ سیدھا باغبانپورہ چلا گیا۔ رضیہ اس وقت یونیورسٹی گئی ہوئی تھی۔ مریم نے اسے آڑھے ہاتھوں لیا۔ شارق مسکراتے ہوئے خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ جب مریم خاموش ہوئی تو وہ بولا۔

"ماں جی.... میرا کاروبار ہی ایسا ہے کہ گھر آنے جانے کا کوئی وقت نہیں رہا۔ کبھی کئی کئی روز شہر سے باہر رہنا پڑتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شہر میں ہوتے ہوئے بھی گھر آنے کا موقع نہیں ملتا۔ لیکن اب کوشش کروں گا کہ روزانہ نہیں تو دوسرے دن گھر کا ایک چکر لگا لیا کروں...."

"آخر ایسا کون سا کاروبار ہے کہ تمہیں گھر آنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔" مریم نے کہا۔

"ماں جی۔" شارق نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی کو چوبیس گھنٹے مصروف رہنا پڑتا ہے۔ میرا کام بھی کچھ ایسا ہی ہے۔"

شارق بڑی مشکل سے مریم کو قائل کر سکا تھا کہ کاروباری مصروفیات کی وجہ سے اسے گھر آنے کا موقع نہیں ملتا۔ مریم بار بار اس کے کاروبار کے بارے میں پوچھتی رہی تھی لیکن وہ اسے کیسے بتا دیتا کہ وہ اسلحہ اور ہیروئن کا سوداگر ہے۔ اس کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں اور وہ پولیس کو مطلوب ہے۔ پولیس کو جیسے ہی موقع ملا اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی جائیں گی۔

تین بجے کے لگ بھگ اس نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ اس وقت رضیہ بھی آ گئی تھی۔ کھانے کے بعد وہ رضیہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ اچانک ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہوا؟" رضیہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک کام یاد آ گیا ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں جا رہا ہوں واپسی میں شاید دیر ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واپس نہ آؤں۔"

اپنے کمرے میں آ کر اس نے کپڑے بدلے اور فوراً ہی باہر نکل گیا۔ اتفاق سے گلی سے نکلتے ہی اسے ٹیکسی مل گئی اور وہ اس پر بیٹھ کر مزنگ روانہ ہو گیا۔ شارق کو کوئی کام یاد نہیں آیا تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کسی غیبی قوت نے اسے پکڑ کر اٹھا دیا ہو۔ وہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ ایسی کیا بات

تھی جس نے اسے اس قدر عجلت میں گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جب وہ مزنگ والے ڈیرے پر پہنچا تو وہاں نولکھا کو دیکھ کر اچھل پڑا۔

"تم.... خیریت؟ کب آئے؟" شارق نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ نولکھا کو یہاں دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"خیریت ہوتی تو میں یہاں نہ آتا شارق باؤ۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "میں رات کو لاہور آیا تھا۔ وہ میرے ساتھ ہے۔" اس نے ثمینہ کا نام لئے بغیر کہا۔

"اوہ!" شارق اس کا مطلب سمجھ گیا۔ "کہاں ہے؟"

"میری بہن کے گھر میں ہے۔" نولکھا نے کہتے ہوئے کن انکھیوں سے گاما کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی موجودگی میں تفصیل سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

شارق نے گاما کو اشارہ کیا وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

"ہاں' اب بتاؤ کیا بات ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے نولکھا کی طرف دیکھا۔

"فیصل آباد میں تو بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے یار شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "پولیس نے یہ پتہ چلا لیا ہے کہ جس روز تکئے پر چھاپہ پڑا تھا ثمینہ بی بی وہاں موجود تھی جو قبرستان کی دیوار پھاند کر یوسف کی ورکشاپ میں چلی گئی تھی۔ ورکشاپ میں کام کرنے والے لڑکوں نے پولیس کو اس کے بارے میں بتا دیا ہے۔ پولیس کو شبہ ہے کہ یوسف نے ثمینہ کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا ہو گا اور ثمینہ نے کسی اور کی مدد سے اسے قتل کر دیا۔ ایک پولیس آفیسر ثمینہ سے پوچھ گچھ کے لئے کالج میں گیا۔ وہ لوگ میرے بارے میں بھی معلومات حاصل کر رہے تھے۔ کل شام مجھے پتہ چلا کہ پولیس ثمینہ کی کوٹھی پر اور ہمارے تکئے پر چھاپہ مارنے والی ہے۔ میں ثمینہ بی بی کو لے کر فیصل آباد سے نکل آیا۔"

"وہ اس وقت کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔ "چوبرجی کوارٹرز میں میری پھوپھی زاد بہن رہتی ہے رات کو ہم وہیں رہے تھے۔ ثمینہ اب بھی وہیں ہے۔ میں صبح سے یہاں بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہوں لیکن ایک گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"وہ کیا؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چوبرجی کوارٹرز میں ثمینہ کے ماں باپ کا گھر بھی ہے۔" نولکھا نے کہا۔

"میرا تو خیال تھا کہ ثمینہ بی بی کو چند روز تک اپنی بہن کے گھر میں رکھوں گا لیکن اب یہ ممکن نہیں۔ کلثوم کے گھر عورتوں کا آنا جانا ہے اور وہ سب ثمینہ کو جانتی ہیں۔ اس لئے اسے وہاں نہیں رکھا جا سکتا۔"

"یہ تو واقعی خطرناک بات ہے۔" شارق بولا۔ "تم اسے ماسی مہراں کے گھر لے آؤ۔ وہ ایک آدھ دن وہاں رہے گی۔ اس کے بعد میں کوئی اور بندوبست کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" نولکھا اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں ثمینہ بی بی کو لے کر ماسی مہراں کے گھر پہنچ جاتا ہوں۔"

"میں وہیں تمہارا انتظار کروں گا۔" شارق بھی کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ دونوں ڈیرے سے اکٹھے ہی نکلے تھے۔ نولکھا چوک کی طرف چلا گیا اور شارق اوپر سے گھوم کر گلیوں سے چکراتا ہوا ماسی مہراں کے گھر آ گیا۔ چھانگے کے مرنے کے بعد شارق نے اپنے تمام آدمیوں کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ صورت حال خواہ کچھ بھی ہو وہ ماسی مہراں کے گھر نہ جائیں۔ وہ خود بھی اب تک صرف ایک ہی مرتبہ گیا تھا اور آج دوسری مرتبہ وہاں جا رہا تھا۔

دستک کے جواب میں دروازہ ماسی مہراں ہی نے کھولا تھا۔

"اندر آ جاؤں ماسی؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آ جا پتر۔" ماسی مہراں دروازے سے ایک طرف ہٹتے ہوئے بولی۔ "تجھے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟"

شارق اندر آ گیا ماسی مہران نے دروازہ بند کر دیا ور اسے لے کر بیٹھک میں آ گئی۔

"چائے پیو گے پتر۔" اس نے پوچھا۔

"ضرور پیوں گا ماسی۔ لیکن پہلے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔

"کیا بات ہے پتر؟" ماسی مہراں دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

شارق چند لمحے خاموش رہا پھر ثمینہ کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

"وہ بڑی مظلوم لڑکی ہے۔ محض میری وجہ سے مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ایک دو روز یہاں رہے گی پھر میں اس کے لئے کوئی دوسرا بندوبست کر دوں گا۔"

"کوئی دوسرا بندوبست کرنے کی کیا ضرورت ہے پتر۔" ماسی مہراں نے کہا۔ "اسے لے آؤ وہ یہیں رہے گی۔ میرا بھی دل لگا رہے گا۔"

"نہیں ماسی۔" شارق نے کہا۔ "پولیس اس کے پیچھے لگ گئی ہے۔ اگر وہ لوگ اس کا سراغ لگاتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے تو آپ کو بھی پریشانی ہو گی۔ نہیں' اس کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہو گا ایک آدھ دن کی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے' جیسے تمہاری مرضی۔" ماسی مہراں نے کہا پھر اٹھتے ہوئی بولی۔ "تم بیٹھو میں چائے

بنا کر لاتی ہوں۔"

وہ کمرے سے باہر نکل گئی اور شارق ثمینہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ کچھ دیر بعد ماسی مہراں چائے بنا کر لے آئی۔ چائے کے دوران وہ زیادہ تر چھانگا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد گلی میں کوئی گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھٹ کھٹایا گیا۔ ماسی مہراں نے جا کر دروازہ کھولا اور جب وہ واپس آئی تو اس کے ساتھ ثمینہ اور نولکھا بھی تھے۔

"بڑا غضب ہو گیا شارق باؤ۔" نولکھا نے سوٹ کیس رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا؟" شارق نے پوچھا۔

"ہم ٹیکسی پر کالونی کے گیٹ سے نکل رہے تھے کہ ثمینہ کے باپ نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے موٹر سائیکل پر ہماری ٹیکسی کا پیچھا کیا مگر ٹیکسی ڈرائیور بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ وہ چکر دیتا ہوا داتا دربار کی طرف لے گیا۔ وہاں سے ہم دوسری ٹیکسی میں بیٹھ کر گڑھی شاہو پہنچ گئے۔ وہ ٹیکسی وہاں چھوڑی اور تیسری ٹیکسی پر بیٹھ کر یہاں آئے ہیں۔ اس صورت حال سے ثمینہ بی بی تو کیا میں بھی پریشان ہو گیا تھا۔" نولکھا نے بتایا۔

شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ وہ کرسی پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"رونے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو گا ثمینہ۔" شارق نے کہا۔

"یہ تم نے مجھے کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔" ثمینہ روتے ہوئے بولی۔ "کن گناہوں کی سزا مل رہی ہے مجھے؟ کاش! تم سے میری ملاقات نہ ہوئی ہوتی۔"

"اب تو معاملہ بہت آگے نکل چکا ہے۔ پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔" شارق بولا۔ اس نے ماسی مہراں کو اشارہ کیا۔ وہ ثمینہ کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئی۔

"تم اپنی بہن کے ہاں پہلے بھی آتے جاتے رہے ہو۔ اس محلے کے لوگ تمہیں پہچانتے تو نہیں؟" شارق نے نولکھا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"میں تقریباً ایک سال پہلے کلثوم کے گھر گیا تھا اور وہ بھی رات کے وقت۔ وہاں مجھے کوئی نہیں جانتا۔ اب بھی سامنے والی ہمسائی نے مجھے اور ثمینہ کو کلثوم کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔" نولکھا نے کہا۔

"کیا اس نے ثمینہ کی شکل دیکھی تھی؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں۔" نولکھا نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس وقت تو اس نے اپنا چہرہ چادر میں چھپا رکھا تھا لیکن گیٹ سے نکلتے ہوئے اچانک ہی ثمینہ کے باپ کی موٹر سائیکل سامنے آ گئی تھی۔ اسے بچانے کے لئے ڈرائیور نے بریک لگائی تو جھٹکا لگنے سے ثمینہ کے سر سے چادر اتر گئی اور اس کے باپ

نے اسے دیکھ لیا۔ ٹیکسی اگرچہ اسی وقت چل پڑی تھی لیکن ثمینہ کے باپ نے موٹر سائیکل پر ہمارا پیچھا شروع کر دیا تھا۔ بڑی مشکل سے اس سے پیچھا چھڑایا ہے۔"

"لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ پیچھا نہیں چھوڑے گا۔" شارق نے کہا۔ "اس کالونی میں زیادہ کوارٹرز نہیں ہیں۔ وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گا کہ تم لوگ کس گھر سے نکلے تھے۔ اس طرح انہیں پتہ چل جائے گا کہ ثمینہ' کلثوم کے گھر میں تھی اور اگر انہوں نے پولیس میں گمشدگی کی رپورٹ لکھوا دی تو پولیس والے کلثوم اور اس کے شوہر کو پریشان کریں گے۔"

"اتنی دور کی بات تو میں نے سوچی بھی نہیں تھی۔" نولکھا نے کہا۔ اس کے چہرے پر بھی پریشانی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ "لیکن پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں شارق باؤ۔ کلثوم اور اس کا خاوند میرے بارے ہی میں بتائیں گے نا۔ پولیس والے میری تلاش میں فیصل آباد جائیں گے اور میں فیصل آباد میں نہیں ہوں۔"

"ہاں.... ٹھیک ہے' دیکھا جائے گا۔" شارق نے جواب دیا۔

تقریباً آٹھ بجے وہ ماسی مہراں کے مکان سے نکل کر ڈیرے پر آ گئے۔ نولکھا کو اب یہیں رہنا تھا لیکن شارق مطمئن نہیں تھا۔ اگر پولیس نولکھا کا سراغ لگاتی ہوئی یہاں تک پہنچ گئی تو بہت بڑا ہو جائے گی۔ ثمینہ کا ماسی مہراں کے گھر میں رہنا درست نہیں تھا۔ پہلے اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ثمینہ کو گھر پہنچا دے لیکن پھر اس خیال کو اس نے ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ مریم اور ثمینہ کو اس قسم کے معاملات سے الگ ہی رکھنا چاہتا تھا۔ پھر دفعتاً اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ وہ ثمینہ کو شام نگر والے مکان میں لے جا سکتا تھا۔

رات دس بجے کے قریب وہ ڈیرے سے نکلا۔ چوک سے ٹیکسی لی اور ماسی مہراں کے گھر سے ثمینہ کو لے کر شام نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ٹیکسی اس نے گلی کے موڑ پر ہی رکوا لی۔ اس نے ثمینہ کا سوٹ کیس اٹھا لیا اور وہ دونوں گلی میں داخل ہو گئے' مکان کے بیرونی گیٹ کو باہر سے کنڈا لگا ہوا تھا۔ شارق نے گلی میں ادھر ادھر دیکھا۔ اتفاق سے اس وقت گلی میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے کنڈا کھولا۔ پہلے ثمینہ کو اندر داخل ہونے کا موقع دیا پھر خود اندر داخل ہو کر گیٹ بند کر دیا اور برآمدے میں پہنچ کر دیوار کی چوکھٹ کے اوپر ہاتھ ڈال کر ٹٹولنے لگا۔

چوکھٹ میں اس نے ایک گہرا سوراخ بنا رکھا تھا۔ برآمدے والے دروازے کے تالے کی چابی وہ چوکھٹ کے اسی سوراخ میں رکھ دیا کرتا تھا۔ کسی کو یہاں چابی رکھے جانے کے بارے میں کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے ٹٹول کر چابی نکالی اور تالا کھول کر دروازہ کھول دیا۔ پہلے اس

نے ثمینہ کو اندر داخل ہونے کا راستہ دیا پھر خود اندر داخل ہوکر دروازہ بند کر دیا اور بتی جلانے کے لئے دیوار پر سوئچ ٹٹولنے لگا۔

گہری تاریکی تھی۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس کے ذہن پر ایک عجیب سا خوف طاری ہو رہا تھا۔ شارق اس کے گھر میں کئی روز رہ چکا تھا لیکن اس نے بڑی شرافت کا مظاہرہ کیا تھا لیکن اس وقت بات کچھ اور تھی اور اب وہ بقول شخصے اپنی ساری کشتیاں جلا کر آئی تھی۔ اب وہ شارق کے رحم و کرم پر تھی۔ وہ پولیس کے خوف سے بھاگی تھی۔ اس نے اپنے گھر والوں کو بھی تج دیا تھا۔ یہ بات اس نے اچھی طرح سمجھ لی تھی کہ اب اس کے مقدر میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ایک جرائم پیشہ شخص کی پناہ میں رہ کر وہ ذلت و رسوائی ہی کی زندگی گزار سکتی تھی۔

چٹ کی آواز کے ساتھ ہی تیز روشنی پھیل گئی۔ ثمینہ کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں چند لمحوں بعد جب اس کی آنکھیں تیز روشنی سے مانوس ہوئیں تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"یہ میری وہ خفیہ پناہ گاہ ہے جس کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہے۔ تم پہلی ہستی ہو جسے میں یہاں لایا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "آؤ میں تمہیں پورا گھر دکھا دوں۔"

وہ بیڈ روم میں آ گئے۔ شارق نے اس کا سوٹ کیس پلنگ پر رکھ دیا۔ وہ اسے بیڈ روم دکھانے کے بعد دوسرے کمرے میں لے آیا۔ بیڈ روم میں تو آرام دہ بستر لگا ہوا تھا لیکن دوسرے کمرے میں بان کی ایک جھلنگا سی چارپائی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ فرش پر گرد جمی ہوئی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کمرے کی صفائی پر کبھی توجہ نہیں دی گئی تھی۔ وہ اسے لاؤنج میں آیا یہ مستطیل کمرہ تھا۔ تین چار کرسیاں اور ایک میز پڑی ہوئی تھی۔ میز پر شیشے کا ایک گلاس ایک جگ بھی رکھا ہوا تھا۔ اس کمرے کا ایک دروازہ بائیں طرف گلیارے میں بھی کھلتا تھا۔ دائیں طرف کچن تھا۔ کچن کے دروازے کے قریب ہی آٹھ مکعب فٹ کا ایک فرج بھی رکھا تھا۔ کچن میں ضرورت کے برتن اور دیگر تمام چیزیں موجود تھیں۔ گیس کا چولہا بھی رکھا ہوا تھا ایک کونے میں برتنوں کا سلنڈر بھی موجود تھا۔ سنک میں تین چار جوٹھے برتن پڑے تھے۔

"تم نے کھانا کھایا تھا یا نہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں، لیکن مجھے بھوک نہیں ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"کھانا پینا چھوڑ دو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔" شارق نے کہا۔ "اس وقت تو میں ہوٹل ہی سے لے آتا ہوں۔ کل صبح کوئی دیگر بندوبست کیا جائے گا۔ آؤ دروازہ بند کر لو۔ میں باہر جا رہا ہوں۔"

شارق کے باہر جاتے ہی ثمینہ نے دراوزہ اندر سے بند کر لیا اور بیڈ روم میں آ گئی۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اس نے اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری تھی۔ اپنی بربادی کے ذمے دار وہ خود تھی۔ اس میں شارق کا یا کسی اور کا کوئی قصور نہیں تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد شارق کھانا لے کر آ گیا۔ چکن تکہ کباب اور تندور کی روٹیاں۔ وہ دودھ اور صبح کے ناشتے کے لئے ڈبل روٹی اور انڈے مکھن وغیرہ بھی لے آیا تھا۔

ثمینہ نے پہلے کچن میں جا کر برتن دھوئے۔ اس دوران شارق نے میز وغیرہ صاف کر دی اور پانی اور جگ دھو کر اس میں پانی بھر کر میز پر رکھ دیا۔ ثمینہ نے کھانا پلیٹوں میں نکال لیا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں میز پر آمنے سامنے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ثمینہ کا انداز ایسا تھا جیسے نوالے زبردستی حلق میں ٹھونس رہی ہو۔ وہ بظاہر تو شارق کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی لیکن اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ اس کے گھر والوں کا کیا حال ہو گا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب اس نے ٹیکسی پر کالونی کے گیٹ سے گزرتے ہوئے اپنے باپ کو دیکھا تھا۔ اس کے باپ کی آنکھوں میں پہلے حیرت کے تاثرات ابھرے تھے پھر حیرت کی جگہ تشویش اور پریشانی نے لے لی تھی۔ اس کا باپ موٹر سائیکل کو اسٹینڈ پر کھڑی کر رہا تھا۔ وہ غالباً ٹیکسی کی طرف آنا چاہتا تھا لیکن اس دوران ٹیکسی حرکت میں آ گئی تھی۔ اس کا باپ ثمینہ کو پکارتا ہوا ٹیکسی کے پیچھے لپکا۔ نولکھا نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میرے ڈیڈی۔" ثمینہ نے خوف زدہ لہجے میں جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پیچھے مڑ کر بھی دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر اس قسم کے تاثرات ابھر آئے تھے جیسے ابھی رو پڑے گی۔

نولکھا نے ٹیکسی ڈرائیور سے کچھ کہا۔ ٹیکسی کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی۔ ثمینہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ اس کا باپ اپنی موٹر سائیکل کی طرف لپکا اور پھر اس نے موٹر سائیکل پر ٹیکسی کا تعاقب شروع کر دیا۔ لیکن ٹیکسی ڈرائیور ایک تجربہ کار آدمی تھا۔ وہ جلد ہی ثمینہ کے باپ کو ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا۔

داتا دربار کے قریب انہوں نے وہ ٹیکسی چھوڑ دی اور دوسری ٹیکسی میں بیٹھ گئے پھر گڑھی شاہو سے ایک تیسری ٹیکسی میں بیٹھ کر مزنگ میں ماسی مہراں کے گھر پہنچے۔ ثمینہ کو باپ کا چہرہ بار بار اپنی آنکھوں کے سامنے گھومتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ ٹیکسی کو کھو دینے کے بعد یقیناً گھر گیا ہو گا اور جب اسے پتہ چلا ہو گا کہ ثمینہ گھر نہیں آئی تھی تو اس پر اور گھر کے دوسرے افراد پر کیا کیا قیامت گزر گئی ہو گی۔

ثمینہ کو یوں گم صم پا کر شارق نے میز پر سے برتن اٹھا کر کچن میں رکھ دیئے اور ثمینہ کو بازو سے پکڑ کر بیڈ روم میں لے آیا۔

"زیادہ مت سوچو جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب سوچنا چھوڑ دو۔"

ثمینہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔ شارق اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ثمینہ نے بھی اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شارق نے گھڑی دیکھی۔ بارہ بجنے والے تھے۔

"تم یہاں پلنگ پر سو جاؤ۔ میں دوسرے کمرے میں چارپائی پر سو جاتا ہوں۔ اپنے دل سے سارا خوف نکال دو۔ یہاں تم بالکل محفوظ ہو۔" شارق نے کہا۔ اور پھر اس کا سوٹ کیس اٹھا کر نیچے رکھ دیا اور پلنگ پر پڑی ہوئی دو چادروں میں سے ایک چادر اٹھا کر بیڈ روم سے نکل آیا۔ کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے تیز روشنی کا بلب بجھا کر نیلگوں روشنی والا نائٹ بلب جلا دیا تھا۔

دوسرے کمرے میں آ کر اس نے چارپائی اٹھا کر جھاڑی اور اس پر چادر بچھا کر لیٹ گیا۔ لیٹنے سے پہلے اس نے کمرے کی بتی بجھا دی تھی۔ صرف لاؤنج کی بتی جل رہی تھی۔ اس کی روشنی شارق والے کمرے کے دروازے تک پہنچ رہی تھی۔

شارق اندھیرے میں جھلنگا سی چارپائی پر پڑا کروٹیں بدل رہا تھا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ وہ بار بار ثمینہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ سو گئی ہو گی یا شاید جاگ رہی ہو۔ رات کے تین بج رہے تھے وہ چارپائی سی اٹھ کر ننگے پیر چلتا ہوا کمرے سے نکلا اور دبے قدموں ثمینہ والے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ثمینہ سو گئی تھی یا ابھی تک جاگ رہی تھی۔

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ نیلگوں روشنی جھلک رہی تھی۔ شارق دروازے میں رک کر اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ ثمینہ جاگ رہی تھی۔ اس نے شارق کو دیکھ لیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ شارق اندر آ گیا۔

"تت.... تم.... کیوں آئے ہو؟" وہ ہکلائی۔ شارق کو اس وقت اپنے کمرے میں دیکھ کر اس کا دل ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔

"غلط مت سمجھو۔" شارق نے کہا۔ "میں صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ تم سو گئی ہو یا جاگ رہی ہو۔ اگر تم سو چکی ہوتیں تو میں یقیناً واپس چلا جاتا۔ تمہیں جاگتے دیکھ کر اندر آ گیا ہوں۔ مجھے نیند نہیں آ رہی۔ تم بھی جاگ رہی ہو' کیوں نہ باتوں میں کچھ وقت گزار لیا جائے....." وہ

کی پٹی پر بیٹھ گیا۔

ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ رات کا پچھلا پہر.... وہ دونوں اکیلے تھے۔ بلکہ وہ شارق کے رحم و کرم پر تھی۔ اگر شارق اس پر دست درازی کی کوشش بھی کرے تو وہ مزاحمت نہیں کر سکتی تھی۔ چیخ کر محلے والوں کو جمع نہیں کر سکتی تھی۔ اپنی عزت بچانے کے لئے اس گھر سے بھاگ نہیں سکتی تھی۔= اس لئے کہ وہ چاروں طرف سے گھیرے میں تھی۔ یہاں شارق تھا۔ اس چار دیواری کے باہر بیسیوں شکاری گھات لگائے بیٹھے تھے۔ پولیس اس کی تاک میں تھی۔ وہ کہیں نہیں جا سکتی تھی۔ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"تم رو رہی ہو؟" شارق نے قریب سرک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تو کیا تمہارے خیال میں مجھے قہقہے لگانے چاہئیں۔ اپنی بربادی پر خوش ہونا چاہئے۔" ثمینہ نے جذبات کی شدت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھو ثمینہ...." شارق اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے بولا۔ "مجھے بار بار افسوس اور ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اب تم وہ نہیں رہی جو چند روز پہلے تک تھیں۔ میں بھی وہ نہیں ہوں جو پہلے تھا۔ میری طرح تمہیں بھی حالات سے سمجھوتہ کر لینا چاہئے۔ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب انسان سے ایک غلطی ہو جائے تو لوگ اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیتے۔ میں نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ لیکن مجھے غلطیاں کرنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ تم عورت ہو۔ تم سے ایک غلطی ہوئی تھی۔ مجھے پناہ دینے کی۔ تمہیں ایک موقع ملا تھا لیکن تم نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اگر تم نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے پولیس کے حوالے کر دیا ہوتا تو تمہیں آج اس صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑتا مگر تم سے غلطی ہو گئی تھی۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر یا کسی بھی طرح۔ اس کے بعد تم غلطی پر غلطی کرتی چلی گئیں۔ پے در پے سرزد ہونے والی غلطیاں تمہیں دلدل میں دھکیلتی رہیں۔ اگر تم اب بھی اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو تو عین ممکن ہے کہ قانون تمہیں مجبور اور بے بس سمجھ کر تمہاری ان غلطیوں کو معاف کر دے۔ مگر قانون کے یہ محافظ' جنہیں پولیس کہا جاتا ہے' تمہیں معاف نہیں کریں گے۔ وہ قدم قدم پر تمہارے راستے میں آئیں گے اور تمہیں وہ راستہ اپنانے پر مجبور کر دیں گے جس سے تم بچنا چاہتی ہو۔ یہ اپنے مفاد کے لئے تمہیں جرائم کی دلدل میں دھکیلتے رہیں گے.... میری بات سمجھنے کی کوشش کرو ثمینہ.... یہاں زندہ رہنے کے لئے اپنا حق مانگا نہیں جاتا چھینا جاتا ہے۔ آج تم جن لوگوں سے چھپ رہی ہو کل وہی تمہیں سلام کریں گے۔"

"کیا... کیا میں اس طرح زندہ رہ سکوں گی۔ لوگوں کے لئے کھلونا بن کر۔" ثمینہ نے سسکی

بھرتے ہوئے کہا۔

"زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں۔" شارق نے کہا۔ "زندگی غلاموں کی طرح ڈر کر اور سہم کر بھی گزر جاتی ہے اور اپرہینڈ ہو کر بھی گزاری جا سکتی ہے۔ جب اپر ہینڈ ہونے کا موقع حاصل ہو تو سسکنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب تم بالا دست ہو کر رہو گی تو کوئی تمہیں کھلونا سمجھ کر تمہاری طرف ہاتھ نہیں بڑھائے گا۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔" ثمینہ نے سسکی بھری۔

"سب کچھ دماغ سے نکال دو۔" شارق نے کہتے ہوئے آہستگی سے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ ثمینہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اس کا سر شارق کے کندھے پر ٹک گیا۔ شارق اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ ثمینہ سسکیاں بھرتی رہی۔ پھر اس کے آنسو تھم گئے۔ وہ اپنے آپ میں سنسنی کی ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگی۔ لیکن اس سنسنی میں خوف نہیں تھا ایک عجیب سی کیفیت تھی جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں لیکن اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ شارق نے اسے لٹا دیا۔ ثمینہ اس کے لمس کو محسوس کرتی رہی۔

اور جب صبح ثمینہ بیدار ہوئی تو وہ پہلے والی ثمینہ نہیں رہی تھی۔ شارق اس کے پہلو میں گہری نیند سو رہا تھا۔ ثمینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور اپنی قسمت پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

○

ماجھا گجر بری طرح جھنجلایا ہوا تھا۔ شارق کی وجہ سے اسے گزشتہ چند روز میں نہ صرف لاکھوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑا تھا بلکہ اس کے دو بندے بھی مارے جا چکے تھے۔

دولت کی ہوس انسان کو کبھی ایک سطح پر ٹکنے نہیں دیتی۔ ہر شخص قارون سے زیادہ دولت مند بننے کے خواب دیکھتا ہے۔ ماجھا گجر کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں تھا۔ اس نے چھانگا کے کہنے میں آ کر دودھ کا کاروبار ختم کر کے منشیات کا کاروبار شروع کیا تھا۔ اور تب اسے پتہ چلا تھا کہ حصول زر کا اصل ذریعہ تو یہی ہے۔ اس میں خطرات تو تھے لیکن جب دولت پاس ہو تو ان خطرات پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے۔ وہ لاکھوں روپے کما رہا تھا مگر اس کی ہوس بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے اس بزنس میں لانے والا چھانگا تھا۔ چھانگا اس سے زیادہ کما رہا تھا لیکن ماجھا گجر اب چھانگا کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ بنانے لگا۔ جیرا' چھانگے کا خاص آدمی تھا۔ شارق کے آنے سے جیرے پر اگرچہ کوئی اثر نہیں پڑا تھا مگر ماجھا گجر' جیرے کے ذہن میں یہ بات بٹھانے لگا کہ چھانگے کو اب اس پر اعتماد نہیں رہا۔ جیرا اسکی باتوں میں آ گیا اور ماجھا گجر اسے چھانگے سے توڑنے میں کامیاب ہو

گیا۔ جیرا نے چھانگے کے تہہ خانے سے پندرہ کلو ہیروئن بھی چوری کر کے اونے پونے داموں ماجھا گجر کے حوالے کر دی تھی۔

ماجھا گجر کا منصوبہ یہ تھا کہ جیرے کے ہاتھوں چھانگے کو ختم کروا کر لاہور کی منشیات کی مارکیٹ پر قابض ہو جائے گا۔ لاہور کے منشیات فروشوں کی تمام بڑی پارٹیاں چھانگا کے قبضے میں تھیں۔ لاہور سے باہر کی پارٹیاں بھی چھانگا ہی سے مال لیتی تھیں اور ماجھا گجر اس پوری مارکیٹ پر قابض ہونے کا خواب دیکھ رہا تھا لیکن اس کا منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ چھانگا اور جیرا آپس میں الجھ پڑے۔ جیرا مارا گیا اور چھانگا شدید زخمی ہوا۔ ماجھا گجر نے اصل میں غلط وقت پر غلط قدم اٹھایا تھا۔ اسے اگر یہ علم ہوتا کہ شارق ان دنوں لاہور میں نہیں تھا تو وہ جیرے کو چھانگا کے اسٹور سے ہیروئن چرانے کا مشورہ نہ دیتا۔ اس کا منصوبہ تو یہ تھا کہ جیرے کے ذریعے ہیروئن چوری کروا کر اس کا الزام شارق پر تھوپ دیا جائے اور شارق کو چھانگا کی نظروں میں گرا کر اسے گروہ سے نکلوا دیا جائے اور دوسرے مرحلے میں چھانگا کو جیرے کے ہاتھوں مروا دیا جائے۔ اس طرح جیرا بھی اس کے قبضے میں آ جاتا لیکن جیرے کو بھی شارق کی عدم موجودگی کا علم نہیں تھا اس طرح ہیروئن کی چوری کا الزام اسی پر آیا کیونکہ تہہ خانے کے راز سے صرف وہی واقف تھا۔ اور کوئی آدمی نہیں جانتا تھا کہ قبر کے نیچے کوئی تہہ خانہ موجود ہے۔ اس طرح جیرے کا راز افشا ہو گیا۔

چھانگا شدید زخمی تھا۔ اس کے پھیپھڑے میں گولی پھنسی ہوئی تھی۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ماجھا گجر نے دوسری پارٹیوں سے ساز باز شروع کر دی مگر عین وقت پر شارق کود پڑا۔ وہ چھانگے سے زیادہ چالاک ثابت ہوا۔ اس نے ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ ماجھا گجر جیسا گھاگ آدمی بھی چکرا کر رہ گیا۔ شارق نے ایک طرف نکا پہلوان پر چھانگا کا دو ڈھائی لاکھ روپے کا قرضہ معاف کر دیا تو دوسری طرف گوالمنڈی کے مولوی حمید کو مفت ہیروئن دے کر اس کے آدمیوں کے مقابلے پر لا کھڑا کر دیا۔ مولوی حمید آدھی قیمت پر ہیروئن فروخت کرنے لگا جس سے اس علاقے میں ماجھا گجر کے آدیوں کا دھندہ ٹھپ ہو گیا۔ اس کے علاوہ شارق نے دوسری پارٹیوں کو بھی بڑی ہوشیاری سے اپنے قابو میں رکھا تھا۔

ماجھا گجر نے اپنے آدمیوں کے ذریعے مولوی حمید پر حملہ کروا دیا۔ اس ہنگامے میں دو راہ گیر اور مولوی حمید کا ایک آدمی مارا گیا۔ اور اس کا ایک آدمی پکڑا بھی گیا تھا۔ ماجھا گجر کے بھی دو آدمی پکڑے گئے تھے جنہیں وہ مک مکا کر کے اسی رات چھڑوا لایا تھا۔ دوسرے دن شارق نے بھی اپنے آدمی کو چھڑا لیا۔ اس دوران ماجھا گجر کو یہ اطلاع مل گئی کہ شارق گوالمنڈی کے علاقے میں موجود ہے۔ اس نے فوراً ہی اسے ختم کرنے کا پروگرام بنا لیا اور دو آدمی اسکے پیچھے لگا دیئے لیکن

اس کا ایک آدمی مارا گیا اور شارق صاف بچ نکلا۔ شارق پر براہ راست حملہ کروا کر ماجھا گجر نے اس کے خلاف گویا باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا تھا۔ اسے توقع تھی کہ شارق ایک آدھ دن میں جوابی کارروائی ضرور کرے گا۔ مگر کوئی جوابی کارروائی نہیں ہوئی۔ اس کی برعکس شارق گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو گیا تھا۔ نہ جانے ماجھا گجر کو یہ یقین کیوں تھا کہ شارق اچانک ہی اس پر وار کرے گا۔ اس نے اپنے دو آدمی شارق کی جاسوسی پر لگا دیئے۔ وہ دونوں بھیس بدل کر شارق کے ڈیرے کے آس پاس منڈلانے لگا۔ ان میں ایک بھکاری بن کر گلی کے موڑ پر بیٹھ گیا اور دوسرا رکشہ ڈرائیور کے بھیس میں آس پاس منڈلانے لگا۔

آخر ایک روز ماجھا گجر کو اطلاع مل گئی کہ شارق اپنے ڈیرے پر آیا تھا۔ وہ رات گیارہ بجے تک وہاں رہا پھر کہیں چلا گیا۔ رکشہ ڈرائیور نے اس کا پیچھا کیا تھا مگر وہ شارق کی ٹیکسی کا تعاقب نہ رکھ سکا۔ دوسرے دن ماجھا گجر کو اطلاع ملی کہ شارق کا فیصل آباد کا ایجنٹ نولکھا آیا ہوا ہے۔ ماجھا گجر نے ڈیرے کی نگرانی جاری رکھنے کا حکم دیا اور پھر اسے یہ اطلاع ملی کہ پانچ بجے سے ذرا پہلے شارق بھی ڈیرے پر آ گیا تھا اور اس کے تھوڑی دیر بعد نولکھا وہاں سے چلا گیا تھا۔ اسکے جانے کے کچھ دیر بعد شارق بھی ڈیرے سے نکل کر پچھلی طرف والی آبادی کی گلیوں میں غائب ہو گیا۔ اس وقت ماجھا گجر کا وہ آدمی شارق کا تعاقب کر رہا تھا جو بھکاری کے بھیس میں تھا۔ لیکن وہ ان گلیوں میں شارق کا تعاقب جاری نہ رکھ سکا اور شارق غائب ہو گیا۔ آٹھ بجے کے لگ بھگ شارق اور نولکھا کو پھر ڈیرے میں جاتے ہوئے دیکھا گیا۔ بھکاری اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ رکشہ والا گلی کے دوسرے موڑ پر تھا شارق چوک پر پہنچ کر ایک ٹیکسی میں سوار ہو کر چلا گیا اور وہ بھکاری سڑک ناپتا رہ گیا۔ اس نے دوڑ کر اپنے رکشہ والے ساتھی کو اطلاع دی۔ وہ اس ٹیکسی کی تلاش میں سڑکوں پر رکشہ دوڑاتا رہا اور جب وہ واپس آ رہا تھا تو اس نے شارق کی ٹیکسی کو دیکھ لیا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ شارق کے ساتھ ٹیکسی میں ایک عورت بھی تھی جس نے اپنا چہرہ چادر میں چھپا رکھا تھا۔

اس نے فوراً ہی رکشہ موڑ لیا اور ٹیکسی کا پیچھا شروع کر دیا۔ لیکن اگلے چوک پر ٹیکسی کے نکلتے ہی ٹریفک سگنل کی بتی سرخ ہو گئی۔ ممکن ہے وہ بھی رکشہ نکال لے جاتا لیکن ٹھیک اسی وقت بائیں طرف سے ایک ٹرک آ گیا جس نے رکشہ کا راستہ روک لیا۔ ٹرک کے پیچھے اور گاڑیاں بھی تھیں۔ رکشہ والا ایک ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ حسرت بھری نظروں سے لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی ہوئی شارق کی ٹیکسی کی عقبی سرخ بتیوں کو دیکھتا رہا۔ اور جب سگنل کھلا تو اس نے رکشہ دوڑا دیا۔ وہ مختلف سڑکوں پر رکشہ دوڑاتا رہا لیکن شارق والی ٹیکسی غائب ہو چکی تھی۔

اور جب ماجھا گجر کو یہ رپورٹ دی گئی کہ شارق کو ایک عورت کے ساتھ ٹیکسی پر جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا تو ماجھا گجر اسی پر چڑھ دوڑا تھا۔ وہ پچھلے چھ سات مہینوں سے شارق کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے لئے کچھ عجیب سا انسان ثابت ہوا تھا۔ اسے نہ تو شراب سے دلچسپی تھی اور نہ عورت سے۔ وہ یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ شارق کسی عورت کو ٹیکسی پر لے کر گیا تھا۔

ویسے ماجھا گجر نولکھا کے لاہور آنے پر بھی چونکا تھا۔ یہ پہلے اسی کا ساتھی تھا لیکن کچھ عرصہ پہلے ان میں رقم کے لین دین پر ان بن ہو گئی تھی۔ نولکھا اس کا ساتھ چھوڑ کر شارق کے قبضے میں آ گیا تھا جبکہ ماجھا فیصل آباد میں صادق کو ان کی پارٹی سے توڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ نولکھا منشیات فروش ہی نہیں خونی بھی تھا۔ ماجھے کو اچھی طرح یاد تھا کہ ایک سال پہلے اس نے لکشمی چوک پر سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں ایک رکشہ ڈرائیور کو قتل کر دیا تھا اور صاف بچ نکلا تھا۔ پولیس اس کے خلاف کوئی گواہ پیش نہیں کر سکی تھی۔ اور اب نولکھا کا یہاں آنا ماجھا گجر کے خیال میں خالی از علت نہیں ہو سکتا تھا اس کے ذہن میں یہی خیال آیا تھا کہ شارق اس پر جوابی حملے کی تیاری کر رہا ہے اور اسے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

شارق دو دن تک غائب رہا۔ ماجھا گجر کے آدمی اس کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ نولکھا بدستور لاہور ہی میں تھا۔ ماجھا گجر شارق سے اس لئے بھی خوف زدہ تھا کہ وہ اس کے بہت سے راز جانتا تھا۔ وہ چھانگا کے ساتھ ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتا تھا۔ چھانگا کی ان دنوں ماجھا گجر سے گاڑی چھنتی تھی۔ شارق کا اس کے ساتھ آنا جانا تھا اور شارق اس کے تہہ خانے کے راز سے بھی واقف تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ماجھا گجر شہر میں ہیروئن کی سپلائی کے علاوہ سرحدی گاؤں بھینی کے ایک زمیندار کے ساتھ اسمگلنگ میں بھی ملوث ہے اور خورد و نوش کی اشیاء اور سونا بھارت اسمگل کر کے وہاں سے اسلحہ اور اسی قسم کی چیزیں اسمگل کرتا تھا۔

یہی سب باتیں اب ماجھا گجر کو پریشان کر رہی تھیں۔ اس لئے وہ شارق کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔ اس طرح اسے دو فائدے ہوتے۔ پہلے تو یہ کہ اس کے راز محفوظ رہتے اور دوسرا یہ کہ وہ لاہور کی منشیات کی مارکیٹ پر قابض ہو جاتا۔ لاہور میں اگرچہ اور بھی کئی پارٹیاں تھیں مگر ماجھے کو ان کی پرواہ نہیں تھی۔ اسے یقین تھا کہ شارق کے ختم ہو جانے کے بعد باقی پارٹیاں خود بخود اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں گی۔

ماجھا گجر کے آدمی شارق کی تلاش میں پورے شہر میں گھوم رہے تھے لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ بالآخر ایک اور ترکیب اس کے ذہن میں آ گئی۔ اسے کسی سیانے کا یہ قول یاد آ گیا کہ جس درخت کو گرانا ہو تو پہلے اس کی جڑوں کے آس پاس کی زمین کھودی جائے اور ماجھا گجر

نے شارق کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سب سے پہلے اس کی نظر نکا پہلوان پر پڑی تھی۔ شارق نے نکا پہلوان پر دو ڈھائی لاکھ روپے کا قرضہ معاف کر دیا تھا اور نکا پہلوان شارق کی محبت کا کچھ زیادہ ہی دم بھرنے لگا تھا۔

اس روز ماجھا گجر شام سے پہلے ہی اپنے گاؤں چلا گیا تھا۔ گاؤں سے تقریباً دو فرلانگ دور اس کا بھینسوں کا ڈیرہ ہوا کرتا تھا۔ بہت بڑا باڑہ تھا جہاں تقریباً دو سو بھینسیں بندھا کرتی تھیں۔ لیکن اس نے تمام بھینسیں بیچ کر سارا پیسہ منشیات کے بزنس میں لگا دیا تھا۔ وہ باڑہ بہرحال اب بھی موجود تھا۔ اس کے ساتھ تین چار کمرے بھی تھے۔

ماجھا نے گاؤں سے اپنا ایک آدمی منگوا لیا تھا۔ جو اس کے لئے رات کا کھانا بھی تیار کر کے لے آیا۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد ماجھا گجر کمرے میں پلنگ پر لیٹ گیا۔ وہ بار بار کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھ رہا تھا۔ رات گیارہ بجے کے قریب کوئی گاڑی وہاں آ کر رکی اور اس کے کچھ ہی دیر بعد اس کے دو آدمی نکا پہلوان کو لے کر اندر داخل ہوئے۔ نکا پہلوان کے چہرے پر خوف نمایاں تھا۔

"آؤ... آؤ میرے نکے پہلوان' آج کل تو تم بڑی اونچی ہواؤں میں اڑ رہے ہو۔" ماجھا گجر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تمہارے آدمی مجھے اس طرح پکڑ کر یہاں کیوں لائے ہیں۔" نکا پہلوان اپنے خوف پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ویسے اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اسے دھوکے سے پکڑ کر یہاں کیوں لایا گیا ہے۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہیں یہاں کیوں لایا گیا ہے۔" ماجھا گجر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "دیکھو نکے! میری اور تمہاری دوستی بہت پرانی ہے۔ شارق تو کل کا لونڈا ہے اسے کیا پتہ کہ کاروبار کیا ہوتا ہے۔ وہ چند روز بعد سب کچھ چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔"

"اگر تمہیں اس کے بھاگ جانے کی امید ہے تو اس قدر پریشان کیوں ہو رہے ہو؟" نکا پہلوان نے اسے گھورا۔

"اس کی وجہ سے مجھے لاکھوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "اس کے بھاگنے سے پہلے میں اسے سبق سکھانا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اس طرح بھاگے کہ دوبارہ کھڑا ہونے کی ہمت نہ کر سکے۔"

"تو پھر مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" نکا پہلوان نے کہا۔

"تم شارق کو چھوڑ دو۔" ماجھا گجر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میں

شارق کے تمام آدمیوں کو اس سے توڑنا چاہتا ہوں۔ وہ اکیلا رہ جائے گا اور پھر میں اسے بھاگنے کا راستہ بھی نہیں دوں گا۔ شارق ختم ہو جائے گا اور لاہور کی پوری مارکیٹ پر میرا قبضہ ہو گا۔"

"تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو گا ماجھے۔" نکا پہلوان نے کہا۔ "شارق کوئی اتنا کمزور نہیں ہے جسے تم اس قدر آسانی سے بھاگنے پر مجبور کر سکو۔ اس نے اپنے پیر بڑی مضبوطی سے جما رکھے ہیں۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"اگر تم لوگ اس کا ساتھ چھوڑ دو تو وہ اکیلا رہ جائے گا اور اس کے پیر خود بخود اکھڑ جائیں گے۔"

"نہیں میں اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔" نکا پہلوان نے کہا۔

"یہ بات تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ اس نے تمہارا ڈھائی لاکھ روپے کا قرضہ معاف کر دیا تھا؟" ماجھا گجر نے اسے گھورا۔ "یہ رقم مجھ سے لے کر اس کے منہ پر دے مارو جا کر۔ ڈھائی لاکھ کیا پانچ لاکھ لے لو مجھ سے۔"

"بات رقم کی نہیں ماجھے اصول کی ہے۔" نکا پہلوان نے کہا۔ "تم مجھے اچھی طرح سے جانتے ہو۔ نکا پہلوان کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔"

"میں تم سے صرف ایک کام لینا چاہتا ہوں۔" ماجھا گجر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "شارق روپوش ہو گیا ہے تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ کہاں ہے۔ تم اسے ایک مرتبہ یہاں لے آؤ۔ اس کے بعد تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔ آگے کا معاملہ میرے آدمی سنبھال لیں گے۔ شارق کو یہ شبہ بھی نہیں ہو گا کہ تم اسے دھوکے سے یہاں لائے ہو۔ اس کے بدلے میں تمہیں پانچ لاکھ روپے نقد دوں گا اور باغبانپورے کا پورا علاقہ تمہارے کنٹرول میں ہو گا۔ میرے آدمی اس علاقے میں دھندہ نہیں کریں گے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" نکا پہلوان نے کہا۔ "میں شارق کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتا۔"

"سوچ لو نکے پہلوان۔" ماجھا گجر نے اسے گھورا۔ "میری پیشکش قبول کر کے تم عیش کرو گے۔ دوسری صورت میں شارق کا تو میں بندوبست کر ہی لوں گا مگر تمہارا بھی جو انجام ہو گا وہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"میں اپنے انجام سے نہیں ڈرتا۔" نکا پہلوان نے جواب دیا۔ "لیکن میں شارق جیسے آدمی کے ساتھ فراڈ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"اوئے بگے۔" ماجھا گجر نے اپنے ایک آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کو ذرا اپنی زبان میں سمجھاؤ نا کہ میرے اور شارق میں کیا فرق ہے۔"

"آؤ نا ذرا میرے ساتھ نکے پہلوان جی۔" بگے نے نکا پہلوان کو کالر سے پکڑ لیا اور اسے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا۔ ان کمروں سے چند قدم آگے ایک کنواں تھا جس پر رہٹ لگا ہوا تھا۔ رہٹ کافی عرصہ سے استعمال میں نہیں تھا۔ ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ ایک بہت موٹا شہتیر پل کی طرح کنویں پر رکھا ہوا تھا۔

"اب بھی وقت ہے مان جا' عیش کرے گا۔" بگے نے نکا پہلوان کی گردن کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ "انکار کرنے کی صورت میں یہ سمجھ لے کہ آج تو میرے ہاتھ سے خرچ ہو جائے گا۔"

"اوہ میں ایسی دھمکیوں سے نہیں ڈرتا۔" نکا پہلوان نے کہا۔ "شارق باؤ سے یاری ہے کوئی مخول نہیں۔"

"میں ابھی بتاتا ہوں کہ یاری کیا ہوتی ہے۔" بگے نے کہا اور اچانک ہی اس کے منہ پر زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔

نکا پہلوان کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گرا۔ بگے نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھا لیا اور اس کے منہ پر پے در پے گھونسے برسانے لگا۔ نکا پہلوان چیخ رہا تھا۔

"یہاں تمہاری چیخیں کوئی نہیں سنے گا۔" بگے نے کہا۔ "اس لئے تمہارے چیخنے پر کوئی پابندی نہیں۔ جتنا چیخنا چاہو چیختے رہو۔"

ایک اور آدمی بھی بگے کی مدد کو پہنچ گیا تھا۔ وہ دونوں نکا پہلوان کی پٹائی کرنے لگے۔ نکا پہلوان کی دھوتی کھل گئی۔ وہ ان دونوں کے درمیان فٹ بال بنا پٹتا رہا۔ لیکن اس کی زبان پر ایک ہی جواب تھا۔ نہیں۔ وہ اگرچہ دبلا پتلا اور چھوٹے قد کا آدمی تھا لیکن بہت سخت جان ثابت ہو رہا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک ان کی ہر بات مان چکا ہوتا۔

ماجھا گجر دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اسے بھی نکا پہلوان پر حیرت ہو رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ چار ہاتھ پڑنے کے بعد نکا پہلوان اس کی بات مان لے گا مگر وہ تو بڑا سخت جان ثابت ہوا تھا۔

"اسے کنویں کے پانی میں دو چار غوطے دو۔ اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔" اس نے بگے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

بگے کا ساتھی ایک کمرے سے لمبی سی رسی اٹھا لایا۔ پہلے نکا پہلوان کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے پھر وہی رسی اس کی بغلوں سے گزار کر سر سے ایک فٹ اوپر گرہ لگا دی اور ان دونوں نے پہلوان کو پکڑ کر کنویں میں لٹکا دیا۔ شڑاپ کی ہلکی سی آواز سے یہ پتہ چل گیا کہ وہ پانی تک پہنچ گیا تھا۔ ماجھا گجر ٹارچ لے کر آ گیا۔ وہ کنویں کی منڈیر پر جھک کر ٹارچ کی روشنی میں دیکھنے لگا۔

اور اس کا ساتھی تھوڑی دیر بعد رسی ڈھیلی کر کے نکا پہلوان کو پانی میں غوطے دے رہے تھے۔ اسے جب بھی پانی سے باہر نکالا جاتا وہ چیخنا شروع کر دیتا۔ کنویں کی منڈیر پر جھکا ہوا ماجھا گجر ہر مرتبہ اس سے پوچھتا مگر ہر مرتبہ نکے پہلوان کا جواب نفی میں ہوتا۔

آخری مرتبہ نکا پہلوان کو غوطہ دے کر ماجھا گجر کے اشارے پر بگے نے رسی کنویں پر رکھے ہوئی شہتیر سے باندھ دی اور وہ دونوں کنویں کی منڈیر سے اتر آئے۔

"وہ مر جائے گا ماجھے۔" بگے نے کہا۔

"مرنے دو۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔ "وہ میرے کام نہیں آ سکتا تو اسے شارق کے کام بھی نہیں آنا چاہئے۔"

دس منٹ بعد نکا پہلوان کو کنویں سے نکالا تو وہ ختم ہو چکا تھا۔ پانی بھر جانے سے اس کا پیٹ پھول گیا تھا اسے کنویں کی قریب ہی زمین پر ڈال دیا گیا۔

"وہاں قبر کھود کر دفن کر دو اسے۔" ماجھا گجر نے بگے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے نکا پہلوان کے مر جانے کی ذرا سی بھی پرواہ نہیں تھی۔

بگا پھاوڑا اٹھا لایا اور جس جگہ بھینسوں کا گوبر جمع کیا جاتا تھا وہاں گڑھا کھودنے لگا۔ قبر اس نے زیادہ گہری نہیں کھودی تھی۔ وہ پھاوڑا قبر کے قریب ہی چھوڑ کر نکے پہلوان کی لاش کی طرف آ گیا۔ دوسرا آدمی بھی اس کے ساتھ تھا۔

"رسی کھول دیں اس کی۔" بگے نے کہا۔

"رہنے دو یار تھوڑا سا نقصان برداشت کر لو۔ بازار سے نئی رسی لے آنا۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔

بگے اور اس کے ساتھی نے نکا پہلوان کی لاش اٹھا کر گڑھے میں ڈال دی اور اس پر مٹی بھرنے لگے۔ گڑھا پر کرنے کے بعد انہوں نے اوپر بھوکھا ہوا گوبر پھیلا دیا اب اس جگہ کو دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں کسی کو دفن کیا گیا ہے۔

وہ رات ماجھا گجر نے اپنے اس ڈیرے پر ہی گزاری تھی۔ صبح وہ دیر تک سوتا رہا جاگنے کے کچھ دیر بعد اس نے اپنے آدمیوں کو وہیں سے شہر بھیج دیا اور خود اپنی گاڑی پر گاؤں آ گیا۔

سہ پہر پانچ بجے تک کا وقت ماجھا گجر نے اپنے گاؤں والے گھر ہی میں گزارا اور پھر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ کار ڈرائیو کرتے ہوئے وہ بار بار شارق اور نکا پہلوان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ نکا پہلوان کے اس طرح غائب ہو جانے سے شارق یقیناً پریشان ہو گا اور اس کے کاروبار پر

بھی اثر پڑے گا۔ ایک بڑا اڈا بند ہو جانے سے اسے لاکھوں کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اور جب یکے بعد دیگرے اس کے آدمی اسی طرح غائب ہونے لگیں گے تو شارق کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے وہ یا تو میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا یا اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا اور پھر لاہور کی منشیات کی مارکیٹ پر اس کی اجارہ داری کو کوئی نہیں روک سکے گا۔

○

شارق دو دن تک اس مکان سے باہر نہیں نکلا۔ ثمینہ نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔ شارق کی شرافت کا بھرم بھی کھل گیا تھا۔ وہ اس کے سامنے ذرا سی مزاحمت بھی تو نہیں کر سکی تھی۔ وہ کس قدر آسانی سے تسخیر ہو گئی تھ....!!!

شارق تیسرے روز رات نو بجے کے قریب گھر سے نکلا۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ ثمینہ کو اپنے ساتھ کہیں لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اسے چوبیس گھنٹے گھر میں بند بھی نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک ترکیب تھی لیکن اس ترکیب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بھی دو تین روز کا وقت درکار تھا۔

گھر سے نکلتے ہوئے اس نے ثمینہ سے کہہ دیا تھا کہ ممکن ہے وہ رات کو گھر واپس نہ آئے۔ وہ گھر کے دروازے بند کر کے رکھے۔

گھر سے نکل کر شارق سیدھا مزنگ والے ڈیرے پر پہنچا۔ وہاں نولکھا کو دیکھ کر شارق کو اطمینان سا ہوا۔ اس کی یہاں موجودگی کا مطلب یہی تھا کہ پولیس کو اس کے بارے میں پتہ نہیں چلا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ صورت حال نارمل ہے۔" شارق نے نولکھا کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن زیادہ نہیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "تم نے شاید اخبار نہیں پڑھا۔ ثمینہ کے باپ نے اپنی بیٹی کے اغوا کی رپورٹ لکھوائی ہے۔ اور میرا حلیہ بھی پولیس کو بتایا ہے۔ اس کے کہنے کے مطابق اس کی بیٹی فیصل آباد سے واپس آئی تھی کہ گھر پہنچنے سے پہلے ہی اسے اسلحہ کے زور پر اغواء کر لیا گیا۔ پولیس اب میرے حلئے کے آدمی کو تلاش کرتی پھر رہی ہے۔"

"فیصل آباد کی کوئی خبر؟" شارق نے پوچھا۔

"ایک اور خبر اخبار میں چھپی تھی۔" نولکھا نے کہا۔ "یہ خبر فیصل آباد پولیس کے حوالے سے چھپی ہے کہ پولیس ثمینہ نامی کالج کی لیکچرار سے قتل کی ایک واردات کے سلسلے میں پوچھ گچھ کرنا چاہتی تھی لیکن ثمینہ روپوش ہو گئی۔ پولیس کا خیال ہے کہ ثمینہ بعض سنگین جرائم میں ملوث ہو

سکتی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ فیصل آباد کی پولیس نے لاہور میں اس کے گھر والوں سے بھی رابطہ قائم کیا ہو گا۔" شارق بولا۔

"یقیناً ایسا ہوا ہو گا۔" نولکھا نے کہا۔ "یہ پولیس جرائم پیشہ لوگوں کو تو معاف کر سکتی ہے لیکن شریف آدمیوں کو تو یہ لوگ معاف نہیں کرتے۔"

"ہوں۔" شارق نے ہنکارہ بھرا پھر نولکھا والے کمرے سے نکل کر گاما کے پاس آ گیا۔ "تمہارا دھندہ کیسا ہے بھئی؟"

"اپنا دھندہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔" گاما نے کہا۔

"کیا بات ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"نکا پہلوان کل رات سے غائب ہے۔ آج شام کو اس کا ایک بندہ اس کے بارے میں معلوم کرنے آیا تھا۔"

"یہ تو واقعی گڑبڑ والی بات ہے۔" شارق بولا۔ "بہرحال' پتہ کر لیتے ہیں اس کا۔"

تقریباً آدھے گھنٹے بعد شارق نولکھا کو ساتھ لے کر ڈیرے سے نکل آیا وہ ایک ٹیکسی پر بیٹھ کر سیدھا باغبانپورہ نکا پہلوان کے ڈیرے پر پہنچا۔ نکا پہلوان کے لئے کام کرنے والے تین آدمی اس وقت ڈیرے پر موجود تھے۔ شارق ان میں سے صرف ایک کا نام جانتا تھا۔

"نکا پہلوان کا کچھ پتہ چلا حنیف؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں شارق باؤ۔" حنیف نے جوابدیا۔ "پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔"

"کوئی بلانے آیا تھا یا کسی کا پیغام ملا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" حنیف نے جواب دیا۔ "کل تقریباً اسی وقت باہر نکلا تھا۔ میں سمجھا کہ وہ سڑک پر کھڑا ہو گا۔ کبھی کبھی وہ گیٹ کے سامنے سڑک پر کھڑا ہو جایا کرتا تھا۔ میں اندر بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہا۔ یہ رحمت بھی میرے پاس بیٹھا تھا۔ جب بہت دیر تک وہ اندر نہیں آیا تو میں نے باہر آ کر دیکھا۔ وہ سڑک پر کہیں بھی نہیں تھا۔ پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا۔"

"تھانے وغیرہ میں پتہ کیا؟" شارق نے پوچھا۔

"آج دوپہر کو پتہ کیا تھا۔ وہ بھی کچھ نہیں جانتے۔" حنیف نے جواب دیا۔

اسی دوران نکا پہلوان کا مغل پورہ کا ایک گاہک آ گیا۔ وہ یہاں سے روزانہ ڈھائی سو گرام افیون لے کر جایا کرتا تھا۔ وہ انہیں نکے پہلوان کے بارے میں باتیں کرتے دیکھ کر بولا۔

"نکا پہلوان کو کل میں نے بگا کے ساتھ کار میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"بگے کے ساتھ..... کب، کس وقت؟" حنیف چونک گیا۔

"کل جب میں یہاں سے مال لے کر گیا تھا تو شالا مار والے موڑ پر کھڑا اپنے ایک دوست سے باتیں کر رہا تھا کہ نکا پہلوان کو بگے کے ساتھ کار میں بیٹھے دیکھا۔ وہ داروغہ والا کی طرف گئے تھے۔"

"بگا کون ہے؟" شارق نے حنیف سے پوچھا۔

"ماجھا گجر کا آدمی ہے۔ اندھے والے موڑ پر سودا بیچتا ہے۔" حنیف نے جواب دیا۔

"ہوں۔" شارق خاموش ہو گیا۔

وہ آدمی حنیف سے سودا لے کر چلا گیا تو شارق نے کہا۔

"حنیف! تم میرے ساتھ آؤ۔ اب یہ معلوم کرنا زیادہ مشکل نہیں رہا کہ نکا پہلوان کہاں ہے چلو نولکھے۔" شارق نے کہا۔

وہ تینوں حق نواز روڈ پر نکل آئے۔ چند قدم آگے گھاس منڈی کے موڑ پر ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔ وہ تینوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔

"کہاں جانا ہی جی۔" ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سیدھے چلتے رہو استاد۔ پیسے کی فکر مت کرنا۔ تمہاری دہاڑی آج ہمارے ساتھ ہی لگے گی۔" شارق نے کہا۔

ٹیکسی حرکت میں آ گئی۔ اندھے والے موڑ سے ذرا آگے نکل کر حنیف نے ٹیکسی رکوائی۔ بڑی بارونق جگہ تھی۔ پان سگریٹ کی دو تین دکانیں تھیں۔ آمنے سامنے دو دکانیں مچھلی فروخت کرنے والوں کی تھیں۔ چائے کی دکانیں تھیں۔ باہر کرسیاں اور میزیں بچھی ہوئی تھیں۔ کونے میں ایک پھولوں والی دکان بھی تھی۔ اسی پھولوں والی دکان کے سامنے بگا کھڑا تھا۔ وہ لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ لاچہ دھاری دار اور سفید اجلا کرتا پہنے ہوئے تھا۔ گلے میں موتیے کا ہار بھی پڑا ہوا تھا۔

"وہ پھولوں والی دوکان کے سامنے جو آدمی ہار پہنے کھڑا ہے وہی بگا ہے۔" حنیف نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"نولکھے!" شارق نے نولکھا کو مخاطب کیا۔ "اسے لے کر آؤ۔ کسی کو پتہ نہ چلے۔"

"فکر ہی نہ کرو۔" نولکھا کہتے ہوئے ٹیکسی سے اتر گیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا پھولوں کی دوکان کے سامنے پہنچ کر بگے کے قریب رک گیا۔ بگے نے اس کی طرف دیکھا مگر زیادہ توجہ نہ دی۔ "بگے!" نولکھا نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "میرے ہاتھ میں پستول ہے۔ خاموشی سے میرے ساتھ اس ٹیکسی کی طرف چلو۔ اور کوئی آواز نکالی یا کسی کو اشارہ کیا تو گولی مار دوں گا۔"

بگا اچھل پڑا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ نولکھا کے ہاتھ میں پستول اس طرح دبا ہوا تھا کہ اس کی نال کا اگلا تھوڑا سا حصہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ خاموشی سے نولکھا کے ساتھ چل پڑا۔ ٹیکسی کے قریب پہنچ کر اس نے اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شارق کی شکل دیکھی تو بری طرح چونک گیا۔ پچھلی سیٹ پر حنیف بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔

"چل اوئے بیٹھ اندر۔" نولکھا نے اسے ہلکا سا دھکا دیا۔

بگا ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ ہی نولکھا بھی بیٹھ گیا۔ اس طرح بگا حنیف اور نولکھا کے بیچ میں سینڈوچ بن کر رہ گیا۔ نولکھا نے پستول کی نال اس کے پہلو سے لگا دی تھی۔ حنیف نے بھی پستول نکال لیا تھا۔ بگا کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اس کی شامت آ گئی تھی۔

ٹیکسی حرکت میں آ گئی تھی۔ حنیف نے ڈرائیور کو داروغہ والا کی طرف چلنے کو کہا تھا۔ حنیف سمجھ گیا تھا کہ شارق نے بگے کو کیوں اٹھایا تھا۔

"شارق باؤ۔" بگا نے شارق کو مخاطب کیا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ "تم بہت غلط حرکت کر رہے ہو۔ ماجھا گجر تمہیں بخشے گا نہیں۔"

"ماجھے سے تو میں بعد میں نمٹ ہی لوں گا فی الحال تم اپنی فکر کرو۔" شارق نے جواب دیا۔

ٹیکسی ڈرائیور بھی سمجھ گیا کہ معاملہ گڑبڑ ہے۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر اس کا خوفزدہ ہو جانا فطری بات تھی۔

"صاحب جی۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے خوفزدہ سے لہجے میں بولا۔ "میرا خیال رکھنا جی۔ میرے نکے نکے بچے ہیں۔ میرے سوا کوئی کمانے والا بھی نہیں ہے۔"

"ڈرو مت نہیں تم ہمیں چھوڑ کر واپس چلے جاؤ گے اور اپنی زبان بند رکھو گے۔" شارق نے جواب دیا۔

ٹیکسی داروغہ والا سے شادی پور کی طرف مڑ گئی۔ تقریباً ایک میل آگے جانے کے بعد حنیف نے ٹیکسی رکوا لی۔ یہ سڑک تقریباً سنسان پڑی تھی۔ بائیں طرف تو آبادی تھی اور دائیں طرف سڑک کے ساتھ ساتھ کہیں کھیت تھے کہیں کوئی فیکٹری تھی اور کہیں مکان وغیرہ بن رہے تھے۔ جس جگہ وہ ٹیکسی سے اترے تھے وہاں سے ذرا آگے سڑک کے دائیں طرف ایک اسٹیل ری رولنگ فیکٹری تھی۔ کئی سال پہلے یہ فیکٹری بند ہو چکی تھی۔ اس کی مشینری وغیرہ دوسری جگہ لگائی جانے والی فیکٹری میں منتقل کر دی گئی تھی اور اس جگہ کو اب گودام کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ یہاں صرف ایک چوکیدار رہتا تھا۔ اس کی رہائش بھی یہیں تھی۔ وہ حنیف کا دوست تھا اور

حنیف اسی لئے انہیں یہاں لے کر آیا تھا۔

ٹیکسی واپس مڑ کر بڑی تیزی سے داروغہ والا کی طرف روانہ ہو گئی۔ ڈرائیور نے یہ دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ وہ لوگ اغواء کر کے لانے والے آدمی کو کہاں لے کر جاتے ہیں۔

وہ چاروں فیکٹری کے گیٹ پر آ گئے۔ شارق اور نولکھا نے بگا کو اپنے درمیان میں لے رکھا تھا۔ حنیف نے آگے بڑھ کر گیٹ کھٹ کھٹایا۔ آہنی گیٹ کھٹ کھٹانے کی آواز سناٹے میں دور تک پھیل گئی تھی۔ تقریباً دو منٹ بعد چھوٹا دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا چار آدمیوں کو سامنے دیکھ کر گڑبڑا سا گیا۔

"کک.... کون ہو تم لوگ؟" وہ خوفزدہ سے لہجے میں بولا۔

"اوئے میں ہوں حنیفا!" حنیف نے کہا۔ "ہمیں اندر تو آنے دو نواب۔"

چوکیدار نے حنیف کی آواز پہچان لی۔ وہ ایک طرف ہٹ گیا اور شارق وغیرہ گیٹ میں داخل ہو گئے۔ نواب نے فوراً ہی گیٹ بند کر دیا۔

"کیا بات ہے حنیف۔ یہ لوگ کون ہیں؟" نواب نے پوچھا۔

"اپنے یار ہیں فکر کی کوئی بات نہیں یہ لو.... عیش کرو۔ یہ سمجھ لو کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے۔" حنیف نے جیب سے پلاسٹک کی ایک پڑیا نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

یہ فیکٹری بڑے وسیع و عریض رقبے پر تھی۔ ایک طرف اسکریپ کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ایک طرف تیار شدہ سریئے کے ڈھیر تھے۔ ان کے پیچھے خالی جگہ تھی۔ اور اونچے شیڈ پر ایک بلب جل رہا تھا۔ سو واٹ کے بلب کی روشنی تاریکی دور کرنے میں بری طرح ناکام ہو رہی تھی۔ البتہ وہاں چلنے پھرنے کے لئے وہ روشنی کافی تھی۔

"تم جاؤ.... اپنی کوٹھری میں جا کر آرام کرو۔ جب ہم واپس جائیں گے تو تمہیں بتا دیں گے۔" حنیف نے نواب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ بگے کو لے کر فیکٹری کے بالکل آخری حصے میں آ گئے۔ یہاں ایک طرف لوہے کے گارڈرز کا انبار لگا ہوا تھا۔ شارق رک گیا۔

"اس کی تلاشی لو۔" اس نے نولکھا کو مخاطب کیا۔

نولکھا بگے کی تلاشی لینے لگا۔ کرتے کے نیچے شلوار کی جیبوں میں ہیروئن کی پڑیاں اور نوٹ بھرے ہوئے تھے۔ لاچے کی ڈب میں پستول بھی تھا۔ نولکھا نے سب کچھ نکال کر حنیف کے حوالے کر دیا۔

"تت.... تم لوگ مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔" بگا ہکلایا۔ "اپنی اس حرکت پر تم لوگوں کو پچھتانا

پڑے گا۔"

"ہم تو پچھتانے کے عادی ہو چکے ہیں لیکن تم کیوں کانپ رہے ہو۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر تم میرے صرف ایک سوال کا ٹھیک جواب دے دو تو تمہیں عزت و احترام کے ساتھ تمہارے اڈے پر پہنچا دیا جائے گا۔"

"کک.... کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" بگا نے پوچھا۔

"نکا پہلوان کہاں ہے؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"نکا پہلوان!" بگے کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ "مم.... مجھے نہیں معلوم.... میں نے تو اسے کئی روز سے نہیں دیکھا۔"

شارق نے اچانک ہی اس کے منہ پر زور دار تھپڑ رسید کر دیا۔ بگا لڑکھڑا گیا۔

"بگے!" شارق کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "کل رات دس بجے کے قریب نکا پہلوان کو تمہارے ساتھ کار میں باغبانپورہ سے اس طرف آتے ہوئے دیکھا گیا تھا اس کے بعد سے وہ لاپتہ ہے۔ میں تمہیں ایک آخری موقع دے رہا ہوں۔ اگر تم سچ بتا دو کہ نکا پہلوان کہاں ہے تو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

"مم.... میں کچھ نہیں جانتا۔" بگا اپنا گال سہلاتے ہوئے بولا۔

"نولکھے!" شارق نے نولکھا کی طرف دیکھا۔ "اس سے معلوم کرو کہ نکا پہلوان کہاں ہے۔ اس کی زبان کھلوانے کے لئے تم جو بھی طریقہ اختیار کرو گے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا لیکن اسے اس وقت تک زندہ رہنا چاہئے جب تک یہ کچھ بتا نہیں دیتا۔"

"ہاں بھئی بگے کیا ارادہ ہے۔" نولکھا اس کے قریب آ گیا۔

"مم.... میں کچھ نہیں جانتا.... مجھے نہیں معلوم۔" بگا پیچھے ہٹنے لگا۔

نولکھا نے اچانک ہی اس کے پیٹ پر ٹھوکر مار دی۔ بگا بلبلاتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ نولکھا نے گھٹنے سے اس کے منہ پر ٹھوکر لگائی۔ اس مرتبہ بگا ایک جھٹکے سے سیدھا ہو گیا۔ وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔ نولکھا نے اس کے جبڑوں پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ ہر گھونسے پر بگا بلبلا اٹھتا۔

"تم اپنے آپ کو بہت بڑے بدمعاش سمجھتے ہو۔" نولکھا اسے ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔

"لیکن جو کچھ تم کرتے ہو وہ بدمعاشی نہیں ہے۔ آج میں تمہیں بتاتا ہوں کہ بدمعاشی ہوتی کیا ہے۔" نولکھا نے اس پر تابڑ توڑ حملے کر دیئے۔

بگا زمین پر لوٹ رہا تھا۔ اور نولکھا اس پر ٹھوکروں کی بارش کر رہا تھا۔ شارق کو اس پر حیرت ہو رہی تھی نولکھا کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ اندر سے کھوکھلا ہو گا لیکن بگے پر اتنی محنت

کرنے کے باوجود وہ بالکل تازہ دم نظر آ رہا تھا۔ اس نے بگے کو دو تین ٹھوکریں اور مارنے کے بعد چھوڑ دیا اور جیب سے چاقو نکال لیا۔

"میں تمہاری بوٹیاں کاٹ کر کتوں کو کھلا دوں گا۔" نولکھا چاقو کی دھار پر انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔ "اب بھی وقت ہے بتا دو۔"

"مم..... میں کچھ نہیں جانتا۔" بگا ہکلایا۔ خوف کی شدت سے اس کا چہرہ بالکل سیاہ پڑ گیا تھا۔

نولکھا اسکے قریب جھک گیا۔ اس نے چاقو کی نوک بگے کے گال پر رکھ دی۔ بگے کی آنکھیں خوف کی شدت سے پھیل گئیں۔ نولکھا نے ہلکا سا دباؤ ڈال کر اسے دائیں سے بائیں کھینچ لیا۔ بگے کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی۔ اس کے گال پر پہلے سرخ لکیر سی بنی پھر خون رسنے لگا۔

"دوسری مرتبہ چاقو تمہارے سینے میں اترے گا۔" نولکھا نے کہا۔ "زبان کھول دو تو میرا ہاتھ رک سکتا ہے۔"

"مم..... ماجھا مجھے..... زندہ نہیں چھوڑے گا۔" بگا ہکلایا۔

"زندہ تو تمہیں میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" نولکھا نے چاقو والا ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس کے سینے پر وار کرنا چاہتا ہو۔

"رک جاؤ نولکھے۔" شارق ہاتھ اٹھاتا ہوا آگے آ گیا اور بگا کے قریب جا کر جھک کر بیٹھ گیا۔ "اگر تم سب کچھ سچ سچ بتا دو تو میں تمہیں تحفظ کی ضمانت دے سکتا ہوں۔ ماجھا گجر تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ بتاؤ نکا پہلوان کہاں ہے؟ اگر تم نے اب بھی زبان نہ کھولی تو پھر میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

"وہ..... ختم ہو چکا ہے۔" بگے نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا؟" حنیف اچھل پڑا۔ اس نے آگے بڑھ کر بگے پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ شارق نے بڑی مشکل سے اسے قابو کیا تھا۔

"وہ کیسے مرا..... تفصیل بتاؤ۔" شارق پھر بگے کے پاس بیٹھ گیا۔

"ماجھا گجر تمہیں زک پہنچانا چاہتا تھا۔" بگے نے کہا اور پھر نکا پہلوان کے بارے میں اسے تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "میں نے ماجھا گجر کو منع کیا تھا کہ اسے قتل نہ کیا جائے لیکن اس نے میری بات نہیں مانی۔ اسے دس منٹ تک کنویں کے پانی میں ڈبوئے رکھا اور پھر اس کی لاش وہیں دفن کر دی گئی۔"

"ہوں۔" شارق بولا۔ "ماجھا گجر کی اب شامت ہی آ گئی ہے۔ نولکھے! ختم کر دو اسے۔" شارق نے آخری الفاظ نولکھا سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔ اس کے لہجہ میں درندگی تھی۔

"نن..... نہیں۔" بگا چیخا۔ "تم نے وعدہ کیا تھا کہ....."

"اگر نکا پہلوان زندہ ہوتا تو میں اپنا وعدہ ضرور پورا کرتا۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں خون کے بدلے خون کا قائل ہوں۔"

بگے نے اٹھنا چاہا مگر حنیف نے آگے بڑھ کر ایک بار پھر اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ اس دوران نولکھا نے موقع پا کر چاقو بگے کے سینے میں اتار دیا۔ اس نے دو تین وار کئے اور چاقو کھینچ لیا۔ بگا تڑپتا ہوا ادھر سے ادھر لوٹ رہا تھا۔ اس کے خون کے چھینٹے چاروں طرف اڑ رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ٹھنڈا ہو گیا نولکھا نے چاقو کا بلیڈ بگا ہی کے لباس سے رگڑ کر صاف کیا اور اسے بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔ اس کے چہرے پر ذرا سی بھی پشیمانی یا ندامت نہیں تھی۔

"لاش کو یہاں چھوڑنا ٹھیک نہیں ہو گا میرا خیال ہے اسے فیکٹری کے پیچھے کھیتوں میں پھینک دیا جائے۔ کل دن میں کوئی نہ کوئی اسے دیکھ ہی لے گا۔" شارق نے کہا۔

"اور اگر رات کو کتوں نے دعوت اڑا لی تو؟" نولکھا بولا۔

"ایسے لوگوں کا یہی انجام ہونا چاہئے۔" شارق نے جواب دیا۔

فیکٹری کی پچھلی دیوار میں بھی ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جس میں کنڈا لگا ہوا تھا اور ایک مڑی ہوئی تار کنڈی میں پھنسی ہوئی تھی۔ نولکھا نے تار نکال کر کنڈا کھول دیا۔ پچھلی طرف کھیت کافی گہرائی میں تھے۔ دروازے کے ساتھ مٹی ڈال کر ایک ڈھلان سی بنا دی گئی تھی۔ نولکھا اور حنیف نے ہاتھوں اور پیروں سے بگے کی لاش کو اٹھا لیا اور اسے ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے دروازے سے باہر لے آئے۔

شارق نے لوہے کا ایک ٹکڑا اٹھا لیا اور زمین پر بکھرا ہوا خون چھپانے کے لئے مٹی کو اوپر نیچے کرنے لگا۔ جہاں تک ممکن ہو سکا اس نے مٹی کو تہہ و بالا کر کے خون کے دھبے غائب کر دیئے۔ نولکھا اور حنیف تقریباً دس منٹ بعد واپس آئے۔

"کہاں پھینکی لاش؟" شارق نے پوچھا۔

"فیکٹری سے تین کھیت دور۔" نولکھا نے جواب دیا اور دروازے کا کنڈا بند کر کے اس میں مکڑے کی طرح تار پھنسانے لگا۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہئے۔" شارق بولا۔

وہ فیکٹری کے مین گیٹ کے قریب چوکیدار کی کوٹھری کے سامنے آ گئے۔ کوٹھری کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور نواب چارپائی پر لیٹا اونگھ رہا تھا۔

"نواب۔" حنیف نے کوٹھری میں داخل ہو کر اسے جھنجھوڑ دیا۔ "اٹھ کر گیٹ بند کر لے۔

ہم جا رہے ہیں۔"

نواب گڑبڑا کر اٹھ گیا۔ یہ تینوں گیٹ کھول کر فیکٹری سے باہر آ گئے۔ نواب نے اٹھ کر آنکھیں ملتے ہوئے دروازہ بند کر دیا اور دوبارہ کوٹھری میں آ کر چارپائی پر گر گیا۔ وہ نیند میں یہ بھی نہیں دیکھ سکا تھا کہ یہ لوگ جب آئے تھے تو ان کی تعداد چار تھی اور اب تین آدمی واپس جا رہے تھے۔

وہ لوگ فیکٹری سے نکل کر سڑک پر داروغہ والا کی طرف چلنے لگے۔ اس وقت تقریباً بارہ بج چکے تھے اور سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد انہیں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ حنیف نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شادی پور کی طرف سے ایک رہڑہ آ رہا تھا۔ رہڑہ جب قریب پہنچا تو حنیف نے اسے روک لیا۔ رہڑے پر پٹھے لدے ہوئے تھے۔ وہ تینوں بھی اوپر چڑھ گئے۔ داروغہ والا موڑ پر واہگہ کی طرف سے آنے والی بس مل گئی۔ یہ بس ریلوے اسٹیشن جا رہی تھی۔ حنیف تو برف خانے والے اسٹاپ پر اتر گیا اور وہ دونوں بس پر بیٹھے رہے۔ ریلوے اسٹیشن سے نولکھا اور شارق کے راستے بھی الگ ہو گئے۔ نولکھا تو مزنگ چلا گیا اور شارق چوبرجی آ گیا۔ جب وہ گھر پہنچا تو ثمینہ جاگ رہی تھی۔ اس نے پہلی ہی ہلکی سی دستک پر دروازہ کھول دیا۔

"تم سوئی نہیں ابھی تک۔" شارق نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا تھا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "تم نے مجھے اس ویران مکان میں کیوں رکھا ہوا ہے۔ یہاں تو میں بالکل قید ہو کر رہ گئی ہوں۔ تم نے کہا تھا کہ لاہور میں تمہاری ماں اور بہن بھی رہتی ہیں۔ مجھے ان کے پاس کیوں نہیں چھوڑ دیتے کم از کم کوئی باتیں کرنے والا تو ہو گا۔"

"ابھی حالات ایسے نہیں ہیں کہ تمہیں وہاں چھوڑا جائے۔" شارق نے جواب دیا۔ "پولیس ابھی تمہیں تلاش کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے اخبارات میں تمہاری تصویر بھی چھپ جائے۔ اگر کسی نے تمہیں پہچان لیا تو بچاؤ کی کوئی صورت نہیں رہے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میں ہمیشہ اس چار دیواری میں قید رہوں گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"نہیں۔" شارق نے کہا۔ "ویسے میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔ ایک دو دن انتظار کر لو۔ اس کے بعد تم آزادی سے گھوم پھر سکو گی۔"

"کیسی ترکیب؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بعد میں بتاؤں گا۔ ابھی سو جاؤ۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ بہت تھکا ہوا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔

شارق تو کچھ دیر بعد واقعی سو گیا لیکن ثمینہ دیر تک جاگتی رہی۔

صبح ناشتہ کر کے شارق پھر گھر سے نکل گیا۔ اس نے ثمینہ سے کہا تھا کہ وہ دوپہر تک لوٹ آئے گا۔ شارق سیدھا سہیل کے ریسٹورنٹ پہنچا۔ وہ بغلی دروازے سے جانے کے بجائے ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تھا۔ سہیل کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا۔ شارق ایک لمحہ کو اس کے قریب رکا۔

"مجھے ایک ضروری فون کرنا ہے۔ اوپر کمرے میں ہوں۔ تم ریسیور مت اٹھانا۔"

وہ اوپر کمرے میں آ گیا۔ ٹیلی فون کا ایک ایکس ٹینشن سیٹ یہاں بھی موجود تھا۔ قریب ہی ڈائریکٹری رکھی ہوئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک ڈائریکٹری کی ورق گردانی کرتا رہا پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ چند سیکنڈ بعد ہی دوسری طرف سے کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"لیس، پولیس اسٹیشن۔"

"ایس ایچ او صاحب سے بات کرائیں۔ ایک قتل کے بارے میں اطلاع دینی ہے۔" شارق نے کہا۔

"ایس ایچ او صاحب موجود نہیں ہیں جناب۔ میں ہیڈ محرر بول رہا ہوں۔ آپ مجھے بتایئے کس کا قتل ہوا ہے اور کہاں ہوا ہے؟" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"نکا پہلوان کا نام سنا ہے کبھی؟" شارق بولا۔

"وہ باغبانپورے کا بدمعاش۔ اس نے قتل کیا ہے؟ کس کو؟"

"اس نے قتل نہیں کیا.... وہ خود قتل ہو گیا ہے، پرسوں رات۔ اس کی لاش گڑھا کھود کر چھپا دی گئی ہے۔" شارق نے کہا۔

"قتل کہاں ہوا ہے؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"آپ کے علاقے میں۔" شارق نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے بتانے لگا کہ قتل کہاں ہوا تھا اور لاش کہاں ملے گی۔

"آپ کا نام پتہ جناب۔ مقتول سے آپ کا کیا تعلق تھا؟"

"میں فی الحال اپنے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا لیکن یہ اطلاع غلط نہیں ہے۔ اگر ایک گھنٹے تک آپ لوگ جائے وقوعہ پر نہ پہنچے تو میں ایس پی صاحب سے بات کروں گا اور آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ اس قتل میں ماجھا گجر کا ہاتھ ہے۔" شارق نے کہا اور فون بند کر دیا اسے یقین تھا کہ پولیس جائے وقوعہ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگائے گی۔

کچھ ہی دیر بعد سہیل بھی کمرے میں آ گیا۔

"کیا معاملہ ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"معاملہ ایک قتل کا ہے۔ پولیس کو اطلاع دینی تھی۔" شارق نے جواب دیا۔

سہیل نے یہ نہیں پوچھا کہ قتل کس کو کیا گیا تھا اور اس کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے۔

"کل شام کو شاہد آیا تھا۔" سہیل نے کہا۔

"خیریت؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایسے ہی آ گیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ تم کئی کئی روز تک گھر سے غائب رہتے ہو اور ماں جی اور رضیہ پریشان ہوتی رہتی ہیں۔" سہیل نے کہا۔

"تم جانتے ہو میں کیا کر رہا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں وہاں زیادہ آمد و رفت اس لئے نہیں رکھ سکتا کہ میرا کوئی دشمن یا پولیس تعاقب کرتے ہوئے وہاں تک نہ پہنچ جائیں۔ میں انہیں اس سارے معاملے سے الگ ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ تم بھی کبھی کبھار چکر لگا لیا کرو نا۔"

"میں!" سہیل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے تمہارے بارے میں انہیں بتا رکھا ہے۔ کسی روز چلے جاؤ۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔" شارق نے کہا۔

"تو پھر تمہارے ساتھ ہی چلوں گا۔" سہیل بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ایک دو دن بعد میں تمہیں ساتھ لے چلوں گا۔ اب میں چلتا ہوں۔ ایک دو ضروری کام نمٹانے ہیں۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

ریسٹورنٹ سے نکل کر وہ دیر تک انارکلی میں گھومتا رہا۔ کچھ اور چیزیں خریدنے کے علاوہ اس نے ایک دکان سے دو تین پتلونیں اور شرٹس بھی خریدی تھیں پھر وہ ایک بیوٹی ڈریسر کی دکان میں داخل ہو گیا۔ پہلے خود شیو بنایا اور پھر ہوم سروس کے لئے دکان کے ایک ملازم کو ساتھ لے کر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

جب وہ گھر میں داخل ہوا تو ثمینہ اس کے ساتھ ایک اور آدمی کو دیکھ کر کچھ گھبرائی تھی۔ اس آدمی کو شارق نے لاؤنج میں بٹھا دیا اور کمرے میں آ کر دیر تک ثمینہ سے بحث کرتا رہا بالآخر ثمینہ نے اس کی بات مان لی اور وہ شارق کے ساتھ لاؤنج میں آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ شارق نے اپنے ساتھ آنے والے بیوٹی ڈریسر کو سمجھا دیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ بیوٹی ڈریسر نے فوراً ہی کام شروع کر دیا۔ ایک گھنٹے میں بیوٹی ڈریسر چلا گیا۔

"لو... یہ کپڑے پہن کر دیکھو۔" شارق نے تھیلے میں سے ایک پینٹ شرٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

ثمینہ کمرے سے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ شارق چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر تھیلے میں سے ایک ڈبیہ نکال لی۔ اس میں پنسل جتنی چوڑی نقلی مونچھیں

تھیں۔ مونچھوں کے نیچے ایک خاص قسم کا گلو لگا ہوا تھا جس سے مونچھیں ہونٹ پر سختی سے چپک جاتی تھیں۔ شارق نے بڑی احتیاط سے اس کے ہونٹ پر مونچھیں چپکائیں اور اسے لے جا کر آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔

آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر ثمینہ اچھل پڑی۔ مردوں کی طرح کٹے ہوئے بال' باریک مونچھیں پینٹ شرٹ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو نہیں پہچان سکی تھی۔ صرف سینے کا ابھار ایسا تھا جو اس کے عورت ہونے کی چغلی کھا رہا تھا لیکن شارق نے اس کا بھی حل سوچ لیا تھا۔

"قمیض کے نیچے جو پہن رکھا ہے اسے اتار کر دوبارہ قمیض پہن لو۔ میں تمہارے لئے کچھ اور بھی لایا ہوں۔ ابھی لے کر آتا ہوں۔" شارق کہتا ہوا لاؤنج میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ دوبارہ کمرے میں آیا تو ثمینہ اس کی ہدایت پر عمل کر چکی تھی۔ جسامت میں تھوڑا بہت فرق پڑ گیا تھا۔ شارق نے دھوپ کا چشمہ اور گولف کیپ اس کی طرف بڑھا دی۔ ثمینہ نے عینک لگا کر ٹوپی اوڑھی تو اس کا حلیہ بالکل ہی بدل گیا تھا۔ اس حلئے میں اس کا باپ بھی نہیں پہچان سکتا تھا کہ یہ اس کی بیٹی ہے۔

"چلو... یہ سب کچھ اتار کر بال دھو لو۔ آج رات کا کھانا ہم کسی ہوٹل میں کھائیں گے۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ اپنے کپڑے اٹھا کر باتھ روم میں چلی گئی۔ نہاتے ہوئے اسے اپنے لمبے بال کٹ جانے کا بے حد افسوس ہوا تھا لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد وہ گھر سے نکلے۔ ثمینہ کچھ عجیب سی جھجک محسوس کر رہی تھی۔ شارق نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

"کسی ہوٹل میں جانے کے بجائے لکشمی چوک کا چرغہ نہ کھایا جائے۔" شارق بولا۔

"جہاں چاہو لے چلو۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ جھجک کے علاوہ وہ دل میں عجیب سا خوف بھی محسوس کر رہی تھی۔

وہ ایک رکشے پر بیٹھ کر لکشمی چوک پہنچ گئے۔ بڑی رونق تھی۔ وہ چرغہ والی ایک دکان کے سامنے ایک میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ وہاں اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ بعض لوگوں کو اپنی طرف دیکھتے پا کر ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی لیکن کسی نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔

دس منٹ بعد ویٹر نے روغنی نان اور چرغہ ان کی میز پر سجا دیا۔ ثمینہ پر عجیب وحشت سی

طاری تھی۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ اس طرح کسی پبلک مقام پر کھانا کھانے کے لئے بیٹھی تھی۔

ابھی انہوں نے چند لقمے ہی لئے تھے کہ نسبت روڈ کی طرف سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہاں محاذ کھل گیا ہو۔ بڑی زبردست فائرنگ ہو رہی تھی.... کچھ ہی دیر بعد یہ پتہ چل گیا کہ پولیس نے نسبت روڈ پر ماجھا گجر کے منشیات کے اڈے پر چھاپہ مارا تھا۔ منشیات فروشوں نے پولیس کو دیکھتے ہی فائرنگ شروع کر دی تھی۔

شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے نظر آ رہے تھے۔

"ڈرو نہیں' آرام سے کھانا کھاؤ۔" شارق نے سرگوشی کی۔

لوگ نسبت روڈ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس فائرنگ سے لکشمی چوک کی رونق میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ شارق ثمینہ سے سرگوشیاں کرتا ہوا اطمینان سے کھانا کھاتا رہا۔

○

فائرنگ میں شدت آ گئی۔

نسبت روڈ ویران ہو چکا تھا۔ جس جگہ فائرنگ ہو رہی تھی وہاں سے لکشمی چوک زیادہ دور نہیں تھا۔ کچھ ہی دیر بعد فائرنگ کے اثرات وہاں بھی نظر آنے لگے۔ پہلے نسبت روڈ والی سائیڈ پر چوک کی دکانیں بند ہونے لگیں۔ پھلوں وغیرہ کے ٹھیلے غائب ہو گئے۔ ٹریفک بند ہونے لگا اور پھر اس طرف کا علاقہ بھی خالی ہونے لگا۔ تکے کباب والی دکانوں کے سامنے کھلی جگہ پر بیٹھے ہوئے گاہک اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔

کچھ ہی دیر بعد پولیس کے سائرن کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ شارق نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ پولیس کے دو ٹرک بڑی تیز رفتاری سے میکلوڈ روڈ کی طرف سے آ رہے تھے۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ آنے والی اس پولیس کا تعلق تھانہ گوجر سنگھ سے تھا جنہیں غالباً مدد کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ پولیس کے دو ٹرک نسبت روڈ کی طرف مڑے ہی تھے کہ ایک خوفناک دھماکہ ہوا۔ یہ دھماکہ اس طرف ہوا تھا جہاں فائرنگ ہو رہی تھی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے لکشمی چوک کا پورا علاقہ ویران ہو گیا۔ زیادہ تر لوگ ایبٹ روڈ کی طرف دوڑ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے اب یہاں رکنا خطرناک ہو گا۔" شارق' ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "محاذ پھیل رہا ہے۔ ممکن ہے کچھ دیر بعد یہ علاقہ بھی میدان جنگ بن جائے۔ اس سے پہلے کہ کوئی گولی ہمارے آس پاس آ کر گرے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

ثمینہ پہلے ہی خوفزدہ تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا نوالہ بھی پلیٹ میں رکھ دیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے نیپکن اٹھا کر ہاتھ پونچھے اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پورا علاقہ ویران ہو چکا تھا۔ ہوٹلوں کے سامنے بچھی ہوئی تمام میزیں خالی ہو چکی تھیں۔ شارق نے ویٹر کو بلا کر بل دیا اور ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر بائیں طرف چلنے لگا۔

ثمینہ نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ شارق ہولے ہولے اس کا ہاتھ دبا رہا تھا اور ثمینہ اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ اس رات جب شارق اسے ماسی مہراں کے ہاں سے لے کر گھر آیا تھا تو ثمینہ کے دل میں ایک عجیب سا خوف جاگزیں ہو گیا تھا۔ اس سے

پہلے کئی مرتبہ وہ شارق کے ساتھ اکیلی رہی تھی۔ فیصل آباد میں اس کے اپنے مکان میں شارق کئی روز اس کے گھر میں رہا تھا۔ یہ خوف ان دنوں بھی اس کے دل میں ابھرا تھا مگر..... کچھ نہیں ہوا تھا۔ شارق نے اُسے چھوا تک نہیں تھا اور ثمینہ اس کی شرافت کی قائل ہو گئی تھی لیکن اس رات شام نگر والے مکان میں داخل ہوتے وقت ایک انجانے خوف نے اس کے دل و دماغ کو لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یہ مکان کسی ویرانے میں نہیں تھا گنجان آبادی میں تھا۔ مکان ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ تھے۔ اونچی آواز میں بولنے کی آوازیں بھی پڑوس کے مکانوں میں یا گلی میں سنی جا سکتی تھیں۔ شارق کے کسی قسم کی زیادتی کرنے پر ثمینہ چیخی تو اس کی آواز سن کر کئی لوگ جمع ہو سکتے تھے۔

اس رات ثمینہ کو نیند نہیں آ سکی تھی۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ اس کے دل میں عجیب و غریب سے خیالات آ رہے تھے۔ پہلے وہ اپنے ماں باپ کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ اسے ٹیکسی پر ایک اجنبی آدمی کے ساتھ کالونی سے نکلتے دیکھ کر اس کے باپ کے چہرے پر جو تاثرات ابھرے تھے وہ زندگی بھر نہیں بھلا سکتی تھی اور پھر اس کے باپ نے کس طرح موٹر سائیکل پر اس کا پیچھا کیا تھا۔ ایک دو مرتبہ وہ ٹیکسی کے برابر بھی پہنچ گیا تھا اور چیخ کر کچھ کہا بھی تھا لیکن ثمینہ نے اپنے کان بند کر لئے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے ثمینہ کے باپ کو ڈاج دے کر کچھ ہی دیر بعد انہیں داتا دربار کے سامنے پہنچا دیا تھا جہاں سے نولکھا نے اسے دوسری ٹیکسی پر بٹھایا تھا۔

وہ چشم تصور سے دیر تک اپنے ماں باپ اور بھائی کے چہرے دیکھتی رہی تھی۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے ان خیالات کو ذہن سے جھٹکا تھا اور وہ ایک بار پھر شارق کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ اسے شارق سے کبھی اتنا خوف محسوس نہیں ہوا تھا جتنا وہ اس رات محسوس کر رہی تھی۔

وہ کمرے میں اکیلی تھی۔ مدھم نیلگوں روشنی سے ماحول میں عجیب پراسراریت سی آ گئی تھی۔ وہ بستر پر لیٹی کبھی دیواروں کو گھورنے لگتی اور کبھی چھت کو۔ عجیب سے خیالات اس کے ذہن میں آ رہے تھے۔ ایک انجانا سا خوف ذہن پر طاری ہونے کے باوجود اس نے دروازہ بند نہیں کیا تھا۔

پورے گھر پر سناٹا تھا۔ ماحول خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کسی طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وقت بہت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ایک دو مرتبہ کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے خیال میں شارق بھی گہری نیند سو چکا تھا۔

ایک دو مرتبہ ثمینہ کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خاموشی سے اس مکان سے نکل کر اپنے ماں باپ کے گھر چلی جائے۔ چوبرجی کوارٹرز وہاں سے زیادہ دور نہیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ نصف میل کا فاصلہ ہو گا۔ وہ پیدل ہی وہاں تک جا سکتی تھی۔ اسی خیال کے تحت وہ ایک مرتبہ غیر ارادی طور پر بستر سے اٹھی بھی تھی۔ لیکن پھر لیٹ گئی۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا تھا۔ اس کے ماں باپ اسے کبھی بھی قبول نہیں کریں گے۔ اس نے اپنے ماں باپ کو جس طرح ذلیل و رسوا کیا تھا وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے تھے اور دوسرے روز اخبارات میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں اس سے تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی تھی۔ ایسی صورت حال میں اس کے ماں باپ اسے کبھی قبول نہیں کریں گے بلکہ زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا جائے گا۔

رات کا آخری پہر تھا۔ خاموشی اور سناٹے میں دفعتاً" ہلکی سی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ آواز ایسی تھی جیسے کوئی چیز چرچرائی ہو۔ وہ غور سے آواز سننے کی کوشش کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد آواز پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ چارپائی کے چرچرانے کی آواز تھی۔ شاید شارق نے اپنی چارپائی پر کروٹ بدلی تھی۔ پھر دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا' کیا شارق بھی اس کی طرح جاگ رہا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ اٹھ کر شارق کے پاس چلی جائے لیکن پھر اس خیال کو اس نے سختی سے ذہن سے جھٹک دیا اور پھر یہ سوچنے لگی کہ کیوں نہ اٹھ کر دروازہ بند کر دیا جائے۔ وہ عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھی۔ پہلے تو وہ اٹھ کر شارق کے پاس جانا چاہتی تھی اور اب کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ حالات نے اس کا ذہن ماؤف کر رکھا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب ہو کر رہ گئی تھیں اور وہ کوئی فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

دفعتاً" چارپائی کے چرچرانے کی آواز سن کر وہ ایک بار پھر چونک گئی۔ اس مرتبہ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شارق جاگ رہا تھا اور بار بار کروٹیں بدل رہا تھا جس سے بان کی جھلنگا سی چارپائی چرچرا رہی تھی۔ اس کے فوراً ہی بعد بہت ہلکی ہلکی ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے کوئی دبے قدموں چلنے کی کوشش کر رہا ہو۔

ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ اس کی نظریں کھلے ہوئے دروازے پر مرکوز تھیں۔ چند ہی سیکنڈ بعد دروازے پر ایک انسانی ہیولہ دکھائی دیا۔ سامنے تو اس کے چہرے پر نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی پڑ رہی تھی جبکہ پس منظر میں گہری تاریکی تھی۔ اس کا ہیولہ بڑا پراسرار لگ رہا تھا۔ ثمینہ کو اس ہیولے کو پہچاننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ شارق تھا۔

ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ شارق کو دیکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تت.... تم میرے کمرے میں کیوں آئے ہو؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

"غلط مت سمجھو۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ تم سو رہی ہو یا جاگ رہی ہو۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ تم بھی جاگ رہی ہو۔ کیوں نہ باتوں میں کچھ وقت گزار لیا جائے۔" وہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔

ثمینہ کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔ رات کا پچھلا پہر۔ وہ دونوں اکیلے تھے۔ وہ شارق کے رحم و کرم پر تھی۔ وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر بے بس محسوس کر رہی تھی اور یہ اس کی بے بسی ہی تھی کہ آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔

"تم رو رہی ہو۔" شارق نے قریب سرک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

شارق اسے صورت حال سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے تسلیاں دے رہا تھا۔ اسے حالات سے سمجھوتہ کرنے کا مشورہ دے رہا تھا پھر اس نے ثمینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ ثمینہ اس کی آغوش میں گر گئی۔ شارق کی زبان کے ساتھ اس کے ہاتھ بھی چلتے رہے۔ ثمینہ کے ذہن پر ایک انجانا سا خوف تو تھا لیکن اب وہ اپنے آپ میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ ایک سنسنی تھی جس نے اس کے دل و دماغ اور پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

اور پھر وہ کچھ ہو گیا جس سے وہ اب تک بچنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ فیصل آباد میں لاری اڈے کے موٹر مکینک یوسف نے اسی چیز کے حصول کے لئے اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ شارق اور نولکھا کو پتہ چلا تو انہوں نے یوسف کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ شارق کے بارے میں ثمینہ کا اب تک یہی خیال تھا کہ قاتل اور دیگر سنگین جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود عورت کے معاملے میں اس نے شرافت کا دامن ابھی تک ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ یوسف نے میلی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو شارق نے نولکھا کی مدد سے اسے قتل کر دیا تھا لیکن اب اس کی شرافت کا بھرم کھل گیا تھا۔

صبح جب ثمینہ کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو عجیب صورت حال سے دوچار پایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ابھر آئی تھی۔ وہ عجیب سی نظروں سے کبھی اپنے آپ کو اور کبھی شارق کو دیکھتی رہی جو گہری نیند سو رہا تھا۔

ثمینہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو امڈ آئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ یہ سوچ

بغیر نہیں رہ سکی تھی کہ شارق شاید اسی دن کے لئے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس نے کس طرح اپنی شرافت کا سکہ جمایا تھا اور پھر آخر موقع ملتے ہی اس نے شرافت کا لبادہ اتار پھینکا تھا اور اپنے اصل روپ میں اس کے سامنے آ گیا تھا۔

ثمینہ خونخوار نظروں سے شارق کی طرف دیکھ رہی تھی جو گہری نیند میں تھا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ شارق کو سوتے ہی میں قتل کر دے اور یہاں سے بھاگ جائے۔ لیکن پھر اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ بھاگ کر کہاں جائے گی؟ اس کے ماں باپ کا گھر اب اس کا گھر نہیں رہا تھا۔ وہ کہیں اور بھی نہیں جا سکتی تھی۔ پولیس اس کی تلاش میں تھی۔ اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ وہ یہاں سے نکل کر جہاں بھی جائے گی اس کے ساتھ یہی سب کچھ ہو گا۔ اسے ہر جگہ مال غنیمت ہی سمجھا جائے گا۔ دوسروں کے ہاتھوں کا کھلونا بننے سے تو بہتر یہی تھا کہ وہ شارق ہی کی پناہ میں رہے۔

اس بات کو چار پانچ روز گزر گئے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ مطلب براری کے بعد اس میں شارق کی دلچسپی کم ہو جائے گی۔ کھلونے سے دلچسپی اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ پہنچ سے دور رہتا ہے اور جب کھلونا ہاتھ آ جائے تو اس سے کھیلنے کے بعد دلچسپی کم ہو جاتی ہے اور پھر بتدریج اس کا خیال بھی ذہن سے نکل جاتا ہے۔ شارق کے بارے میں بھی اس کا یہی خیال تھا کہ رفتہ رفتہ اس کی دلچسپی کم ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن ثمینہ نے طے کر لیا تھا کہ اب وہ شارق کو اپنے ہاتھ سے نہیں نکلنے دے گی۔

آج وہ کئی روز بعد شارق کے ساتھ گھر سے نکلی تھی۔ شارق نے اگرچہ اس کا حلیہ بالکل ہی بدل دیا تھا لیکن اس کے دل میں ہلکا سا خوف اب بھی موجود تھا کہ کوئی اسے پہچان نہ لے۔ موجودہ حلئے میں وہ بظاہر ایک خوبرو لڑکا لگ رہی تھی لیکن آواز کے علاوہ نسوانیت کے آثار اب بھی کسی حد تک نظر آ رہے تھے۔ اس نے بہرحال یہ طے کر لیا تھا کہ اسے اس حلئے میں رہنا ہے تو اسے اس کا بھی بندوبست کرنا پڑے گا۔

ثمینہ کو اندازہ نہیں تھا کہ شارق اسے لکشمی چوک کیوں لے کر آیا تھا۔ محض چرغہ کھلانے کے لئے یا اس کا کوئی اور مقصد بھی تھا۔ اتفاق سے نسبت روڈ سے فائرنگ شروع ہو گئی تھی اور انہیں وہاں سے اٹھنا پڑا تھا اور اب شارق اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے چل رہا تھا۔ وہ بار بار ہولے ہولے ثمینہ کا ہاتھ دبا رہا تھا۔ ثمینہ اس وقت بھی اپنے آپ میں کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ اس نے شارق سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ بیڈن روڈ پر مڑ گئے۔ فائرنگ کی آوازیں وہاں تک بھی آ رہی تھی لیکن یہاں کسی قسم کی

افراتفری نہیں تھی۔ تمام دکانیں کھلی ہوئی تھیں اور لوگ اپنے کاروبار میں مصروف تھے۔ بیڈن روڈ زیادہ کشادہ سڑک نہیں تھی۔ دونوں طرف دکانیں اور ان کے اوپر رہائشی مکان تھے۔ بازار میں اچھی خاصی گہما گہمی تھی۔ جگہ جگہ ٹھیلے کھڑے تھے اور دکانداروں نے بھی اپنا سامان دکانوں کے سامنے فٹ پاتھ پر ڈھیر کر رکھا تھا۔ جس سے راستہ تنگ ہو گیا تھا اور پیدل چلنے والوں کو خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔

وہ بیڈن روڈ سے نکل کر مال روڈ پر آ گئے۔ پررونق ہونے کے باوجود یہ علاقہ پرسکون تھا۔ یہاں نہ تو لکشمی چوک کی طرح ہا ہو تھی اور نہ ہی افراتفری دکھائی دیتی تھی۔ وہ دونوں کچھ دیر کشادہ فٹ پاتھ کے ساتھ ریلنگ کے قریب کھڑے رہے پھر سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گئے۔ شارق کا رخ لارڈز کی طرف تھا۔

بڑا پرسکون اور خوابناک ماحول تھا اس ریسٹورنٹ کا۔ مدھم روشنی اور موسیقی کی ہلکی لہروں نے ماحول کو خاصا پراسرار سا بنا دیا تھا۔ ہال میں اگرچہ بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے لیکن کسی کی آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی لیکن ان کی سرگوشیوں کی آواز اپنی میز کی حد تک ہی محدود تھی۔

وہ دونوں کچھ دیر دراوزے میں داخل ہو کر وہیں کھڑے ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ ثمینہ اپنے آپ میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ وہ پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ اچھے گھرانے سے تعلق تھا۔ اچھے لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا تھا لیکن ایسے ماحول میں کبھی نہیں آئی تھی۔ گھروں میں پارٹیاں ہوتی رہتی تھیں۔ صرف اسی حد تک آزادی بھی حاصل تھی لیکن اس طرح کسی ہوٹل ریسٹورنٹ میں جانے کا ان کے ہاں کوئی تصور نہیں تھا۔ وہ دونوں ادھر ادھر دیکھ ہی رہے تھے کہ ایک باوردی ویٹر ان کے قریب آ گیا۔

"اس طرف تشریف لائیے جناب۔" ویٹر نے ایک طرف اشارہ کیا۔

وہ دونوں ویٹر کی رہنمائی میں میزوں کے گرد چکراتے ہوئے ایک خالی میز پر پہنچ گئے۔ ویٹر انہیں میز کے قریب چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہ دونوں آمنے سامنے کی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"کھانا تو ڈھنگ سے کھا نہیں سکے تھے۔ اب کچھ منگوا لیا جائے؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کھانے کو اب بالکل طبیعت نہیں چاہ رہی۔" ثمینہ نے کہا۔

"تو پھر میرا خیال ہے کافی منگوا لیتے ہیں۔" شارق بولا۔

کچھ ہی دیر بعد ویٹر جب مینو لے کر آیا تو شارق نے مینو لینے کے بجائے اسے کافی کے

کہہ دیا۔ ثمینہ متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ان کے ساتھ والی میز پر ایک نوجوان لڑکی اور ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ لڑکی خاصی حسین تھی۔ کٹے ہوئے بال اور فیشن ایبل لباس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا تعلق کسی بڑے گھرانے سے ہے اور ظاہر ہے اس قسم کے ریستورانوں میں بڑے گھرانوں کے لوگ ہی آ سکتے تھے۔ اس کا ساتھی مرد ادھیڑ عمر تھا۔ شکل و صورت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ وہ دونوں جس انداز میں آگے جھکے ہوئے گفتگو کر رہے تھے اس سے ثمینہ کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ ان میں کوئی ایسا رشتہ نہیں تھا جس سے وہ دونوں کھل کر اپنوں کا سامنا کر سکتے ہوں۔

کچھ دیر بعد ویٹر نے ان کی میز پر کافی لا کر رکھ دی۔ وہ دونوں خاموشی سے کافی پینے لگے۔ ثمینہ کے خیال میں اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

جب وہ لارڈز سے باہر نکلے تو گیارہ بجنے والے تھے۔ وہاں کی رونق میں ابھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ خاصی چہل پہل تھی۔ شارق، ثمینہ کا ہاتھ پکڑے ٹہلتا ہوا ریگل چوک پر آ گیا۔ ثمینہ کچھ عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ ایک الجھن تھی اور یہ الجھن اس لباس کی وجہ سے تھی جو شارق نے اسے پہنایا تھا۔ لباس بدل لینے سے اس کی فطرت تو نہیں بدل گئی تھی۔ وہ تھی تو عورت ہی۔ اس کے انداز میں جھجک نمایاں تھی۔ سامنے سے دو آدمیوں کو آتے دیکھ کر اس نے غیر ارادی طور پر شارق کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا لیکن کچھ دیر بعد شارق نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ کچھ دیر تک ریگل چوک پر کھڑے رہے اور پھر شارق نے ایک ٹیکسی روک لی۔ اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پہلے ثمینہ کو اندر بیٹھنے کا موقع دیا اور پھر خود اس کے ساتھ بیٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔

"کہاں چلنا ہے جی؟" ڈرائیور نے سامنے لگے ہوئے بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مزنگ۔" شارق نے مختصر سا جواب دیا۔

ٹیکسی حرکت میں آ گئی اور مال روڈ سے نکل کر مختلف سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ شارق ثمینہ کے ساتھ چپکا بیٹھا تھا۔ ثمینہ سرک کر دوسری طرف ہٹ گئی۔ شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ وہ ثمینہ کی جھجک کو سمجھ گیا تھا۔

مزنگ چوک پر انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور سڑک پار کر کے پیدل ہی طویلے والی گلی کی طرف چلنے لگے۔ چوک پر رونق تھی۔ تکے کباب، کولڈ ڈرنکس، پان سگریٹ کی دوکانیں اور ریسٹورنٹ کھلے ہوئے تھے البتہ گلیوں کی طرف سناٹا تھا۔ اکا دکا لوگوں کی آمد و رفت تھی۔

شارق جب اس گلی میں مڑا تو ثمینہ کسی قدر جھجکی تھی۔ اس گلی میں زیادہ تر ورکشاپ تھے

جو بند تھے۔ گلی میں دونوں طرف مختلف قسم کی گاڑیوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ ثمینہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی اور جب شارق ایک بہت بڑے پھاٹک میں داخل ہوا تو ثمینہ کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی۔

"یہ.....یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں' آ جاؤ۔" شارق نے کہا۔

پھاٹک کے اندر بہت بڑا احاطہ تھا۔ بہت سے تانگے کھڑے تھے اور کئی گھوڑے بھی بندھے ہوئے تھے۔ گھوڑوں کی لید کی بو سے ثمینہ کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ ناک پر رکھ لیا۔ وہ طوعاً و کرہاً شارق کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔ ابھی وہ چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ ایک آدمی اچانک ہی تانگوں کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ شاید وہ انہیں روکنا چاہتا تھا لیکن اس نے شارق کو پہچان لیا۔ اس نے شارق کو سلام کیا اور ثمینہ کی طرف دیکھتا ہوا تانگوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

ثمینہ رک گ تھی۔ اس کے دل میں ایک انجانا سا خوف ابھر آیا تھا۔ سنسان گلی' تانگوں طویلہ اور ایک آدمی کا پراسرار طور پر سامنے آنا اور شارق کو سل کر کے غائب ہو جانا۔ شارق اسے یہاں کیوں لایا تھا؟ یہ سوال بار بار ثمینہ کے ذہن میں سر اٹھا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا یہاں سے بھاگ جائے۔ وہ غیر ارادی طور پر رک گئی اور خوف زدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ شارق دو تین قدم آگے جا چکا تھا۔ اس نے فوراً ہی محسوس کر لیا کہ ثمینہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر اس کے قریب آ کر ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ ایک بار پھر آگے بڑھنے لگے۔ اسی دوران ایک اور آدمی سامنے سے آ کر ان کے قریب سے گزر گیا۔ اس نے چادر کی بکل مار رکھی تھی۔ وہ آدمی ان کی طرف دیکھتا ہوا خاموشی سے کے قریب سے گزر گیا تھا۔

سامنے کسی جگہ بانس کے پول کے ساتھ سو واٹ کا بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی احا کا اندھیرا دور کرنے کے لئے قطعی ناکافی تھی لیکن بہرحال اس مردہ سی روشنی میں راستہ دیکھ سکتا تھا۔

ثمینہ کا خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ ماحول ہی ایسا تھا کہ یہاں آنے والا کوئی بھی اجنبی خو ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ثمینہ کو ایک بھارتی فلم یاد آ گئی جو اس نے تقریباً ایک سال پہلے تھی۔ وہ چھٹیوں پر لاہور آئی ہوئی تھی اور رات کا زیادہ وقت وی سی آر پر فلمیں دیکھتے ہو

تھا۔ وہ فلم بھی اس کا بھائی لے کر آیا تھا۔ بھارت کے سب سے بڑے شہر بمبئی کے پس میں بنائی جانے والی یہ فلم دراصل بمبئی کی زیر زمین دنیا کی کہانی تھی۔ ایک جرائم پیشہ گروہ جو منشیات کی اسمگلنگ کے علاوہ جوئے کے اڈے بھی چلاتا تھا۔ بالکل ایسا ہی منظر تھا۔ تانگوں یلہ اور اس کے اندر منشیات اور جوئے کا اڈہ... اس فلم میں پولیس نے اس اڈے پر چھاپہ اس اڈے پر موجود ہر شخص پولیس کے سامنے ایک چٹان بن گیا تھا۔

یہ بالکل ویسی ہی جگہ تھی۔ وسیع و عریض احاطہ' تانگوں کا طویلہ' پراسرار لوگوں کی آمد و ..... کیا یہ بھی منشیات کا اڈہ تھا؟ ثمینہ کے ذہن میں فیصل آباد کا وہ قبرستان ابھر آیا جہاں نے منشیات کا اڈہ قائم کر رکھا تھا اور جب شارق اسے وہاں لے کر گیا تھا تو پولیس نے چھاپہ یا تھا اور یہیں سے اس کی بربادی کا اصل دور شروع ہوا تھا اور شارق اب پھر اسے ایک ایسی جگہ پر لے آیا تھا۔

وہ جیسے ہی تانگوں کی آڑ سے نکلے بائیں طرف ایک مزار دیکھ کر ثمینہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی ۔ مزار کے گنبد پر اوپر ایک مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا جبکہ دائیں طرف دو تین کمرے ۔ ان کے سامنے بھی ایک بلب روشن تھا۔ ثمینہ رک گئی۔

"یہ...یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟" اس نے عجیب سی نظروں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"یہ میرا اڈہ ہے۔ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ چلی آؤ۔" شارق نے کہا۔

دو کمروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور دونوں کمروں میں روشنی ہو رہی تھی۔ شارق کمرے میں داخل ہو گیا۔ ثمینہ دروازے کے باہر ہی رک گئی تھی۔

"آؤ شارق باؤ۔ میں تو بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ ایک خوش خبری سنانی ہے ں۔" اندر سے آنے والی ایک آواز ثمینہ کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھے کیا خوش خبری سنانا چاہتے ہو۔" شارق نے جواب دیا۔

"تو تمہیں پتہ چل گیا ہے۔" پہلی آواز نے کہا۔

"اتفاق سے میں اس وقت لکشمی چوک میں ہی تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "پولیس نے کارروائی شروع کی تو میں وہاں سے نکل گیا تھا۔ نوکھا کہاں ہے؟"

"دوسرے کمرے میں۔ شاید سو گیا ہے۔" پہلی آواز نے جواب دیا۔

"ارے ایک منٹ رکو۔" شارق کی آواز سنائی دی اور پھر دوسرے ہی لمحہ وہ باہر آ گیا۔ ے! تم یہاں رک گئی ہو' اندر آؤ۔"

شارق اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے گیا۔ کمرے میں شارق کے علاوہ دو آدمی اور تھے۔ ان

میں ایک گاما تھا اور دوسرا حنیف.... جو نکے پہلوان کا آدمی تھا لیکن کل رات سے ان کے ساتھ تھا۔

وہ دونوں ثمینہ کو دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"بیٹھو بھئی.... کھڑے کیوں ہو۔" شارق نے ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے دری پر بٹھا دیا اور خود بھی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

ثمینہ بھی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ اس نے دونوں گھٹنے اٹھا رکھے تھے اور اس طرح بیٹھنے سے وہ بڑی الجھن محسوس کر رہی تھی۔

"یہ کون ہے شارق باؤ؟" گامے نے شارق کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"اپنا دوست ہے۔ ذرا نولکھے کو بلا کر لاؤ۔" شارق نے کہا۔

گاما باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ نولکھا بھی تھا۔ اسے سوتے سے جگایا گیا تھا اور وہ آنکھیں مل رہا تھا۔ اس نے پہلے شارق کی طرف دیکھا اور پھر ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اسے جانتے ہو نولکھے؟" شارق نے پوچھا۔

نولکھا چند لمحے ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا پھر نفی میں سر ہلا دیا ثمینہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ نولکھا ایک بار پھر چونک گیا۔

"ایک منٹ شارق باؤ۔" وہ بولا۔ "یہ....."

"بس بس!" شارق نے اسے ٹوک دیا۔ "اگر پہچان گئے ہو تو خاموش رہو۔" وہ گامے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ہاں گامے، تم کچھ کہہ رہے تھے۔ میرا مطلب ہے وہ خوشخبری، لکشمی والے ڈرامے سے پہلے کچھ ہوا ہو تو بتاؤ۔"

"آج دن میں کسی نے پولیس کو ٹیلی فون پر اطلاع دی تھی کہ نکا پہلوان کو قتل کر دیا گیا ہے۔ فون کرنے والے نے اس جگہ کی نشاندہی بھی کی تھی جہاں نکا پہلوان کو قتل کیا گیا تھا۔ پولیس نے ایک بھاری جمعیت کے ساتھ ماجھا گجر کے گاؤں والے ڈیرے پر چھاپہ مار کر اس کے ایک بندے کو گرفتار کر لیا اور اس کی نشاندہی پر گوبر میں دبی ہوئی لاش بھی برآمد کر لی۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا؟" شارق نے پوچھا۔

"حنیف نے۔" گامے نے قریب بیٹھے ہوئے حنیف کی طرف اشارہ کیا۔ "ویسے بھی ایسی خبریں تو جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں شارق باؤ۔"

"اور ماجھے گجر کا کیا ہوا؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ پولیس کے ہاتھ نہیں لگا شارق باؤ۔" اس مرتبہ حنیف نے کہا۔ "میں تھوڑی دیر پہلے ہی گوالمنڈی سے آیا ہوں۔ پولیس نے ماجھا گجر کے نسبت روڈ والے اڈے پر چھاپہ تو بڑا زبردست مارا تھا لیکن ماجھا گجر کچھ زیادہ ہی چالاک ثابت ہوا۔ وہ بھاگ گیا لیکن اس کے دو بندے پولیس کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ ایک پولیس والا بھی اگلے جہان پہنچ گیا ہے۔ اڈے میں جتنا بھی مال تھا وہ پولیس کے قبضے میں پہنچ گیا ہے۔"

"گڈ!" شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "اور مولوی حمید کا کیا حال ہے؟"

"اس کے قدم جم رہے ہیں شارق باؤ۔" گامے نے جواب دیا۔ "فی الحال اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ماجھے گجر کی تو کمر ہی ٹوٹ گئی ہے۔ اسے سنبھلنے میں بڑا وقت لگے گا۔ اور اس وقت تک مولوی حمید ہی نہیں پورے شہر میں ہمارے قدم جم جائیں گے۔"

"ماجھا گجر کو تم اتنا کمزور اور بے بس مت سمجھو۔ اسے یہ جو چوٹ لگی ہے وہ اسے آسانی سے برداشت نہیں کر سکے گا۔ اس کا وار بہت خطرناک ہو گا۔ اپنے تمام آدمیوں کو خبردار کر دو کہ وہ محتاط رہیں۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں اور دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ یہ لوگ قتل و غارت کی باتیں اس طرح کر رہے تھے جیسے کسی انسان کی زندگی ان کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔ ثمینہ نے کن انکھیوں سے شارق کی طرف دیکھا، وہ سوچ رہی تھی کہ یہ شاید شارق کا اصل روپ تھا جو اس کے سامنے آ رہا تھا۔ شارق کے بارے میں یہ انکشاف اس کے لئے خاصا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ وہ ایک بہت بڑے گروہ کا سرغنہ ہے اور کسی دوسرے گروہ سے بھی ان کی دشمنی چل رہی ہے۔

ثمینہ کو اب خیال آ رہا تھا کہ شارق اسے بلامقصد لکشمی چوک لے کر نہیں گیا تھا۔ اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ پولیس نسبت روڈ پر چھاپہ مارنے والی ہے۔ وہ اسی لئے وہاں گیا تھا کہ پولیس کی اس کارروائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے اور پھر مطمئن ہونے کے بعد ثمینہ کو لے کر وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

"اور تمہارا بزنس کیسا ہے گامے؟" شارق نے گامے سے پوچھا۔

"ٹھیک ہی ہے شارق باؤ۔" گامے نے جواب دیا۔ "رقم جمع ہو گئی ہے چاہو تو لیتے جاؤ۔"

"رقم ابھی اپنے پاس ہی رہنے دو اور ہاں.... نولکھے کو اخراجات یا کسی اور سلسلے میں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔" شارق نے کہا۔

"فکر ہی نہ کرو شارق باؤ۔" گامے نے کہا۔ "نولکھے کو میرے ہوتے ہوئے بھلا کوئی تکلیف ہو سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب میں چل رہا ہوں۔ کل کسی وقت چکر لگاؤں گا۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

ثمینہ بھی فوراً ہی اٹھ گئی تھی۔ نولکھا انہیں باہر کے گیٹ تک چھوڑنے کے لئے ان کے ساتھ آیا تھا۔

"یہ تم نے بہت اچھا کیا ثمینہ بی بی کہ اپنا حلیہ بدل لیا۔" نولکھا نے کہا۔ "اب تم آزادی سے گھوم پھر بھی سکو گی اور کوئی تمہیں پہچان نہیں پائے گا۔"

"مگر تم نے تو مجھے پہچان لیا۔" ثمینہ نے کہا۔

"اس لئے کہ میں نے تمہیں پہلے سے دیکھا ہوا تھا۔ اگر شارق باؤ مجھے خاص طور پر تمہاری طرف متوجہ نہ کرتا تو شاید میں بھی تمہیں پہچان نہ پاتا۔ بہرحال' اب تم بڑی حد تک محفوظ ہو۔ کوئی عام آدمی تمہیں نہیں پہچان سکتا۔" نولکھا نے کہا۔

"لیکن ایک بات ایسی ہے جو دیکھنے والے کو شبہے میں ڈال سکتی ہے۔"

"وہ کیا؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ دیکھنے والا اس شبہے میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکا ہے یا لڑکی۔" نولکھا نے جواب دیا۔

ثمینہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے ایک دم رخ بدل لیا۔

شارق اور نولکھا کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر شارق نے اس سے ہاتھ ملایا اور ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر گیٹ سے نکل کر گلی میں آ گیا۔

جب وہ گھر پہنچے تو رات کے دو بج چکے تھے۔ ثمینہ بہت تھک گئی تھی۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر لیا اور کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ اپنا لباس پہن کر اسے بڑا سکون ملا تھا۔ اس نے پینٹ شرٹ اٹھا کر کرسی کی پشت پر ڈال دی اور دروازہ کھول دیا۔ شارق لاؤنج میں کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے کپڑے نہیں بدلے تھے۔

"میں سونے جا رہی ہوں۔ مجھے پریشان مت کرنا۔ بہت تھکی ہوئی ہوں۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور مڑ کر پلنگ پر لیٹ گئی۔

شارق نے واقعی اسے رات کو پریشان نہیں کیا تھا۔ ثمینہ صبح دیر تک سوتی رہی پھر شارق بھی دیر سے ہی سویا تھا۔ گیارہ بجے کے لگ بھگ وہ دونوں میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

"یہ سب کون لوگ تھے؟ ماجھا گجر کون ہے اور یہ قتل و غارت! یہ سب کیا ہے؟" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں جان بوجھ کر وہاں لے کر گیا تھا تاکہ تم سب کچھ دیکھ سکو۔" شارق نے کہا۔

"کیا مطلب! کیا کہنا چاہتے ہو تم؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"ثمینہ!" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تمہاری زندگی بھی اب میری طرح ایک نیا راستہ اختیار کر چکی ہے۔ ایک طرف پولیس تمہاری تلاش میں ہے اور دوسری طرف تم اپنے ماں باپ اور اپنے گھر سے محروم ہو چکی ہو۔ تم اب وہ زندگی نہیں گزار سکتیں جس کی تم نے کبھی خواہش کی تھی۔ یہ نئی زندگی اس زندگی سے بہت مختلف ہو گی جس کے تم نے خواب دیکھے تھے۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے بھی کوئی جرم نہیں کیا تھا لیکن مجھے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ آہنی سلاخوں کے پیچھے گزارنا پڑا اور جب میں جیل سے باہر آیا تو مجھے مجرمانہ زندگی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ قانون کے یہ محافظ مجھے اس راستے پر آگے دھکیلتے رہے۔ میں اکیلا تھا' تنہا' بے بس و مجبور..... ایک طرف شیرا پہلوان جیسے لوگ تھے جو مجھے اس دلدل کی طرف کھینچ رہے تھے اور دوسری طرف قانون کے یہ محافظ مجھے بچانے کی کوشش کرنے کے بجائے مجھے پیچھے سے اس خوفناک دلدل کی طرف دھکیلتے رہے۔ پھر مجھے چھانگا جیسے آدمی کا سہارا مل گیا۔ اس نے مجھے یہ سبق پڑھایا کہ اپنا حق مانگا نہیں چھینا جاتا ہے۔ چھانگا ایک بہت بڑا بدمعاش تھا۔ ہیروئن اسلحہ کا اسمگلر..... میں اس کا نائب بن گیا۔ میں نے چھانگا کا دور بھی دیکھا ہے۔ بڑے بڑے پولیس آفیسرز زر خرید غلاموں کی طرح اس کے در پہ حاضری دیتے تھے۔ چھانگا مر گیا۔ آج میں اس کا گدی نشین ہوں۔ لاہور کا سب سے بڑا اسلحہ اور منشیات کا ڈیلر..... یہ مقام میں نے بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے۔ کئی مرتبہ موت سے پنجہ آزمائی کی ہے۔ اور آج تم....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "آج تم بھی اسی جگہ کھڑی ہو جہاں سے میں نے اپنی یہ گھناؤنی زندگی شروع کی تھی۔ ہم دونوں میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔ میں نے بھی کوئی جرم نہیں کیا تھا اور تمہارا جرم بھی صرف یہ ہے کہ تم نے ایک ایسے شخص کو پناہ دی تھی جو اپنی جان بچانے کے لئے تمہارے دروازے پر پہنچ گیا تھا۔ مجھے پناہ دینا ہی تمہارا سب سے بڑا جرم بن گیا اور پھر میری طرح تم بھی اس دلدل میں دھنستی چلی گئیں' جس سے نکلنا ممکن نہیں۔ ہم دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ میں اکیلا تھا' بے سہارا تھا کوئی میری پشت پناہی کرنے والا نہیں تھا۔ لاوارث ہونے کی وجہ سے میں قانون کے محافظوں اور جرائم پیشہ لوگوں کے ہاتھوں کھلونا بنا رہا۔ وہ مجھ سے کھیلتے رہے لیکن تم..... تم تنہا

نہیں ہو۔۔۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہیں ان لوگوں کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں بننے دوں گا۔ میں تمہیں اپنے اس اڈے پر اس لئے لے کر گیا تھا کہ تم اس ماحول سے آشنا ہو سکو۔ تمہیں یہی زندگی گزارنی ہے۔ مگر دب کر نہیں' اپرہینڈ ہو کر۔۔۔!"

"تو گویا تم مجھے استعمال کرنا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"نہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "تمہیں اس زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور اگر میں اس دلدل میں نہ پھنسنا چاہوں تو؟" ثمینہ نے کہا۔

"دونوں راستے تمہارے سامنے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "تمہیں ایک راستے کا انتخاب کرنا ہے۔ اگر تمہارے ماں باپ تمہیں قبول کر لیتے ہیں تو تم اپنے گھر جا سکتی ہو۔ رہا پولیس کا معاملہ تو اس سے میں نمٹ لوں گا۔ جتنا پیسہ خرچ ہو گا کروں گا۔ پولیس کے ریکارڈ سے تمہارا نام نکلوا دوں گا۔ دوسرا راستہ وہی ہے جو میں نے تمہیں بتایا ہے۔ یعنی تمہیں باقی زندگی میرے ساتھ گزارنی ہو گی۔ زیر زمین دنیا میں۔۔۔۔۔ اس زیر زمین دنیا کی ملکہ بن کر۔ اس دنیا کا اپنا ایک رنگ ہے۔ بڑی سنسنی خیز زندگی ہے یہ۔ جو ایک مرتبہ اس کا رنگ دیکھ لیتا ہے اس کا واپس جانے کو جی نہیں چاہتا اور اگر یہ دونوں راستے تمہارے لئے مشکل ہوں تو ایک تیسرا راستہ بھی ہے۔"

"وہ کون سا راستہ ہے؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ناشتہ کر لو۔۔۔ پھر بتاؤں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ ناشتہ تقریباً ختم ہی کر چکے تھے۔ اب چائے کی چسکیاں لے رہے تھے۔

"یہ ماجھا گجر کون ہے۔ اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"یہ بھی ہماری ہی برادری کا ہے۔" شارق نے کہا۔ "چھانگے کا بڑا اچھا دوست تھا۔ اس کا دودھ کا کاروبار تھا۔ سرحد کی طرف تھوڑی سی زمین بھی ہے۔ اناج اور سونا وغیرہ سرحد پار اسمگل کیا کرتا تھا' اب بھی کرتا ہے۔ ڈھائی تین سو بھینسیں تھیں اس کی۔ بڑا منافع بخش کاروبار تھا۔ پھر چھانگا اسے اپنی لائن پر لے آیا۔ اس نے تمام بھینسیں بیچ دیں اور ہیروئن کا بزنس شروع کر دیا۔ چالاک آدمی تھا۔ بڑی جلدی قدم جما لئے لیکن ذرا جلد بازی کر گیا۔ لاہور کی منشیات کی مارکیٹ پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھنے لگا لیکن چھانگا اس کے راستے کی رکاوٹ تھا۔ اس نے چھانگا کے ایک آدمی جیرے کو توڑ لیا۔ اس نے جیرے کو یہ سبز باغ دکھایا تھا کہ اگر وہ چھانگے کو قتل کر دے تو وہ اس گروہ کا سربراہ بن سکتا ہے۔ جیرا بے وقوف تھا۔ اس کی باتوں میں آ گیا لیکن اپنی بے وقوفی ہی کی وجہ سے چھانگے کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس نے چھانگے کے پھیپھڑوں میں بھی گولی اتار دی

تھی۔ چھانگا تین چار دن تک زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد مر گیا۔ مرنے سے پہلے اسے پتہ چل گیا تھا کہ اس کے خلاف یہ سازش ماجھے گجر نے کی تھی۔ موت کی ہچکی لینے سے پہلے چھانگے نے مجھے اپنے آدمیوں کے سامنے گروہ کا سرغنہ بنا دیا۔

ماجھے گجر کا خیال تھا کہ وہ چھانگے کی موت کے بعد لاہور کی منشیات کی مارکیٹ پر قبضہ کر لے گا۔ لاہور میں روزانہ کروڑوں کا بزنس ہوتا ہے اور ہر کوئی اس کاروبار پر اجارہ داری قائم کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ ہمارے گروپ کی پوزیشن اس وقت سب سے زیادہ مضبوط ہے جبکہ ماجھا گجر ہمیں یہاں سے نکالنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں دونوں پارٹیوں میں کئی مسلح تصادم ہو چکے ہیں۔ دونوں طرف کے متعدد آدمی مارے جا چکے ہیں۔ اس سلسلے میں پہل ماجھا گجر ہی نے کی تھی۔ سب سے پہلے اس نے ہمارے آدمی کو مارا تھا۔ میرے آدمیوں نے بدلہ لینے کے لئے اس کا بندہ مار دیا۔ اس طرح یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ دو دن پہلے اس نے ہمارے ایک آدمی کو مار کر اس کی لاش گوبر میں دفن کر دی تھی۔ ہم نے اس کا ایک آدمی پکڑ لیا جس نے ہمارے آدمی کے قتل کا اعتراف کر لیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اسے کہاں دفن کیا گیا ہے۔ میں نے ایک گمنام فون کے ذریعے پولیس کو اطلاع دے دی۔ پولیس نے ماجھا گجر کے گاؤں والے ڈیرے پر چھاپہ مار کر گوبر میں دفن وہ لاش برآمد کر لی اور اس کے دو آدمیوں کو حراست میں لے لیا۔ عام حالات ہوتے تو ماجھا گجر اپنے آدمیوں کو چھڑا چکا ہوتا لیکن میں نے اسے نکلنے اور سوچنے کا موقع نہیں دیا اور اس کے نسبت روڈ والے اڈے کے بارے میں پولیس کو اطلاع دے دی۔ پولیس نے جب وہاں چھاپہ مارا تو ہم دونوں بھی لکشمی چوک پر موجود تھے۔ فائرنگ کی آوازیں تم نے بھی سنی تھیں۔ لیکن افسوس تو مجھے اس بات کا ہوا ہے کہ ماجھا گجر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اسے جو نقصان ہوا ہے اس کا بھی مجھے اندازہ ہے۔ پولیس کی اس کارروائی میں ماجھا گجر کے دو بندے مارے گئے ہیں۔ اسے اپنے آدمیوں کے مرنے کی کوئی فکر نہیں ہو گی۔ اسے سب سے زیادہ افسوس تو اپنے مال کا ہو گا جو پولیس کے قبضے میں چلا گیا۔ یہ مال ایک سے ڈیڑھ کروڑ تک کا ہو سکتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ماجھا گجر خاموشی سے نہیں بیٹھے گا۔ وہ بہت جلد ہم پر وار کرے گا۔"

"یہ سب کچھ تم مجھے اس طرح بتا رہے ہو جیسے تم نے کوئی تاریخی کارنامہ انجام دیا ہو؟" ثمینہ نے طنزیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ثمینہ۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "پولیس اور جرائم پیشہ لوگوں کے ہاتھوں تنگ آ کر جب میں نے اس لائن میں قدم رکھا تھا تو اس کا ایک مقصد تھا۔ میں نے عہد کیا تھا کہ ان لوگوں کے اندر رہ کر ان کا صفایا کرتا رہوں گا۔ شروع میں کچھ کیا بھی تھا۔

میں نے پولیس کے اعلیٰ افسران کو بعض بڑی مچھلیوں کے بارے میں اطلاعات فراہم کی تھیں' اور پولیس نے ان کے خلاف موثر کارروائی بھی کی تھی۔ شیرا پہلوان لاہور کی منشیات کی دنیا کا بے تاج بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن میں نے پولیس کے اعلیٰ افسران کو اس کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور کیا اور آج کوئی شیرا پہلوان کا نام بھی نہیں جانتا۔ یہ حقیقت ہے کہ پولیس اگر دیانتداری سے کام کرے تو کوئی جرم نہیں پنپ سکتا لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ پولیس میں کچھ نہیں بہت سی کالی بھیڑیں گھس آئی ہیں۔ بیشتر لوگ یہ عزم لے کر اس محکمہ میں آتے ہیں کہ وہ دولت بنائیں گے اور اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی رہتے ہیں۔ پولیس کو سب سے زیادہ کمائی ان جرائم پیشہ گروہوں سے اور ان کی آپس کی لڑائیوں سے ہوتی ہے۔ دو گروہوں کے کسی تصادم میں دونوں طرف کے کچھ آدمی پکڑے جاتے ہیں اور انہیں چھڑانے کے لئے پولیس کو لاکھوں روپے کی رشوت دی جاتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے پولیس والوں کے بینک بیلنس بڑھتے رہتے ہیں اور ان کی جائیدادوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ میں اپنے علاقے کے ایس ایچ او کو ایک لاکھ روپیہ ماہوار بھتہ دیتا ہوں۔

تم نے امریکی مافیا کے بارے میں ضرور پڑھا ہو گا۔ مافیا دنیا کی سب سے خطرناک تنظیم ہے لیکن پاکستان کی ڈرگ مافیا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ انہیں تحفظ فراہم کرنے والے اسمبلیوں تک میں موجود ہیں۔ یہ لوگ کروڑوں روپے خرچ کر کے اپنے آدمیوں کو الیکشن میں کامیاب کراتے ہیں جو اسمبلیوں میں بیٹھ کر انہیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ لاہور کے یہ منشیات کے بیوپاری تو ان کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہیں لیکن یہاں بھی ہر شخص مافیا کا ڈان بنا ہوا ہے' بے رحم اور سفاک' میں یہی سوچ کر آیا تھا کہ ان میں رہ کر ان کا صفایا کروں گا لیکن میرے ہاتھ بھی صاف نہیں رہے۔ مجھ سے بھی کچھ ایسے جرائم سرزد ہو چکے ہیں کہ میں بھی سر اٹھا کر نہیں چل سکتا اور نہ ہی قانون کا سامنا کر سکتا ہوں لیکن.... میں اس وقت تک قانون سے آنکھ مچولی کھیلتا رہوں گا جب تک میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاتا۔ میں جانتا ہوں کہ چند لوگوں کو جیل پہنچا دینے یا منشیات کے چند اڈے ختم کر دینے سے معاشرہ پاک نہیں ہو جائے گا لیکن اس کا کچھ نہ کچھ اثر تو ضرور پڑے گا۔"

"عجیب منطق ہے تمہاری۔" ثمینہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "معاشرے کو جرائم سے پاک کرنے کی بات کر رہے ہو لیکن خود اسی دلدل میں دھنسے ہوئے ہو اور اپنے آپ کو بچانے کے بجائے دوسروں کو بھی اس میں گھسیٹ رہے ہو۔ میں نہیں جانتی کہ تم اب تک کتنے انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہو لیکن کم از کم دو قتل ایسے ہیں جن کی گواہ تو

میں بھی ہوں۔ سلمان ایڈووکیٹ اور موٹر مکینک محمد یوسف....."

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرے ہاتھ بھی صاف نہیں ہیں۔" شارق نے کہا۔

"لیکن مجھ سے جو جرائم سرزد ہوئے ہیں ان میں انتقامی جذبہ کارفرما ہے۔ سب سے پہلے میں نے اس شخص کو قتل کیا جو میری بربادی کا اصل ذمے دار تھا۔ میں ایک ناکردہ جرم کی سزا بھگت کر جیل سے نکلا تو اس وقت میرے ذہن میں یہی تھا کہ سب کچھ بھول کر شرافت کی زندگی گزاروں گا۔ میں نے اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی پھلوں کی دکان کھول لی۔ یہی وہ موقع تھا جب شیرا پہلوان نے مجھے غلط راستے پر لگانے کی کوشش کی۔ اگر اس علاقے کا پولیس انسپکٹر میری مدد کرتا تو آج میں وہ نہ ہوتا جو اس وقت ہوں' لیکن اس پولیس آفیسر کو تو ایک نئی آسامی مل گئی تھی۔ وہ اپنے مفاد کے لئے مجھے جرائم کی طرف دھکیلتا رہا۔ میں نے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا اور بالآخر ان کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس گیا اور بالآخر جب میں نے وہ راستہ اختیار کر ہی لیا تو سب سے پہلے میں نے اسی پولیس آفیسر کو ٹھکانے لگایا جو میری بربادی کا ذمے دار تھا۔ وہ نجانے مجھ جیسے کتنے شریف لوگوں کو مجرم بنا چکا تھا صرف اپنے مفاد کے لئے۔ وہ قانون کا محافظ تھا لیکن قانون سے اسے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ وہ صرف دولت کمانے کے لئے اس محکمہ میں آیا تھا۔ ہوس زر میں اس نے کئی گھر اجاڑے تھے۔ میں نے اپنا انتقام لینے کے لئے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔

پھر سلمان ایڈووکیٹ میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوا۔ جس نے میرے ماں باپ کو قتل کروایا تھا۔ اس کے بعد موٹر مکینک محمد یوسف کی باری آئی۔ اس نے تمہیں بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ ان تین آدمیوں کے قتل میں میرا ذاتی انتقام شامل ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہوا یا ہو رہا ہے اس میں میرا نہ تو کوئی ذاتی مفاد شامل ہے اور نہ انتقام کا جذبہ۔ ہاں' اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ قتل و غارت کی ان وارداتوں میں میرا کردار مرکزی رہا ہے۔ لیکن مارے جانے والے یہ وہ لوگ ہیں جن کا انجام اس سے بھی زیادہ خوفناک ہونا چاہئے تھا۔ یہ صرف قانون کے نہیں انسانیت کے بھی مجرم ہیں۔ انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ پکڑے جانے کی صورت میں ان کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ یہ چند گھنٹوں کے بعد پھر باہر آ جائیں گے۔ اس لئے میرے خیال میں ایسے لوگوں کا مر جانا ہی بہتر ہے۔"

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" ثمینہ نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اب تو میں بھی انہی کا حصہ بن چکا ہوں۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"کسی دن کسی دشمن کی کوئی گولی مجھے بھی چاٹ جائے گی اور میری لاش بھی کہیں بے گور و کفن پڑی سڑتی رہے گی۔"

ثمینہ جواب دینے کی بجائے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر کچھ دیر بعد بولی۔

"میرے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کچھ دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ میرے لئے ایک تیسرا راستہ بھی ہے۔ لیکن تم نے ابھی تک نہیں بتایا کہ میرے لئے وہ تیسرا راستہ کون سا ہے؟"

"میرے ساتھ آؤ۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

ثمینہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا خالی کپ میز پر رکھ دیا اور اٹھ کر شارق کے ساتھ اس کمرے میں آ گئی جہاں بیڈ بچھا ہوا تھا۔ بیڈ کے سامنے والی دیوار کے ساتھ لکڑی کی الماری تھی۔ شارق نے وہ الماری گھسیٹ کر دیوار سے دور ہٹا دی۔ ثمینہ یہ دیکھ کر قدرے حیران ہوئی کہ اس کے پیچھے آہنی دروازوں والی ایک اور الماری تھی۔ شارق نے چابی لگا کر اس الماری کو کھولا۔

الماری کھلتے ہی ثمینہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس الماری کے دو تین شیلف تھے۔ سب سے نیچے والے شیلف میں سفید پاؤڈر سے بھرے ہوئے پلاسٹک کے کئی تھیلے رکھے تھے۔ یہ ہیروئن تھی.... اوپر والے خانے میں نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ ثمینہ کے خیال میں یہ لاکھوں روپے کی رقم تھی۔ تیسرے خانے میں ایک پستول پڑا ہوا تھا جو کسی عام پستول سے قدرے مختلف اور بڑا تھا۔

"یہ پستول۔" شارق نے پستول اٹھا لیا۔ "یہ پستول میں نے ایک غیر ملکی سے بہت مہنگا خریدا تھا۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ گولی جسم کے اندر جا کر پھٹ جاتی ہے اور اس کا شکار ہونے والا کے بچنے کا امکان نہیں رہتا۔" اس نے پستول دوبارہ وہیں رکھ دیا اور ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تیسرا راستہ یہ ہے کہ تم یہ ملک چھوڑ کر کہیں باہر چلی جاؤ۔ جتنی رقم چاہو تمہیں یہاں سے مل سکتی ہے۔ میرے پاس رقم کی کمی نہیں ہے۔ اور بھی مل سکتی ہے۔"

"اوہ!" ثمینہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم بھی یہاں سے بھاگنے کا کوئی پروگرام بنا رہے ہو؟"

"نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر میں بھی ایسا نہیں کر سکتی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

وہ کچھ دیر تک وہیں کھڑے باتیں کرتے رہے پھر شارق نے آہنی الماری بند کر دی اور لکڑی والی الماری بھی سرکا کر اس کی جگہ پر پہنچا دی۔ وہ دوسرے کمرے میں آ کر کافی دیر تک باتیں کرتے رہے پھر شارق اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں ایک کام سے جا رہا ہوں واپسی شام تک ہو گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ رات کو بھی نہ آ سکوں۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" ثمینہ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔ "میں اکیلی یہاں نہیں رہ سکتی۔ دم گھٹنے لگتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تو پھر تیار ہو جاؤ۔ لیکن اس چیز کا خیال رکھنا جس کی نشاندہی گزشتہ رات تو لکھانے کی تھی۔"

اس کا مطلب سمجھ کر ثمینہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ اسے گھورتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد تیار ہو کر باہر نکلی۔ پینٹ شرٹ میں واقعی اس کا حلیہ بدل گیا تھا۔ اس نے مونچھیں بھی بڑے سلیقے سے ہونٹ پر جمائی تھیں۔ سر پر گولف کیپ اور آنکھوں پر تاریک شیشے والی عینک۔ وہ ایک خوبرو نوجوان لگ رہی تھی۔ پیروں میں جوگرز کی وجہ سے وہ اپنے اصل قد سے کچھ لمبی نظر آ رہی تھی۔

"گڈ!" شارق نے تو صینی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "اس وقت تو تم واقعی لڑکا لگ رہی ہو۔ کوئی ایسا نشان نظر نہیں آتا جس سے تم پر لڑکی ہونے کا شبہ ہو سکے۔"

"اب تو میں نجانے کیا سے کیا بنتی رہوں گی۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"یہ اچھی بات ہے کہ تم نے حالات کو سمجھنا شروع کر دیا ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ دونوں باہر آ گئے۔

برآمدے کا تالا لگا کر اس نے چابی اوپر والی چوکھٹ پر رکھ دی اور باہر آ کر بیرونی گیٹ بند کر دیا۔ وہ گلی میں چلتے ہوئے سڑک پر آ گئے اور پھر مین روڈ کے بس اسٹاپ پر پہنچ گئے۔

آسمان پر ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بڑی خوش گوار ہوا چل رہی تھی۔ کئی روز بعد موسم اس قدر خوش گوار ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر تک بس اسٹاپ پر کھڑے رہے۔ پھر جیسے ہی ایک خالی رکشہ وہاں آ کر رکا شارق تیزی سے اس کی طرف بڑھ گیا کیونکہ اس وقت ایک اور آدمی بھی رکشے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کتھے جانا ہے باؤ جی؟" رکشہ والے نے مڑ کر شارق کی طرف دیکھا جو رکشے میں بیٹھ چکا تھا۔

"مال روڈ.... کافی ہاؤس کے پاس۔" شارق نے جواب دیا اور ثمینہ کے لئے جگہ چھوڑ کر دوسری طرف سرک گیا۔

رکشہ مختلف سڑکوں پر گھومتا ہوا جی پی او کے قریب سے مال روڈ پر آ گیا اور پھر کافی ہاؤس کے سامنے رک گیا۔ وہ دونوں نیچے اتر آئے اور سڑک پار کر کے انارکلی کی طرف چل پڑے۔

انارکلی میں بڑی رونق تھی۔ چھابڑوں والوں نے پوری سڑک روک رکھی تھی۔ لوگ ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے چل رہے تھے۔ ثمینہ کو بھی کئی دھکے لگے تھے۔ مگر وہ خاموشی سے چلتی رہی تھی۔ اسے یاد آ گیا کہ ایک مرتبہ وہ اپنی ایک سہیلی کے ساتھ یہاں آئی تھی تو سامنے سے آنے والے ایک اوباش نے اسے کندھے سے ٹکر ماری تھی اور پھر ثمینہ اور اس کی دوست نے اس اوباش کی وہ دھنائی کی تھی کہ وہ گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا تھا کہ آئندہ کسی عورت کو نہیں چھیڑے گا اور آج تو ثمینہ کو چلتے ہوئے کئی لوگوں کے دھکے لگے تھے۔ مگر وہ خاموشی سے چلتی رہی تھی۔

شارق ریڈی میڈ گارمنٹس کی ایک بہت بڑی دکان میں داخل ہو گیا۔ وہ اپنے اور ثمینہ کے لئے کچھ پینٹ شرٹس خریدنا چاہتا تھا۔ اپنی کمر کا سائز تو اسے معلوم تھا۔ اس روز محض اندازاً ثمینہ کے لئے پینٹ لے گیا تھا۔ جن میں ایک ٹائٹ تھی اور ایک ڈھیلی۔ ثمینہ نے اس وقت وہ ڈھیلی پینٹ پہنی ہوئی تھی جسے بیلٹ کی مدد سے قابو میں رکھا گیا تھا۔ سیلزمین ثمینہ کی کمر کے گرد انچ ٹیپ لپیٹ کر سائز لینے لگا تو ثمینہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے ٹیپ خود لے لیا اور اسے کمر پر لپیٹنے لگی۔

شارق نے اس کے لئے چھ پتلونیں اور شرٹس خریدیں۔ ثمینہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا کیونکہ اس کے خیال میں اب اسے یہی لباس پہننا تھا۔ اس کے ساتھ والی دکان سے جوگرز کا بھی ایک جوڑا خرید لیا گیا۔ ظاہر ہے وہ سینڈل وغیرہ تو اب نہیں پہن سکتی تھی۔ دوسرے مردانہ جوتے اسے اچھے نہیں لگے تھے اور جوگرز اسے پسند آئے تھے۔

وہ انارکلی میں چلتے ہوئے ایبک روڈ پر مڑ گئے۔ اس تنگ سی گلی میں مڑتے ہی ایک دیوار کے ساتھ نہایت مختصر سی جگہ پر قطب الدین ایبک کا مزار تھا۔ کئی سال پہلے یہاں محض قبر تھی جس کا کوئی پرسان حال نہیں تھا اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ ہندوستان کے ایک فرمانروا کی قبر ہے۔ قبر کے ساتھ جو تھوڑی سی کھلی جگہ تھی وہاں ایک ملنگ نے ڈیرہ جما رکھا تھا جہاں ہر وقت چرس کے سگریٹ پھونکے جاتے اور بھنگ گھوٹی جاتی۔ پاکستان کے ایک سابق صدر ایوب خان نے ان تاریخی یادگاروں کی طرف توجہ دی۔ ان کے تحفظ اور تزئین و آرائش کا کام شروع ہوا۔ قطب الدین ایبک کی قبر کے ساتھ کچھ جگہ حاصل کر کے دیوار اٹھا دی گئی تھی جس پر کئی جگہ قطب مینار کا سمبل بنا دیا گیا تھا۔ جگہ اگرچہ بہت کم تھی مگر بہرحال ایک تاریخی یادگار کو تحفظ مل گیا تھا۔ اس گلی

ں چند قدم چلنے کے بعد ہی شارق رک گیا۔

"کیا ہوا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔" شارق پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "بیسیوں مرتبہ ہاں آنے کے باوجود میں غلط گلی میں آ گیا ہوں۔"

وہ دوبارہ انارکلی میں آ گئے اور کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک اور گلی میں آ گئے۔ اسی گلی ں دائیں طرف سہیل کا ریسٹورنٹ تھا۔ وہ دونوں ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت سہیل اؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا۔ دوپہر کا ڈیڑھ بج رہا تھا اور ریسٹورنٹ میں خاصا رش تھا۔ شارق اس کی طرف یکھتا ہوا اوپر جانے والے گول زینے کی طرف بڑھ گیا۔ ثمینہ کا خیال تھا کہ اوپر فیملی روم ہو گا۔ پھر یکایک اسے خیال آیا کہ وہ چونکہ مردانہ حلئے اور لباس میں تھی۔ شارق اسے فیملی روم میں لے انے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک اور خیال بھی آیا کہ اوپر بھی کوئی گیلری وغیرہ ہو گی۔

زینے کے اختتام پر مختصر سی گیلری کے بعد وہ ایک دروازے میں داخل ہوئے تو ثمینہ چونکے یر نہیں رہ سکی تھی۔ یہ ریسٹورنٹ کی گیلری نہیں کوئی رہائشی کمرہ تھا۔ اور بڑے سلیقے سے ارستہ تھا۔

"یہ..... یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟" ثمینہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"کل رات میں نے تمہیں چند ایسے لوگوں سے ملوایا تھا جو جرائم کی دلدل میں پھنسے ہوئے ں۔ ان کے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے ہیں۔ سفاک اور بے رحم انسان۔ جو ایک دو نہیں کئی کئی نتہائی سنگین الزامات میں پولیس کو مطلوب ہیں لیکن اس وقت میں تمہیں ایک ایسے دوست سے انے والا ہوں جس کا جرائم کی دنیا سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وہ ایک شریف اور معزز آدمی ہے۔ تم اس سے مل کر یقیناً بہت خوش ہو گی۔" شارق نے کہا۔ "بیٹھو..... یہاں تکلف کی ضرورت نہیں۔"

ثمینہ نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے شاپنگ بیگ پلنگ پر رکھ دیئے اور ایک کرسی پر بیٹھ ئی۔ شارق نے بھی اپنے ہاتھ کا شاپنگ بیگ ایک طرف ڈال دیا اور دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ قریباً دس منٹ بعد سہیل کمرے میں داخل ہوا۔

"ہیلو سہیل۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے دوست سے ملو..... ثمین جان اور ثمن..... یہ میرا دوست سہیل ہے۔"

سہیل نے مسکراتے ہوئے ثمینہ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ ثمینہ کچھ جھجکی پھر شارق کی طرف یکھتے ہوئے اس نے بھی ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ سہیل اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے چونکا بڑا نازک اور

ملائم ہاتھ تھا۔

"بڑے نازک ہو بھئی۔" سہیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے اللہ میاں نے تمہیں [illegible] بناتے بناتے اپنا ارادہ بدل دیا ہو۔"

"کچھ ایسا ہی لگا ہے۔" ثمینہ بھی جواب میں مسکرا دی تھی۔

"کھانا وغیرہ کھایا یا نہیں؟" سہیل نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"ابھی نہیں کھایا۔" شارق نے کہا۔ "بلکہ میں تو یہ طے کر کے نکلا تھا کہ دوپہر کا کھا تمہارے پاس ہی کھایا جائے گا۔"

"میں ابھی بھیجتا ہوں۔" سہیل نے کہا۔ "تم سے کچھ ضروری باتیں بھی کرنی ہیں۔"

سہیل نیچے چلا گیا اور شارق' ثمینہ کو سہیل کے بارے میں بتانے لگا۔ ثمینہ حیرت سے سب کچھ سن رہی تھی۔ ایک طرف تو شارق قاتلوں' خونیوں اور اسمگلروں میں گھرا ہوا تھا اور دوسری طرف سہیل جیسے لوگ بھی اس کے دوست تھے۔

"کیا یہ تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا؟" ثمینہ نے کہا۔

"سب کچھ جانتا ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کئی مرتبہ سمجھانے کی کوشش کر چکا ہے۔ لیکن اب اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بات یہ ہے ثمینہ کہ ہم جیسے لوگ اس گھناؤنی زندگی کو چھوڑنا بھی چاہیں تو نہیں چھوڑ سکتے۔ سب سے پہلے تو یہ قانون کے محافظ ہمیں کہیں ٹکنے نہیں دیں گے جس طرح بھیڑیئے کے منہ کو خون لگ جانے کے بعد وہ خطرناک ہو جاتا ہے نا' بالکل یہی مثال پولیس والوں کی ہے۔ ان کے منہ کو حرام لگ چکا ہے۔ یہ لوگ رزق حلال کھا ہی نہیں سکتے انہیں ہضم نہیں ہوتی حلال کی روٹی۔ یہ حرام کھانے کے عادی ہو چکے ہیں اور یہ لوگ ہم جیسے لوگوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ ہمارے لئے عزت کی زندگی کے تمام دروازے بند کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ اگر خونخوار بھیڑیئے سے یہ کہا جائے کہ وہ خونخواری چھوڑ دے تو شاید بات مان جائے لیکن یہ پولیس والے کسی صورت ایسی کوئی بات نہیں مانیں گے۔ ان کے ہاتھ میں قانون ہے جس کی آڑ میں یہ شرفاء کی پگڑیاں اچھالتے رہیں گے اور معصوم اور بے گناہ لوگوں کو جرائم کی دلدل میں دھکیلتے رہیں گے۔"

شارق مزید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اسی لمحہ ریستوران کا ایک ویٹر کھانے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے کافی ٹیبل پر کھانا لگا دیا اور دوسرے کمرے میں فریج میں رکھی ہوئی پانی کی ٹھنڈی بوتل بھی لا کر رکھ دی۔

"کچھ اور تو نہیں چاہئے سر جی؟" ویٹر نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"نہیں' کسی چیز کی ضرورت ہو گی تو بتا دوں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

سہیل نے دو تین سالن بھیج دیئے تھے۔ چکن' چانپ کے علاوہ ماش کی بھنی ہوئی دال بھی تھی۔ انہوں نے اگرچہ گیارہ بجے کے لگ بھگ ناشتہ کیا تھا لیکن اس وقت واقعی انہیں بھوک لگ رہی تھی۔ دونوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔

کھانے کے تھوڑی ہی دیر بعد ثمینہ غنودگی سی محسوس کرنے لگی۔ وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے اونگھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے تم تھک گئی ہو۔ سونا چاہو تو سو جاؤ ہم شام کو یہاں سے چلیں گے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں' واقعی مجھے بڑے زور کی نیند آ رہی ہے۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے جوگرز اتار دیئے اور پلنگ پر لیٹ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔

اس کے چند ہی منٹ بعد سہیل کمرے میں آ گیا۔ وہ دیر تک مدھم لہجے میں شارق سے باتیں کرتا رہا۔ ثمینہ کے بارے میں اس نے صرف ایک آدھ سوال ہی کیا تھا جس کے جواب میں شارق نے بتایا تھا کہ وہ اس کا دوست ہے اور باہر سے آیا ہوا ہے۔ سہیل اس کے جواب سے مطمئن ہو گیا تھا اور شارق کو بھی یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ سہیل' ثمینہ کی اصلیت نہیں جان سکا تھا کہ وہ عورت ہے یا مرد!

رات ساڑھے نو بجے وہ کھانا کھا کر ہی سہیل کے ریسٹورنٹ سے نکلے تھے۔ وہ سیدھے گھر ہی آئے تھے لیکن گھر میں داخل ہونے کے چند ہی منٹ بعد شارق ایک بار پھر کہیں جانے کی لئے تیار ہوا تو ثمینہ نے گھورتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اب کہاں جا رہے ہو؟"

"میں ذرا ڈیرے کا چکر لگا کر آتا ہوں۔ زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ دو تین گھنٹوں میں واپس آ جاؤں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"کیا میں....؟"

"نہیں' تم یہیں رہو۔ میں جلد آ جاؤں گا۔" شارق کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

شارق کے جانے کے بعد ثمینہ نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے دیکھ کر چونک گئی۔

اس نے کچن میں آ کر چائے بنائی اور کپ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے وہ صورت حال کا جائزہ لینے لگی۔ شارق نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ جرائم کی اس دلدل میں پھنسنے کے بعد کسی کے لئے باہر نکلنا ممکن نہیں ہوتا۔ شارق نے اپنے بارے میں جو کچھ بھی بتایا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ ایک ناکردہ جرم کی سزا بھگتنے کے بعد وہ شرافت کی زندگی بسر کرنا چاہتا تھا لیکن قانون کے محافظوں نے اسے اس کا موقع فراہم نہیں کیا اور اسے جرائم کی اس دلدل میں دھکیل دیا۔ جہاں سے نکلنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا اور اب ثمینہ بھی اپنے آپ کو ایسے ہی حالات میں گرفتار پا رہی تھی۔ اس کے کھاتے میں بھی کچھ جرائم لکھے جا چکے تھے اور کسی نہ کسی طرح وہ ان جرائم میں ملوث تھی۔ شروع میں اگر وہ پولیس سے رابطہ کر کے شارق کے بارے میں صورت حال سے آگاہ کر دیتی تو اس کے بچ جانے کے امکانات زیادہ تھے لیکن اس نے کسی انجانے خوف کی وجہ سے پولیس سے رابطہ نہیں کیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ غیر دانستہ طور پر اس دلدل میں دھنستی چلی گئی تھی۔

وہ اپنی اس صورت حال کا تمام تر ذمے دار شارق کو ٹھہراتی تھی۔ لیکن اب وہ اس نتیجہ پر بھی پہنچی تھی کہ اس میں زیادہ قصور اس کا اپنا تھا یا شاید شارق کی چاہت تھی جس نے اسے شارق کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے باز رکھا تھا اور اب وہ اس کے پہلو میں کھڑی تھی۔

ثمینہ محسوس کر رہی تھی کہ اب وہ حالات سے سمجھوتہ کر رہی تھی۔ اس رات شارق نے اس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا تھا اس کے بعد تو اب اس کے لئے ایسی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر کا رخ کر سکتی۔

یہ سب سوچتے ہوئے اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اب اس کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا جس پر اس نے چلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

○

شارق گھر سے نکل کر پہلے نسبت روڈ پہنچا۔ اس نے رکشے پر بیٹھے ہی بیٹھے ماجھا گجر کے ڈیرے کا جائزہ لیا۔ وہاں تاریکی تھی جبکہ عام حالات میں اس وقت ڈیرے پر گاہکوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ منشیات کے اڈوں پر پولیس کے چھاپے پڑتے ہی رہتے تھے' لیکن عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ چھاپہ مارنے کی بعد پولیس جیسے ہی وہاں سے ہٹتی ہے کاروبار دوبارہ شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں اس وقت صورت حال مختلف نظر آتی تھی۔ کسی گاہک تو کیا کاروبار کرنے والوں کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ ماجھا گجر کے اس اڈے پر اس مرتبہ کارروائی بہت اوپر سے ہوئی تھی۔ اس نے رکشہ ڈرائیور کو گوالمنڈی

چلنے کو کہہ دیا۔

"کوئی مال وغیرہ چاہئے تھا باؤ جی؟" رکشہ ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر پوچھا۔ "یہ اڈہ تو بند ہو گیا ہے۔ کل بڑا زبردست چھاپہ پڑا تھا یہاں۔ تین بندے مارے گئے تھے۔ دو اڈے والوں کے اور ایک پولیس والا۔ اگر ضرورت ہو تو میں آپ کو گوالمنڈی لے چلوں۔"

"چلو.... میں نے تمہیں گوالمنڈی چلنے کے لئے ہی کہا تھا۔" شارق نے کہا۔

"او ہاں۔ میں تو بھول ہی گیا تھا باؤ جی کہ آپ نے مجھے گوالمنڈی چلنے کو کہا تھا۔" ڈرائیور نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "گوالمنڈی میں مولوی حمید کا ہوٹل ہے چھوٹا سا.... اس سے آپ کو مل جائے گا۔"

"چل یار رکشہ آگے بڑھا۔ میرا دماغ نہ چاٹ۔" شارق نے خشک لہجہ میں کہا۔

رکشہ حرکت میں آ گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ گوالمنڈی پہنچ گئے۔ شارق نے چوک سے پہلے ہی رکشہ رکوا لیا۔ وہ ڈرائیور کو پیسے دے رہا تھا اور ڈرائیور اسے مولوی حمید کے ہوٹل کا پتہ سمجھا رہا تھا۔ ٹھیک اسی لمحہ ایک عورت اور ایک مرد رکشہ کے قریب آ گئے اور اس طرح شارق کو رکشہ ڈرائیور کی مزید باتیں سننے سے نجات مل گئی۔

رکشہ جانے کے بعد شارق چند لمحے وہاں کھڑا رہا پھر آہستہ آہستہ چوک کی طرف چلنے لگا۔ چوک پار کر کے وہ اگلی سڑک پر آ گیا۔ وہاں سے چند گز آگے مولوی حمید کی چائے کی دکان تھی۔ گرچہ اس وقت ٹھیک گیارہ بج چکے تھے لیکن فٹ پاتھ پر پڑی ہوئی تمام کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔ محلے کے بے فکرے نوجوان چائے پیتے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کچھ نوجوان پان کے کھوکھے کے سامنے کھڑے تھے۔

مولوی حمید بھی موجود تھا۔ وہ چولہے والے چبوترے کے پیچھے کھڑا چائے بنانے میں مصروف تھا۔ کاؤنٹر نما کنکریٹ کا یہ چبوترہ ایل شیپ کا تھا۔ ایک کاؤنٹر پر چولہے بنے ہوئے تھے جہاں چائے بنائی جاتی تھی اور دوسرے کاؤنٹر پر برتن وغیرہ پڑے ہوئے تھے۔ اس کاؤنٹر کے نچلے حصے میں لکڑیوں والا صندوقچہ تھا۔ اس کاؤنٹر میں مولوی حمید نے ایک ایسی خفیہ جگہ بھی بنا رکھی تھی جہاں ہیروئن رکھی جاتی تھی۔

ایک میز سے دو نوجوان اٹھ کر چلے گئے۔ شارق اسی میز کے قریب ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ لڑکا پہلے سے میز پر پڑے ہوئے چائے کے خالی گلاس اٹھانے کے لئے آیا تو شارق نے اس سے چائے کے لئے کہہ دیا۔ وہ لڑکا شارق کو نہیں جانتا تھا۔ کچھ دیر بعد خاموشی سے شارق کے سامنے چائے کا گلاس رکھ کر چلا گیا۔

شارق چائے پی رہا تھا کہ مولوی حمید کا وہ ملازم آگیا جو اس کی عدم موجودگی میں کاؤنٹر سنبھالا کرتا تھا۔ وہ شاید کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ قریب سے گزرتے ہوئے اس نے شارق کو بیٹھے دیکھا تو ٹھٹک گیا۔ اس نے مولوی حمید کے پاس جا کر کوئی سرگوشی کی۔ مولوی حمید نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا پھر کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر دکان کے باہر آگیا۔ محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا شارق کے قریب آگیا۔

"شارق باؤ تم... کب آئے ہو؟" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے آیا ہوں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "دھندہ کیسا ہے تمہارا؟"

"دھندہ تو کل رات سے بند کر رکھا ہے شارق باؤ۔" مولوی حمید نے جواب دیا۔

"کل رات جب پولیس نے ماجھا گجر کے اڈے پر چھاپہ مارا تھا تو تھانے والوں نے اپنے علاقے میں ادھر ادھر بھی ہاتھ مارنا شروع کر دیئے تھے۔ ایک پولیس والے نے آ کر مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ میں نے اسی وقت مال ٹھکانے لگا دیا تھا۔ آج شام کو پولیس نے یہاں چھاپہ مارا تھا مگر انہیں کچھ نہیں ملا۔ بیچارے مایوس ہو کر چلے گئے۔"

"اور ماجھا گجر کے آدمیوں کا کیا حال ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"ان کا اڈہ تو کل رات ہی سے بند ہے۔ سب تتر بتر ہو گئے ہیں۔" مولوی حمید نے جواب دیا۔ "لگتا ہے اس مرتبہ بڑی زبردست قسم کی کارروائی ہوئی ہے اور ہاں... ایک بات بتانا تو میں بھول ہی گیا۔ اچھا ہوا تم آ گئے۔ ورنہ مجھے خود جانا پڑتا۔"

"کیا بات؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ماجھا گجر کے آدمی تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے اس کا ایک آدمی وہ سامنے بجلی کے کھمبے کے پاس کھڑا تھا۔" مولوی حمید نے اشارہ کیا۔ "ان لوگوں سے ہوشیار رہنا شارق باؤ بڑی سخت چوٹ پڑی ہے اس مرتبہ گجر کو۔ اس کا خیال ہے کہ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں ایسے لوگوں سے نمٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

وہ کچھ دیر بیٹھا مولوی حمید سے باتیں کرتا رہا اور چائے بھی پیتا رہا پھر چائے کا آخری گھونٹ بھر کر اس نے خالی گلاس میز پر رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

مولوی حمید سے رخصت ہونے کے بعد شارق سیدھا مزنگ پہنچا تھا۔ اس نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ کہیں اس کی نگرانی تو نہیں کی جا رہی۔ مگر کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا تھا جس

کیا جا سکتا۔

ڈیرے پر نوکھا اور گاما کے علاوہ ایک آدمی اور بھی تھا۔ وحید نامی یہ شخص مصری شاہ کا ہنے والا تھا۔ وہاں مین روڈ پر اس کی پان سگریٹ کی بہت بڑی دکان تھی۔ دکان خوب سجی ہوئی ۔ رات کے وقت تو برقی قمقموں کی روشنی میں وہ دکان جگمگاتی ہوئی نظر آتی۔ شام ہوتے ہی ں گاہکوں کا تانتا بندھ جاتا۔ کاروں کی لائن لگ جاتی۔ لوگ بہت دور دور سے پان لینے کے لئے تے تھے۔ وحید کا میٹھا پان پورے شہر میں مشہور تھا۔ جو شخص ایک مرتبہ یہاں سے پان کھا لیتا پھر شہ کے لئے اس کا گاہک بن جاتا۔ ایک عجیب سا نشہ ہوتا تھا وحید کے میٹھے پان میں۔

وحید کا کاروبار کا اپنا ایک انداز تھا۔ وہ پان میں چونے کتھے کے ساتھ ہیروئن کی ایک سلائی ں لگا دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی شخص ایک مرتبہ یہاں کا پان کھانے کے بعد کسی اور دکان پر یں جاتا تھا۔

پان کے علاوہ وحید کا ہیروئن کا بھی دھندہ تھا۔ وہ ہیروئن کی فروخت کے سلسلے میں مصری شاہ ے علاوہ کاچھو پورہ اور وسن پورہ کے علاقوں کو بھی کور کرتا تھا۔ اس کے کارندے ان علاقوں میں یلے ہوئے تھے۔ وحید پہلے ماجھا گجر سے مال لیتا تھا لیکن چند روز سے وہ شارق کے اڈے سے مال نے لگا تھا۔ شارق کو اس پر شبہ تھا کیونکہ وحید کی ماجھا گجر سے کوئی ان بن نہیں ہوئی تھی۔ بلاوجہ ی کو چھوڑ دینے والی بات شارق کی سمجھ میں نہیں آئی تھی اس لئے اس نے گاما اور دوسرے دمیوں کو بھی ہدایت کر دی تھی کہ وحید سے لین دین کرتے وقت محتاط رہا کریں۔ اور اب رات رہ بجے وحید کو اپنے ڈیرے پر دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہیں رہا تھا۔

"شارق باؤ۔" وحید نے علیک سلیک کے بعد کہا۔ "میں نو بجے سے یہاں بیٹھا ہوا ہوں لیکن نایہ گاما پہلوان پروں پر پانی ہی نہیں پڑنے دیتا۔ کہہ رہا ہے کہ ایک پڑیا بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔" شارق نے کہا۔ "اگر مال ہوتا تو تمہیں ضرور مل جاتا۔ ظاہر ہے اری ہیروئن ہم نے تو گھول کر نہیں پی۔"

"لیکن شارق باؤ۔" وحید نے کہا۔ "میں اپنا کام دھندہ چھوڑ کر یہاں آیا ہوا ہوں۔ تمہیں ندازہ ہے میرا کتنا نقصان ہو گیا ہو گا۔ تھوڑا بہت ہی مال دے دو۔"

"تم روزانہ ہزاروں روپے صرف پان سے کماتے ہو۔ تمہاری عدم موجودگی میں تمہارے چار آدمی اب بھی دوکان پر بیٹھے دھندہ کر رہے ہیں' لیکن بالفرض ایک دن تم نے دھندہ نہ بھی کیا تو یلے تو نہیں ہو جاؤ گے۔ شہر کے حالات دیکھ رہے ہو؟ ماجھے گجر کا اڈا بند ہو چکا ہی۔ شہر میں ہر لہ چھاپے پڑ رہے ہیں۔ اس وقت مال ہوتا بھی تو ہم کسی کو نہ دیتے' لیکن گاما ٹھیک کہہ رہا ہے

کہ ایک پڑیا بھی نہیں ہے۔ ایک دو دن صبر کر لو۔ مال آ جائے گا تو نکال لینا کسر۔"

"شارق باؤ۔" وحید نے کہا۔ "اگر دام بڑھا کر مال بیچنا چاہتے ہو تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"

"نہیں میرے دوست۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "مال ہے ہی نہیں۔ اس لئے دام بڑھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب تم جا سکتے ہو۔ مجھے ان سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں اور واپس بھی جانا ہے۔"

وحید چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر منہ لٹکائے واپس چلا گیا۔ شارق نے آتے ہوئے گیٹ کے اندر کی طرف اس کی موٹر سائیکل دیکھ لی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔

"یہاں تمہارے علاوہ اور کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"سراج کوچوان ہے۔ اس کی گھوڑی آج بیمار ہو گئی ہے۔ وہ تانگہ لے کر نہیں گیا۔ مزار کے سامنے والے چبوترے پر سو رہا ہے۔" گامے نے جواب دیا۔

"اسے جاؤ اور کہو کہ احاطے کا پھاٹک بند کر دے یا وہیں چارپائی ڈال کر لیٹ جائے۔ کسی کو اندر نہ آنے دے۔" شارق نے کہا۔

"خیر تو ہے؟" گامے نے پوچھا۔

"ہاں' خیر ہی ہے۔" شارق نے کہا۔ "شہر کے حالات اچھے نہیں ہیں جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ ایک دو دن اپنا کاروبار بند رکھو۔"

"آج شام کو تھانے کے ایک آدمی نے آ کر بتا دیا تھا کہ ایک دو دن میں یہاں کسی بھی وقت چھاپہ پڑ سکتا ہے۔ میں نے اسی لئے دھندہ بند کر کے سب کچھ یہاں سے ہٹا دیا ہے۔ وحید کو بھی میں نے اسی لئے انکار کر دیا تھا۔" گامے نے کہا۔

"بہت اچھا کیا تم نے۔ تھانے سے کون آیا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"کانسٹیبل فضل دین۔ اسے ایس ایچ او نے بھیجا تھا کہ منشیات کے اڈوں کے خلاف کارروائی بہت اوپر سے ہو رہی ہے۔ اس لئے ہم دو تین دن اپنا کام بند رکھیں۔" گامے نے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "جاؤ' سراج کو جگا کر پھاٹک پر بھیج دو۔"

گامہ کمرے سے نکل کر باہر چلا گیا۔ شارق' نولکھا کی طرف متوجہ ہو گیا جو منہ لٹکائے بیٹھا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا نولکھے؟" شارق نے پوچھا۔

"گڑ بڑ ہو گئی ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "پولیس نے ناصر علی کو حراست میں

لے لیا ہے۔"

"ناصر علی کون؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا بہنوئی۔ چوبرجی کوارٹرز والا جہاں ثمینہ نے رات گزاری تھی۔"

"اوہ!" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "پولیس کو اس کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟"

"ثمینہ کے باپ نے پولیس کو رپورٹ لکھوا رکھی تھی۔ پولیس اسی روز سے تفتیش کر رہی تھی کہ اس روز اس وقت ٹیکسی کس کے گھر آئی تھی۔ تم جانتے ہو اس کالونی میں کوارٹروں کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہے۔ پولیس آج ناصر علی کے گھر تک پہنچ گئی۔ ان کے سامنے والے کوارٹرز میں رہنے والی عورت نے بھی پولیس کو بتایا ہے کہ اس نے ایک چادر پوش عورت کو ایک آدمی کے ساتھ ناصر علی کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ آدمی کا جو حلیہ اس نے بتایا ہے وہ میرا ہے اور ثمینہ کے باپ بھی پولیس کو میرا حلیہ بتا چکا ہے۔"

"یہ تو بہت برا ہوا۔" شارق نے کہا۔ "یہ کب کی بات ہے؟"

"آج شام پانچ بجے کی۔ آج شام سات بجے میں چھپ چھپا کر ناصر علی کے گھر چلا گیا تھا۔ میری بہن کلثوم کا تو رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ ناصر علی کی نوکری بھی چلی جائے گی اور ذلت و رسوائی الگ ہو گی۔ میں نے کلثوم سے وعدہ کیا ہے کہ ناصر صبح سے پہلے پہلے گھر واپس آ جائے گا۔"

"فکر مت کرو۔ وہ صبح سے پہلے پہلے گھر واپس پہنچ جائے گا۔" شارق نے کہا۔ اسی دوران گامہ بھی آ گیا۔

"ایک اور بات بتانا تو بھول ہی گیا شارق باؤ۔" گامے نے کہا۔ شارق کچھ کہنے کے بجائے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ گامے نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آج دن میں ماجھا گجر کے دو آدمیوں کو اس طرف گھومتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ مجھے ان کے ارادے کچھ اچھے نہیں لگتے تھے۔ میں نے بھی تین کوچوان بھیج دیئے جو ان کے آس پاس گھومنے لگے۔ وہ دونوں گھبرا گئے اور خاموشی سے اس علاقے سے نکل گئے۔"

"ایک دو آدمی یہاں اپنے پاس رکھو۔ ماجھا گجر ناک میں ہے۔ وہ کسی بھی وقت کچھ کر سکتا ہے لیکن ابھی تو تم میرے ساتھ چلو اور کچھ رقم لے لو۔"

"رقم تو میری جیب میں ہے شارق باؤ۔ کہاں جانا ہے؟" گامے نے پوچھا۔

"تھانے!" شارق نے جواب دیا۔ "نولکھا کے بہنوئی کو پولیس نے ایک جھوٹے الزام میں پکڑ لیا ہے۔ اسے چھڑا کر لانا ہے۔"

"میں بھی چلوں شارق باؤ۔" نولکھا ایک دم اٹھ گیا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ پولیس تمہارے بنوئی کو چھوڑ دے اور تمہیں اپنا مہمان بنا لے۔ تم یہیں بیٹھے رہو۔ ہم زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی گھنٹوں میں آ جائیں گے۔"

شارق گامے کو لے کر احاطے سے نکل گیا۔ چوک پر دو تین ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ دو تین رکشے بھی تھے۔ شارق ایک ٹیکسی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاما اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ شارق نے ڈرائیور کو بتا دیا تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔

متعلقہ تھانے پہنچنے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگی۔ لیکن ایس ایچ او اس وقت موجود نہیں تھا۔ وہ پارٹی کے ساتھ گشت پر گیا ہوا تھا۔ شارق نے ٹیکسی کو روک لیا تھا اور خود گامے کے ساتھ محرر کے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا۔

ایس ایچ او تقریباً آدھے گھنٹے بعد آیا تھا۔ وہ دو ایسے آدمیوں کو بھی پکڑ لائے تھے جو ان کی نظروں میں مشکوک تھے۔ ان میں ایک تو واقعی مشکوک لگتا تھا لیکن دوسرا چہرے اور لباس سے کوئی شریف آدمی ہے لگتا تھا اور وہ خاصا خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ ایس ایچ او نے ان دونوں آدمیوں کے بارے میں اپنے ماتحتوں کو کچھ ہدایات دیں اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ گاما اور شارق بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوئے۔ ایس ایچ او نے ان کی طرف دیکھا اور پھر شارق کے چہرے پر نظر پڑتے ہی چونک گیا۔

"تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی ہے مسٹر شارق۔" ایس ایچ او اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"اچھا ہوا تم نے مجھے پہچان لیا۔ ورنہ تعارف کرانے میں کچھ وقت ضائع ہو جاتا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کون نہیں پہچانتا۔" ایس ایچ او نے کہا۔ "کہئے اس وقت کیسے زحمت کی؟"

"تمہارے آدمی آج شام ایک شریف آدمی کو پکڑ لائے ہیں۔ اسی سلسلے میں آیا ہوں اسے ساتھ لے کر جاؤں گا۔" شارق نے کہا اور پھر اسے ناصر علی کے بارے میں بتانے لگا۔

"لیکن وہ تو ایک لڑکی کے اغواء میں ملوث ہے اور....."

"یہ سب جھوٹ ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ ایک سرکاری ملازم ہے بہت شریف آدمی ہے۔ تم محلے والوں سے اس کی تصدیق کر سکتے ہو۔ اس کے خلاف یہ سب کسی دشمنی کی بنا پر کیا گیا ہے۔ اگر اس کے خلاف کیس درج ہو گیا تو اس کی نہ صرف نوکری

جائے گی بلکہ اس کی عزت بھی خاک میں مل جائے گی۔" شارق نے کہتے ہوئے گامے کی طرف دیکھا۔ اس نے قمیض کے اندر جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر میز پر رکھ دیا۔ شارق نے وہ بنڈل ایس ایچ او کی طرف سرکا دیا۔

"یہ دس ہزار ہے اور میرا خیال ہے اس شریف آدمی کو یہاں روکے رکھنے کا اب کوئی جواز نہیں ہے۔"

"اس کی شرافت میں کوئی شبہ نہیں، محلے کے بہت سے لوگوں نے اس کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ واقعی بہت شریف آدمی ہے لیکن لڑکی کے اغواء میں....."

"کسی کو غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ناصر علی سے آپ کا کیا تعلق ہے؟" ایس ایچ او نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا میرا شریف لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا؟" شارق نے جواب دیا۔

بہرحال، تقریباً ایک گھنٹے بعد شارق اور گاما تھانے سے نکلے تو ناصر علی بھی ان کے ساتھ تھا۔ ناصر علی حیران تھا کہ یہ فرشتے کون ہیں جو اسے پولیس کے شکنجے سے چھڑا کر لے جا رہے ہیں۔ باہر ٹیکسی موجود تھی۔ وہ تینوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔

پہلے ناصر علی کو اس کے گھر چھوڑا گیا اور پھر وہ دونوں اپنے ڈیرے پر پہنچ گئے۔ نولکھا کو جب پتہ چلا کہ ناصر علی گھر پہنچ گیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔

"یہ تو تم نے بڑی نیکی کا کام کیا ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "کلثوم اور ناصر تمہیں زندگی بھر دعائیں دیتے رہیں گے اور ہاں..... یہ بتاؤ کہ پولیس دوبارہ تو ناصر علی کو پریشان نہیں کرے گی؟"

"بالکل نہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر ایسی کوئی بات ہوئی بھی تو نمٹ لیا جائے گا۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور ایک بات کا تم بھی خیال رکھنا۔ کچھ دن کے لئے اس طرف مت جانا۔ اگر کسی نے تمہیں پہچان لیا تو ناصر اور تمہاری بہن کے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"نہیں جاؤں گا شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔

شارق نے گھڑی دیکھی۔ اس وقت سوا تین بج رہے تھے۔ ثمینہ اس وقت گہری نیند سو رہی ہو گی۔ اسے پریشان کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس لئے شارق نے رات کا باقی حصہ ڈیرے ہی میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ نولکھا کے قریب ہی دری پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر تک وہ باتیں کرتے رہیں

پھر شارق کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

صبح چھ بجے شارق کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کمرے سے نکل کر نلکے سے منہ ہاتھ دھویا اور گامے کو کچھ ہدایات دیتا ہوا پھاٹک کی طرف چل پڑا۔

"میں شام کو آؤں گا۔ خیال رکھنا کوئی مشتبہ آدمی طویلے میں نہ آنے پائے۔"

"اس طرف سے تو تم بے فکر ہی رہو شارق باؤ۔" گامے نے جواب دیا۔ "لیکن ایک کپ چائے تو پی لو۔ صبح صبح خالی پیٹ نکلنا اچھا نہیں ہوتا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ جاؤ چائے لے آؤ۔" شارق دوبارہ کمرے میں جانے کے بجائے وہیں ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد گاما ہوٹل سے چائے لے آیا۔ نولکھا ابھی تک سو رہا تھا۔ وہ دونوں وہیں بیٹھے چائے پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ چائے ختم کر کے شارق جانے کے لئے اٹھ گیا۔ باہر سڑک پر آتے ہی اسے رکشہ مل گیا۔

گھر کے باہر سڑک پر اس نے رکشہ چھوڑ دیا۔ ایک بیکری سے ڈبل روٹی اور انڈے وغیرہ خرید ے اور گلی میں مڑ گیا۔ اپنے مکان کے سامنے پہنچ کر اس نے بڑی آہستگی سے باہر کا گیٹ کھولا اور برآمدے میں داخل ہو کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا اس وقت سات بج چکے تھے اور شارق کا خیال تھا کہ ثمینہ جلدی جاگ گئی ہو گی لیکن اس نے دروازے کے اندر داخل ہو کر جیسے ہی ثمینہ کے چہرے کو دیکھا بری طرح چونک گیا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ رات بھر نہیں سوئی تھی اور ممکن ہے وہ روئی بھی ہو۔

"ارے!" شارق نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے تم رات کو سوئی نہیں ہو۔"

"مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ نیند نہیں آ سکی اور پھر تم کہہ کر گئے تھے کہ تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤ گے۔ میں نے سوچا کہ اگر میں سو گئی تو تم دروازہ کھٹکھٹاتے رہو گے۔"

"اوہ!" شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "میں آ تو جاتا مگر ایک گڑبڑ ہو گئی تھی۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "کل شام پولیس نے نولکھا کے بہنوئی ناصر علی کو پکڑ لیا تھا۔ انہیں شبہ تھا کہ تم ناصر علی کے گھر میں تھیں اور نولکھا تمہیں وہیں سے لے کر گیا تھا۔"

"اوہ!" ثمینہ چونک گئی۔ "پھر کیا ہوا۔ کلثوم اور ناصر علی تو بہت شریف لوگ ہیں۔"

"ہونا کیا تھا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "پولیس کو چڑھاوا چڑھانا پڑا۔ رات

تین بجے ناصر کو اس کے گھر پہنچا دیا تھا۔" اس نے ابھی تک وہ شاپنگ بیگ اٹھا رکھا تھا جس میں ڈبل روٹی اور انڈے وغیرہ تھے۔ وہ شاپنگ بیگ ثمینہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "ناشتہ بناؤ۔ رات بھر کی بھاگ دوڑ سے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

ثمینہ شاپنگ بیگ لے کر کچن میں گھس گئی اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ ناشتے کے بعد شارق جھلنگا سی چارپائی پر لیٹ گیا۔ رات بھر جاگنے اور بھاگ دوڑ کی وجہ سے وہ تھک گیا تھا۔ لیٹنے کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ سو گیا۔

ثمینہ نے برتن وغیرہ دھو کر رکھ دیئے۔ وہ بھی رات کو ایک لمحہ نہیں سو سکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت شدید جلن ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر شارق کی طرف دیکھتی رہی پھر کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گئی۔ وہ کافی دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتی رہی پھر بالآخر وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

ثمینہ گہری نیند میں تھی۔ وہ شاید کوئی خواب دیکھ رہی تھی بڑا بھیانک خواب تھا۔ خونی بھیڑیئے اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ وہ ان سے بچنے کے لئے دوڑ رہی تھی۔ بھیڑیئے اس کے تعاقب میں تھے۔ وہ بے تحاشہ دوڑتی رہی۔ بالآخر اسے ٹھوکر لگی اور وہ گر گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتی ایک بھیڑیئے نے اسے دبوچ لیا اس کے نوکیلے دانت چمک رہے تھے۔ سرخ زبان باہر کو نکلی ہوئی تھی اور منہ سے خون ٹپک رہا تھا۔ ثمینہ نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکی۔ خونی بھیڑیئے نے اسے دبوچ لیا تھا اور اسے بری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔ ثمینہ نے دہشت زدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ باقی بھیڑیئے دور کھڑے تھے شاید اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ کچھ بچے تو وہ بھی اپنا حصہ وصول کریں۔

وہ خونخوار بھیڑیا ثمینہ کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ بھیڑیا اس کے سینے پر سوار تھا جس نے اسے دبوچ رکھا تھا۔ ثمینہ کے سینے پر بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کا دم گھٹنے لگا اور پھر دفعتاً اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

ثمینہ کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا سانس اب بھی گھٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس کے منہ سے ایک بار پھر ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے بھیڑیئے کو اپنے اوپر سے گرانے کی کوشش کرنے لگی۔ بھیڑیئے کے منہ سے ہلی ہلکی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔

اور پھر ثمینہ ہوش میں آ گئی۔ وہ بھیڑیا نہیں تھا۔ شارق تھا جس نے اسے دبوچ رکھا تھا۔ وہ بھی انسان نہیں بھیڑیا ہی ثابت ہوا تھا۔

اس وقت سہ پہر کے چار بجے تھے۔ ثمینہ بستر پر پڑی اپنی تقدیر پر آنسو بہاتی رہی۔ اب اس کے مقدر میں آنسو ہی رہ گئے تھے۔ شارق اسے دوسروں سے بچانا چاہتا تھا اور اپنے لئے کھلونا بنا لیا تھا۔

رات نو بجے شارق تیار ہو گیا۔ ثمینہ ابھی تک بستر پر پڑی آنسو بہا رہی تھی۔ شارق اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

"ثمینہ! اٹھو تیار ہو جاؤ۔ کھانا ہم کسی ہوٹل میں کھائیں گے اور پھر ایک جگہ چلنا ہے۔"

ثمینہ جواب دینے کے بجائے خونخوار نظروں سے اسے گھور کر رہ گئی۔ اس نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شارق نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور باتھ روم کی طرف دھکیل دیا۔

"جلدی۔ تیار ہو جاؤ۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ کو تیار ہونے میں ایک گھنٹہ لگا تھا۔ اس کا باہر جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن شارق اسے زبردستی اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

انہوں نے گلبرگ میں واقع کبابیش میں کھانا کھایا۔ ایک بہت بڑے بنگلے میں واقع کبابیش ایک بہت بڑی سیاسی شخصیت کی ملکیت تھا۔ یہاں صرف اونچے طبقے کے لوگ ہی آتے تھے۔ کبابیش کے سامنے سڑک پر دور تک کاروں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ بہت سے لوگ کاروں ہی میں بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ کئی باوردی ویٹر بڑی مستعدی سے ادھر ادھر دوڑے پھر رہے تھے۔

جب وہ دونوں کھانا کھا کر وہاں سے رخصت ہوئے تو گیارہ بج رہے تھے۔ انہیں کبابیش کے سامنے ہی ایک رکشہ مل گیا تھا۔ شارق نے ثمینہ کے ساتھ رکشے میں بیٹھتے ہوئے ڈرائیور کو لبرٹی مارکیٹ چلنے کو کہا تھا۔ ثمینہ بالکل خاموش تھی۔ اس نے یہ بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ وہ لبرٹی کیوں جا رہا ہے۔ وہ خاموشی سے بیٹھی رہی۔ اسے اب اس سے کوئی غرض نہیں رہی تھی کہ شارق اسے کہاں لے جاتا ہے۔

سڑک پر سناٹا تھا۔ کبھی کبھار کوئی گاڑی گزرتی ہوئی نظر آ جاتی۔ اگلا ٹریفک سگنل پار کرنے کے تھوڑی ہی دیر بعد پیچھے سے آنے والی ایک تیز رفتار کار رکشہ سے آگے نکل کر اس طرح رک گئی کہ رکشہ ڈرائیور کو رکشہ روکنا پڑا۔ اس طرح اچانک بریک لگانے سے رکشہ الٹتے الٹتے بچا تھا۔

اس سے پہلے کہ ثمینہ یا شارق کچھ سمجھ سکتے کار میں سے تین آدمی اترے اور انہوں نے دوڑ کر رکشے کو گھیرے میں لے لیا۔ ان تینوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔

"نیچے اترو۔" ایک آدمی نے غراتے ہوئے کہا۔

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ جبکہ ثمینہ کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔ ں کی طرف کھڑے ہوئے آدمی نے اسے بازو سے پکڑا اور کھینچ کر نیچے اتار لیا۔ دوسری طرف سے شارق کو بھی اسی طرح نیچے اتار لیا گیا تھا۔

"کیا بات ہے' کون ہو تم لوگ؟" شارق نے بڑے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو تمہیں اپنے ڈیرے پر جا کر ہی بتائیں گے۔ شارق باؤ کہ ہم کون ہیں۔ خیریت چاہتے ہو تو خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔" شارق کے سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔

شارق کار کی طرف بڑھا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی مزاحمت کے بغیر کار میں بیٹھ جائے گا لیکن دو قدم آگے بڑھتے ہی اس نے ایک آدمی پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ آدمی لڑکھڑا کر گرا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ شارق نے لپک کر پستول اٹھانے کی کوشش کی مگر دوسرے آدمی نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کی پسلیوں پر ٹھوکر رسید کر دی۔ شارق الٹ کر پیچھے گرا لیکن اس نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

ثمینہ ایک طرف کھڑی خوف زدہ سی نظروں سے یہ سب کچھ دیکھتی رہی۔ پھر دفعتاً" فائر کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ ثمینہ نے چیختے ہوئے ایک طرف دوڑ لگا دی لیکن وہ چند گز سے زیادہ دور نہیں جا سکی تھی۔ ایک آدمی نے دوڑ کر اسے دبوچ لیا۔

گولی شارق کے بازو میں لگی تھی جو اس کے حریف نے چلائی تھی۔ گولی لگنے کے باوجود اس نے ہمت نہیں ہاری اور ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اسی دوران ایک اور فائر ہوا۔ دراصل شارق اپنے حریف سے پستول چھیننے کی کوشش کر رہا تھا اسی دوران پستول کا ٹرائیگر دب گیا۔ پستول کا رخ اس آدمی کی طرف تھا۔ گولی اس کی پیشانی میں لگی۔ وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ شارق نے ادھر ادھر دیکھا ثمینہ اسے نظر نہیں آئی تھی..... شاید وہ کسی طرف بھاگ گئی تھی۔ دوسرے ہی لمحہ شارق نے بھی ایک طرف دوڑ لگا دی۔ وہ ایک بنگلے کی دیوار پر چڑھا ہی تھا کہ ایک اور فائر ہوا۔ گولی شارق کے ہاتھ کے قریب دیوار پر لگی۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے دیوار سے چھلانگ لگا دی اور بنگلے کے لان میں ایک طرف دوڑ لگا دی۔

ثمینہ اپنے آپ کو اس آدمی کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ آدمی اسے گھسیٹتا ہوا کار کے قریب لے آیا۔ ان کا ایک آدمی مارا گیا تھا۔ رکشہ ڈرائیور کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اس آدمی نے ثمینہ کو گھسیٹ کر کار میں ڈال دیا۔ دوسرا آدمی بھی کار میں بیٹھ گیا۔ ثمینہ ان دونوں کے درمیان سینڈوچ بن کر رہ گئی تھی۔ گاڑی کا انجن اسٹارٹ تھا اور ڈرائیور اسٹیئرنگ

کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی انہوں نے اپنے ساتھی کی لاش اٹھانے تک کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔

ثمینہ ان دونوں کے درمیان سینڈوچ بنی بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا اور جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ کار تیز رفتاری سے مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔

○

ثمینہ ان دونوں کے درمیان پھنسی بیٹھی تھی۔ خوف کی شدت سے اس کی حالت بری ہو رہی تھی۔ اس کا دل اس طرح دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ وہ اپنے آپ میں بالکل سمٹی ہوئی تھی۔ ان دونوں نے اسے دونوں طرف سے دبا رکھا تھا۔

ان دونوں کے چہرے بڑے خوفناک تھے۔ ان کے خطرناک ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ انہوں نے سڑک پر ان کا رکشہ روک کر انہیں اغواء کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے پستول استعمال کرنے میں بھی کسی جھجک کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ ان کا ایک آدمی مارا گیا تھا۔ ثمینہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ آدمی شارق کے ہاتھوں مرا تھا یا انہی میں سے کسی کے ہاتھوں۔ اتنا وہ جانتی تھی کہ شارق کے پاس پستول وغیرہ نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے گولی شارق پر چلائی گئی ہو اور زد میں ان کا اپنا ہی آدمی آ گیا ہو۔ لیکن یہ طے تھا کہ یہ لوگ بہت ہی بے رحم اور سفاک تھے۔ کسی انسان کی زندگی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ اپنے ساتھی کی لاش بھی سڑک پر پڑی چھوڑ آئے تھے۔ ثمینہ نے فائرنگ میں شارق کی چیخ کی آواز بھی سنی تھی۔ غالباً اسے گولی لگی تھی لیکن وہ بھاگ گیا تھا۔ لیکن ثمینہ کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی تھی کہ اس سے محبت اور تحفظ فراہم کرنے کے دعوے کرنے والا اس کی پرواہ کئے بغیر بھاگ نکلا تھا۔ اسے یہ احساس بھی نہیں رہا تھا کہ ثمینہ کو قاتلوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ وہ بڑی بہادری کے دعوے کرتا تھا لیکن موقع پڑتے ہی بزدلوں کی طرح بھاگ نکلا۔

کار اب ریلوے لائن کے اوورہیڈ برج کے نیچے سے گھوم کر نہر والی سڑک پر آ گئی تھی۔ نہر کے دونوں کناروں پر پختہ سڑکیں تھیں۔ نہر کی ڈھلان سے قدرے ہٹ کر رہائشی کوٹھیاں تھیں۔ نہر کے دونوں کناروں پر اونچے سایہ دار درخت تھے۔ نہر پر کہیں کہیں پل بھی تھے۔ تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار کی رفتار کم ہو گئی اور پھر ایک پل عبور کر کے نہر کے دوسری طرف آ کر واپس جانے والے راستے پر مڑ گئی۔ کار اس مرتبہ نہر کی پٹڑی والی سڑک پر نہیں مڑی تھی بلکہ ڈھلان میں اتر کر عالی شان کوٹھیوں کے سامنے سروس روڈ پر آ گئی تھی۔ کار کی رفتار ہلکی تھی۔

ثمینہ کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ کون لوگ تھے۔ شارق کے بیسیوں دشمن تھے۔ یہ لوگ کوئی بھی ہو سکتے تھے۔ لیکن شارق تو ان کے ہاتھ نہیں آیا تھا البتہ وہ ان کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ وہ لوگ اسے کہاں لے جا رہے تھے اور نجانے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ اور اگر انہیں پتہ چل گیا کہ وہ مرد نہیں عورت ہے تو وہ اس کا کیا حشر کریں گے؟ یہ سوچ کر ہی وہ کانپ اٹھی تھی۔

کار کی رفتار مزید کم ہو گئی اور پھر چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک کوٹھی کے گیٹ کی طرف مڑ گئی۔ باہر سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کوٹھی بڑی شاندار تھی۔ ڈرائیور نے گیٹ کے سامنے کار روکتے ہوئے دو مرتبہ ہارن بجایا۔ گیٹ فوراً ہی کھل گیا اور ڈرائیور کار کو اندر لیتا چلا گیا۔

وسیع و عریض لان تھا۔ کار پختہ روش پر شاندار پورچ سے ہوتی ہوئی دوسرے گیٹ کی طرف چلی گئی تھی۔ لان کے وسط میں چھوٹا سا حوض تھا جس میں فوارہ لگا ہوا تھا۔ فوارہ اس وقت بند تھا البتہ رنگین پولز پر فینسی شیڈ والی بتیاں جل رہی تھیں۔ پورچ کی چھت پر بھی تین مرکری ٹیوب لائٹیں روشن تھیں۔ برآمدے کی کشادہ سیڑھیاں اور پورا فرش سنگ مرمر کی سلوں کا تھا۔ کار پورچ میں رکتے ہی ثمینہ کے بائیں طرف بیٹھا ہوا آدمی دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ دروازے سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور جھک کر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تھلے اتر اوئے نواب دیا پترا..."

ثمینہ کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے آدمی نے اسے دھکا دیا اور ثمینہ نیچے اتر آئی۔ خوف کی شدت سے اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں اور اس کے لئے کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ اس قسم کی خطرناک صورت حال سے دوچار ہوئی تھی اور اس کا خوف زدہ ہونا فطری بات تھی۔ وہ اگلے آدمی کے اشارے پر سنگ مرمر کی کشادہ سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں آ گئی۔ اس شخص نے برآمدے کا دروازہ کھولا اور ثمینہ کو پستول سے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔

راہداری میں چند قدم چلنے کے بعد وہ دائیں طرف کے ایک دروازے میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا جو ڈرائنگ روم کے طور پر آراستہ تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ صوفے بہت قیمتی اور شاندار تھے۔ اس کمرے کی ہر چیز قیمتی اور نفیس تھی۔ صرف اسی ایک کمرے کو دیکھ کر صاحب خانہ کی دولت مندی کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

اس وسیع و عریض کمرے میں صوفوں پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک قدرے بھاری بھرکم اور درمیانے قد کا تھا جو پینٹ شرٹ میں تھا۔ دوسرا لمبے قد کا لحیم شحیم آدمی تھا۔ اس نے ریشمی لاچا اور بوسکی کی قمیض پہن رکھی تھی۔ جس کے گلے کے بٹن غالباً سونے کے تھے اور ایک باریک طلائی زنجیر سے منسلک تھے۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں سونے کی دو دو انگوٹھیاں نظر آ رہی تھیں۔ پیروں میں تلے والی سلیم شاہی تھی۔ اس نے دوپٹے کی طرح کا ایک سفید کپڑا اس طرح گلے میں ڈال رکھا تھا کہ اس کے دونوں پلو سامنے کو لٹکے ہوئے تھے۔ اس کی مونچھیں بڑی خوفناک تھیں۔

ثمینہ کے ساتھ آنے والا ایک آدمی باہر ہی رک گیا تھا جبکہ دوسرے آدمی نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد بھی ثمینہ پر پستول تان رکھا تھا۔

"یہ کون ہے اوئے اکو؟" لاچے والے نے ثمینہ کے ساتھ آنے والے سے پوچھا۔ "اور وہ کہاں ہے شارق باؤ۔"

"ہم نے بڑی مشکل سے شارق کو تلاش کیا تھا۔" اکو نے جواب دیا۔ "یہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ چند روز سے اسے شارق باؤ کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ یہ دونوں دس بجے کے قریب گلبرگ میں کباہیش میں گئے تھے۔ وہاں سے نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد ہم نے انہیں گھیر لیا۔"

"پر وہ ہے کہاں؟" اس شخص کے لہجے میں سختی آ گئی۔

"وہ بھاگ گیا استاد۔" اکو نے ڈرے ڈرے سے لہجے میں جواب دیا۔ "وہ گولی لگنے سے زخمی ہو گیا تھا۔ ہمارا بھی ایک بندہ مارا گیا ہے۔ ہم نے شارق کو پکڑنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ایک کوٹھی میں کود گیا۔ اسی وقت اگر پولیس کی گشتی وین اس طرف نہ آ جاتی تو ہم اسے بھی پکڑ لیتے۔ اس نے بھی بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن ہم نے اسے پکڑ لیا۔"

"کیا بک رہے ہو۔" وہ شخص ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "تم لوگ ایک آدمی کو نہیں پکڑ سکے۔ کیا تم لوگوں نے چوڑیاں پہن لی ہیں یا زنگ لگ گیا ہے تم لوگوں کو؟"

"استاد!" اکو نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں خوف اب بھی نمایاں تھا۔ "میں سچ کہتا ہوں اگر پولیس نہ آ جاتی تو ہم اسے پکڑ لیتے اور تمہارے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیتے۔ وہ میری گولی لگنے سے زخمی ہو گیا ہے۔ ہم اسے جلد ہی ڈھونڈھ نکالیں گے۔"

"ہمارا بندہ کیسے مرا؟" اس شخص نے پوچھا۔

"شارق کی گولی سے۔" اکو نے جواب دیا۔

خوفزدہ ہونے کے باوجود ثمینہ دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ پولیس پارٹی کی

اور شارق کی گولی سے اپنے ساتھی کے مرنے کی کہانی انہوں نے راستے ہی میں گھڑی تھی کہ انہیں ڈر تھا کہ ناکامی کی خبر سن کر ان کا باس شاید انہیں زندہ نہ چھوڑے۔

"یہ کون ہے؟" لاچے والے نے ثمینہ کی طرف اشارہ کیا۔

"اسے کئی روز سے شارق باؤ کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شارق کے اس ٹھکانے کے بارے میں جانتا ہو گا جس کا سراغ ہم اب تک نہیں لگا سکے۔ میرا خیال ہے کہ چار ہاتھ پڑیں گے تو سب کچھ بک دے گا۔" اکو نے جواب دیا۔

"کیوں ادئے..... کون ہو تم اور شارق باؤ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" لاچے والے نے گھورتی ہوئی نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"مم... میرا اس سے ایسا کوئی تعلق نہیں۔ محض دوستی ہے۔ کبھی کبھی اتفاقاً ملاقات ہو جاتی ہے۔ تمہارے یہ آدمی مجھے بلاوجہ ہی پکڑ لائے ہیں۔ اگر شارق سے تمہاری کوئی دشمنی ہے تو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" ثمینہ نے اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے جانتے ہو؟" لاچے والے نے کہا۔

"نہیں..... نہیں..... میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"میرا نام ماجھا گجر ہے۔" اس شخص نے ثمینہ کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "ابھی ے بارے میں جان لو گے کہ میں کیا ہوں۔"

ماجھا گجر کا نام سن کر ثمینہ کانپ اٹھی۔ شارق نے اس کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ وہ کا سب سے بڑا دشمن تھا اور ابھی دو تین دن پہلے ہی تو شارق کی مخبری پر پولیس نے اس کے ے پر چھاپہ مارا تھا۔ پولیس کی اس کارروائی میں نہ صرف ماجھے گجر کے دو بندے مارے گئے بلکہ اس کا کئی لاکھ کا مال بھی پولیس کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ ماجھا گجر اسی روز سے شارق کو ا کر رہا تھا اور آج شارق تو اس کے ہاتھ نہیں آ سکا تھا البتہ وہ پھنس گئی تھی۔ اس کا دماغ رہا تھا۔ اس نے شارق سے ماجھا گجر کی سفاکی کے بہت قصے سنے تھے۔ ابھی چند روز پہلے ہی نے شارق کے ایک آدمی کو قتل کر کے لاش گوبر میں دبا دی تھی۔ ثمینہ سمجھ گئی کہ شاید یہ کی زندگی کی آخری رات ہے۔

"میں نے تمہارا نام کبھی نہیں سنا۔ میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں مم..... مجھے چھوڑ دو۔"

"میں تمہیں چھوڑ دوں گا لیکن اس سے پہلے تمہیں یہ بتانا ہو گا کہ شارق رات کو کہاں ہوتا ہے۔ اگر تم وہ ٹھکانہ بتا دو تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ میں تمہیں اتنی رقم انعام میں دوں گا کہ تم زندگی بھر عیش کرو گے۔" ماجھے گجر نے کہا۔

"مم.... میں کچھ نہیں جانتا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"سوچ لو پپو۔" ماجھے گجر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تم اتنے نازک آ رہے ہو کہ دو ہاتھ بھی نہیں سہہ سکو گے۔ بہتر یہی ہے کہ جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا ٹھیک جواب دے دو۔"

"مم.... میں واقعی اس کے گھر کے بارے میں نہیں جانتا۔ ہماری ملاقات ہمیشہ مال روڈ پر ہاؤس میں ہوتی ہے۔ آج بھی وہیں ملے تھے پھر ہم کھانا کھانے کے لئے کبابیش آ گئے تھے۔" نے جواب دیا۔ شارق نے اس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اسی کی وجہ سے وہ باعزت زندگی چھوڑ کر اس دلدل میں پھنسی تھی لیکن نجانے کیا بات تھی کہ اس کے باوجو شارق کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہیں تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ شارق کے نگر والے گھر کا پتہ نہیں بتائے گی۔

"یہ ایسے نہیں مانے گا اکو۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "اس کے پنڈے پر دو چار چھتر لگاؤ نا دیکھو یہ بولتا ہے یا نہیں۔"

اکو نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا اور ثمینہ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"اوئے باؤ.... اپنی قمیض اتار دے کہیں چھتر پڑنے سے میلی نہ ہو جائے۔"

"نہیں.... نہیں میں قمیض نہیں اتاروں گا۔" ثمینہ خوفزدہ ہو کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"اگر بندے نے قمیض پہنی ہو تو چھتروں کا مزہ نہیں آتا۔ آدھی چوٹ قمیض روک لیتی اور پھر دیکھو نا جب ہمارے ملک میں مارشل لا لگتا ہے تو مجرموں کو کوڑے مارنے کی سزا دینے لئے ان کی قمیض اتار دی جاتی ہے۔ تو بھی اتار دے قمیض' شاباش! سمجھ لے کہ اس کمرے مارشل لا لگا ہوا ہے۔" اکو اس کے سامنے رک گیا۔

"نہیں' میں قمیض نہیں اتاروں گا۔" ثمینہ دو قدم اور پیچھے ہٹ گئی۔

اکو چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے اچانک ہی اچھل کر ثمینہ کے گریبان پر ڈال دیا۔ ثمینہ نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں سے اپنی قمیض کو پکڑ لیا اور جھک کر زور دار جھٹکا اس کا خیال تھا کہ اس طرح اکو کی گرفت سے نکل جائے گی لیکن اکو گھوم کر اس کے پیچھے آ اس کے دونوں ہاتھ بغلوں سے ہوتے ہوئے ثمینہ کے گریبان پر تھے۔ اسے ثمینہ کے بدن گداز پن کا ایک عجیب سا احساس ہوا تھا لیکن اس نے زیادہ توجہ نہیں دی اور دونوں ہاتھوں کو دار جھٹکا دیا۔ ثمینہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔ وہ لڑکھڑا گئی اور اس کے ساتھ ہی قمیض سامنے کے سارے بٹن ٹوٹ گئے۔ اکو نے قمیض کو پیچھے کھینچا۔ ثمینہ کی بانہیں پیچھے مڑ گئیں

ں اس کی بانہوں سے بھی نکل گئی۔

ماجھا گجر پھٹی پھٹی سی نظروں سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔ صوفے پر بیٹھا ہوا دوسرا آدمی بھی جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی حیرت امڈ آئی تھی۔

اکو بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے ثمینہ کی پھٹی ہوئی قمیض ایک طرف ف دی اور نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ثمینہ کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں بڑی خوفناک چمک

"رک جاؤ اکو۔" ماجھا گجر نے اشارہ کیا۔ اکو کے قدم وہیں رک گئے۔ "اب تو بات ہی ری ہو گئی ہے تم جاؤ.... میں اس سے شارق کے بارے میں پوچھ لوں گا۔ اب یہ ہماری کسی کا جواب دینے سے انکار نہیں کرے گی۔"

اکو عجیب سی نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ ماجھا گجر کے ساتھ ا بھاری بھرکم آدمی نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ثمینہ کے قریب پہنچ گیا اور انگلی سے اس کی ٹھوڑی اٹھاتے ہوئے بولا۔

"یار ماجھے! یہ شارق تو بڑا چھپا رستم نکلا' کیا غضب کی چیز پال رکھی ہے اس نے۔ لوگوں کی ں سے چھپانے کے لئے اس کا حلیہ بھی ایسا بدلا ہے کہ کوئی شک بھی نہیں کر سکتا۔ کون ہو تمہارا تعلق ہیرا منڈی سے تو نہیں؟ یا فلموں شلموں میں کام کرتی ہو؟"

ثمینہ نے نظریں اٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا اور پھر اس کے منہ پر تھوک دیا۔

"یہ تو بڑی خوفناک چیز ہے بھئی۔" وہ شخص بے غیرتی سے قہقہہ لگاتے ہوئے بولا پھر جیب رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کرنے لگا۔

"یہ قمیض پہن لو۔" ماجھا گجر نے ثمینہ کی قمیض اٹھا کر اس کی طرف اچھال دی اور اپنے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مہر! تم اب جاؤ۔ اب صورت حال بدل گئی ہے۔ میں اس لڑکی معلوم کر لوں گا کہ شارق کہاں ہے۔ تم جاؤ۔ اب تمہاری ضرورت نہیں رہی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی گجرا۔" بھاری بھرکم مہر نے گھورتی ہوئی نگاہوں سے ماجھا گجر کی دیکھا۔ "مال ہاتھ لگا ہے تو مجھے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینک رہے ہو۔"

"مہر!" ماجھا گجر نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑھ دیں۔ "تم گجر کو اچھی طرح جانتے ہو۔ گجر ہیروئن بیچتا ہے' اسلحہ بیچتا ہے' اسمگلنگ کرتا ہے مگر اس نے لڑکیوں کا کاروبار کبھی نہیں میری غیرت ابھی مری نہیں۔ عورتوں کے بارے میں میرے خیالات کچھ اور ہیں اور تو اچھی جانتا ہے۔"

"لیکن اس سے شارق کا پتہ تو پوچھنے دو۔" مہر نے کہا۔

"میں پوچھ لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ بس اب پھوٹ لو یہاں سے۔ کل شام کو آ جانا مجھے یقین ہے کہ اس وقت شارق بھی یہاں پہنچ جائے گا اور پھر تم اس پر اپنی حسرتیں پوری کر لینا۔" ماجھا گجر نے کہا اور مہر کا بازو پکڑ کر اسے کمرے سے باہر لے گیا۔

ثمینہ نے جلدی سے قمیض پہن لی۔ اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ جس سے اسے قمیض پہننے میں بھی دشواری پیش آ رہی تھی۔ قمیض کے اگلے سارے بٹن ٹوٹ چکے تھے۔ صرف درمیان کا ایک بٹن باقی بچا تھا جسے اس نے لگا لیا لیکن یہ بٹن لگانے کے باوجود اس کا گلا کھلا ہی تھا۔

ماجھا گجر تھوڑی ہی دیر بعد کمرے میں واپس آ گیا۔ اس مرتبہ وہ اکیلا تھا۔ وہ کچھ دیر تک ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا پھر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"بیٹھو۔ ڈرو نہیں تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

ثمینہ جلدی سے قریب کے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں اور اس نے قمیض کو بڑی سختی سے مٹھی میں پکڑ رکھا تھا۔

"تم کون ہو اور شارق سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"مم.... میرا نام ثمینہ ہے۔" ثمینہ نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں لوہاری میں رہتی ہوں۔ پہلے شارق بھی وہیں رہا کرتا تھا لیکن پھر وہ کہیں چلا گیا۔ دو تین ہفتے پہلے اتفاق سے اس سے ملاقات ہو گئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں اس کی تلاش میں تھی۔"

"میں سمجھا نہیں!" ماجھا گجر نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

ثمینہ چند لمحے خاموش رہی۔ اس نے فوراً ہی ایک فرضی کہانی سنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ شارق نے اسے اپنی زندگی کی پوری کہانی سنا رکھی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ لوہاری ہی میں گزرا تھا۔ سلمان ایڈووکیٹ کا قصہ تو وہ جانتی تھی۔ ثمینہ نے اسی حوالے سے ایک فرضی کہانی گھڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"بات یہ ہے جی۔" وہ مدہم لہجے میں کہنے لگی۔ "شارق ہمارے گھر کے سامنے رہتا تھا۔ میرے والد سلمان ایڈووکیٹ تھے۔ میرے والد اور شارق کے باپ کے درمیان مکان کا کوئی جھگڑا تھا۔ عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا۔ شارق کا باپ مقدمہ جیت گیا۔ اس کے چند روز بعد اس کا انتقال ہو گیا اور پھر کچھ ہی عرصہ بعد شارق کے مکان کو آگ لگ گئی شارق کو شبہ تھا کہ اس کے مکان کو آگ میرے والد نے لگائی یا لگوائی تھی۔ وہ میرے والد سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ چند روز

پہلے میرے والد ایک کام سے فیصل آباد گئے ہوئے تھے کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ شارق بھی ان دنوں فیصل آباد گیا ہوا تھا۔ اس قتل میں اگرچہ اس کا نام سامنے نہیں آیا لیکن مجھے شبہ ہے کہ میرے والد کو اسی نے قتل کیا تھا۔ میں نے حقیقت کا پتہ چلانے کے لئے ایک منصوبہ بنایا اور شارق سے میل ملاقاتیں بڑھانے لگی۔ میں اس سے محبت کا ڈھونگ رچا کر یہ اگلوانا چاہتی تھی کہ میرے باپ کا قاتل کون ہے۔"

"اس حلئے میں؟" ماجھا گجر نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شارق مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "یہ بھیس تو میں نے اپنے جاننے والوں کی نظروں سے بچنے کے لئے اپنایا ہے۔"

"تم جانتی ہو شارق کی اصلیت کیا ہے؟ وہ کرتا کیا ہے؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"نہیں۔" ثمینہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ وہ میرے باپ کا قاتل تو نہیں۔ اگر مجھے یہ پتہ چل گیا کہ میرے باپ کا قاتل وہی ہے تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اسے سسکا سسکا کر ماروں گی۔"

"کیا وہ جانتا ہے کہ....."

"ہاں۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں سلمان ایڈووکیٹ کی بیٹی ہوں۔ وہ بے وقوف سمجھتا ہے کہ میں سب کچھ بھول گئی ہوں اور واقعی اس سے محبت کرنے لگی ہوں۔ وہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگا ہے۔"

"سچ کہہ رہی ہو؟" ماجھا گجر نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں تمہیں اپنے گھر کا پتہ بتا دیتی ہوں۔ تم چاہو تو وہاں سے میرے بارے میں تصدیق کر سکتے ہو۔"

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ شارق اسلحہ اور منشیات کا بہت بڑا اسمگلر ہے۔ وہ صرف منشیات فروش ہی نہیں قاتل بھی ہے۔ وہ کئی بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے باپ کو بھی اسی نے قتل کیا ہو گا۔"

"جب تک کوئی ثبوت نہیں مل جاتا میں اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن تمہاری اس سے کیا دشمنی ہے؟ تمہارے آدمی اسے اغواء کیوں کرنا چاہتے تھے؟"

"وہ میرا دشمن نمبر ایک ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "وہ اب تک نہ صرف میرے کئی آدمیوں کو قتل کر چکا ہے بلکہ اس کی وجہ سے مجھے کروڑوں روپے کا نقصان بھی اٹھانا پڑا ہے۔"

"لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مجھے کیوں پکڑا ہے؟" ثمینہ نے کہا۔

"تمہاری صورت میں شطرنج کا ایک مہرہ میرے ہاتھ آگیا ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔

"اطمینان رکھو۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں تمہارے ذریعے شارق باؤ کو اپنی گرفت میں لینا چاہتا ہوں۔ میں اسے پیغام بھیجوں گا کہ تم میرے قبضے میں ہو اگر اسے واقعی تم سے محبت ہے تو وہ ضرور آئے گا اور اگر نہیں آیا تو سمجھ لینا کہ وہ تمہارے ساتھ بھی دھوکا کر رہا ہے۔"

"اور پھر میرا کیا ہو گا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"تمہیں کل رات تک تو ہر صورت میں یہیں رہنا ہے۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہو گا اس کا فیصلہ کل رات ہی کیا جائے گا۔"

"کک.... کیا مطلب؟ کیا تم مجھے اپنا قیدی بنا کر رکھو گے؟" ثمینہ ہکلائی۔

"صرف کل رات تک کے لئے۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔" وہ اسے دوسرے کمرے میں لے آیا۔ "رات تم اس کمرے میں گزارو گی۔ اپنے اطمینان کے لئے چاہو تو دروازہ اندر سے بند کر لو۔"

ماجھا گجر اسے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ ثمینہ کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑی رہی پھر اس نے دروازہ بند کر لیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ بہت شاندار بیڈ روم تھا۔ بہت ہی آرام دہ بیڈ بچھا ہوا تھا اور دیگر ساز و سامان بھی قیمتی تھا۔ اس کمرے کے عقبی سمت میں دو کھڑکیاں تھیں۔ کھڑکیاں کافی کشادہ تھیں جن کے سامنے نیلے رنگ کے دبیز ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ ثمینہ چند لمحے اپنی جگہ پر کھڑی رہی پھر اس نے آگے بڑھ کر ایک کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ کھڑکیوں میں آہنی سلاخوں والی گرل لگی ہو گی لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ کوئی سلاخیں نہیں تھیں۔ اس نے ایک پٹ کھول دیا اور باہر جھانکنے لگی۔

عقبی سمت میں بھی لان تھا لیکن اس طرف تاریکی تھی۔ لان کے دوسری طرف تقریباً آٹھ دس فٹ اونچی دیوار تھی۔ لان کی اندر کی طرف ٹاہلی کے دو تین درخت بھی تھے۔ ایک درخت کی موٹی موٹی شاخیں چھت تک چلی آئی تھیں۔ ثمینہ کھڑکی سے سر نکال کر ادھر ادھر دیکھنے لگی پھر دفعتاً غراہٹ کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ وہ آوازوں کی سمت دیکھنے لگی۔ اور پھر اسے دو خونخوار قسم کے کتے ٹہلتے ہوئے نظر آ گئے۔

ثمینہ نے پیچھے ہٹ کر کھڑکی بند کر دی اور پردہ برابر کر دیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کھڑکیوں میں سلاخیں لگانے کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی گئی تھی۔ ان خونخوار کتوں کی موجودگی میں نہ تو کوئی چوری چھپے کوٹھی میں داخل ہو سکتا تھا اور نہ ہی باہر نکلنے کی کوشش کر سکتا

تھا۔

ثمینہ، ماجھا گجر کے شریفانہ سلوک سے اگرچہ اپنی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پا چکی تھی لیکن اس کا دل اب بھی ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ عورتوں کے بارے میں ماجھا گجر کے خیالات اگرچہ بہت شریفانہ تھے لیکن تھا تو وہ اسمگلر۔ ایسے لوگ اپنی کسی بات پر صرف اسی وقت تک قائم رہتے ہیں جب تک ان کے مفادات پر ضرب نہیں پڑتی۔ جب انہیں اپنی گوٹ پھنسی ہوئی نظر آتی ہے تو وہ تمام اصول اور قاعدے قانون بھول جاتے ہیں۔ شارق بھی تو ایسا ہی ثابت ہوا تھا۔ کتنے بلند و بانگ دعوے کئے تھے اس نے عورت کے بارے میں۔ کیسے کیسے ڈائیلاگ بولے تھے۔ ثمینہ اس کی شرافت کی قائل ہو گئی تھی۔ لیکن موقع ملتے ہی شارق نے اسے روند ڈالا تھا۔ اور اب اسے اپنا کھلونا بنا لیا تھا۔ ان جیسے لوگوں کی کسی بات کا یقین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ثمینہ نے کئی کتابیں پڑھی تھیں۔ بہت سی ایسی فلمیں دیکھی تھیں جن میں شارق اور ماجھا گجر جیسے لوگ خوبصورت لڑکیوں کو اپنا کام نکالنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ انہیں لڑکیوں کی عزت کا پاس نہیں ہوتا نہ ہی ان کی جان کی پرواہ ہوتی ہے وہ تو صرف اپنا کام نکالنے کے لئے ان لڑکیوں کو استعمال کرتے ہیں۔ کہیں ان لڑکیوں کو رشوت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور کہیں دوسرے طریقوں سے چارے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ شارق نے ابھی تک ایسا نہیں کیا تھا۔ شاید اسے کوئی موقع نہیں ملا تھا لیکن بدقسمتی سے وہ ماجھے گجر کے ہاتھ لگ گئی تھی اور اب ماجھا گجر شارق کو گرفت میں لینے کے لئے اسے چارے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا۔

ثمینہ کی بربادی کا ذمے دار اگرچہ شارق تھا لیکن نجانے کیا بات تھی کہ اسے شارق سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ وہ اگر چاہتی تو بڑے اطمینان سے شارق کے شام نگر والے مکان کا پتہ بتا کر اپنی گلوخلاصی کروا سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا، کیونکہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر اس نے شارق کے اس خفیہ ٹھکانے کے بارے میں بتا بھی دیا تو ماجھا گجر اسے آزاد نہیں کرے گا۔ ایسے لوگوں کی نظریں بہت دور تک دیکھنے کی عادی ہوتی ہیں۔ شارق کو اغواء کرنے کی کوشش میں ان کا ایک آدمی مارا گیا تھا اور شارق زخمی ہوا تھا اور ثمینہ اس سارے واقعہ کی چشم دید گواہ تھی۔ ماجھا گجر اسے آسانی سے کیسے چھوڑ سکتا تھا۔

ثمینہ کے ذہن میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ اس نے اپنے بارے میں ایک فرضی کہانی سنائی تھی۔ ماجھا گجر ایسا بے وقوف تو نہیں تھا کہ اس نے اس کی کہانی پر یقین کر لیا ہو گا۔ وہ یقیناً اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور جب اسے پتہ چلے گا کہ ثمینہ نے اس سے جھوٹ بولا تھا تو وہ اس کے ساتھ ایسا شریفانہ سلوک نہیں کرے گا۔

ثمینہ بیڈ کے قریب کھڑی یہ سب کچھ سوچ رہی تھی کہ ہلکے سے کھٹکے کی آواز سن کر چونک گئی۔ یوں لگا تھا جیسے کوئی ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ واقعی باہر کوئی موجود تھا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کون ہے؟ کیا بات ہے؟" ثمینہ نے دروازے کے قریب پہنچ کر پوچھا۔ اس کے ذہن پر ہلکا سا خوف طاری ہونے لگا تھا۔

"دروازہ کھولو.....میں تمہارے لئے چائے لے کر آیا ہوں۔" باہر سے کہا گیا۔ یہ اکو کی آواز تھی۔

"چائے!" ثمینہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ یہ کمرہ ایسا نہیں تھا کہ وہ دروازہ بند رکھ کر محفوظ رہ سکتی ہو۔ وہ دروازہ نہ بھی کھولتی تو وہ لوگ دروازہ یا کھڑکی توڑ کر آسانی سے اندر آ سکتے تھے۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کا بولٹ گرا دیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنی قمیض کے گریبان کو قریب سے مٹھی میں جکڑ رکھا تھا۔ اس نے جیسے ہی بولٹ گرایا تھا دوسری طرف سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ ثمینہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اکو واقعی چائے لے کر آیا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا کمرے میں آ گیا اور متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"استاد نے کہا تھا کہ تمہیں چائے دے دی جائے۔ اس واقعہ نے تمہارے ذہن کو بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا ہو گا۔ لو... چائے پی لو۔" اکو نے کمرے میں داخل ہو کر چائے کا کپ چھوٹی ٹیبل پر رکھ دیا اور ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ماجھا گجر کہاں ہے۔ میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔

"وہ تو چلا گیا... کل دن میں کسی وقت آئے گا۔" اکو نے جواب دیا۔

"کیا یہ کوٹھی اس کی نہیں ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"یہ کوٹھی اسی کی ملکیت ہے۔ ابھی حال ہی میں تو بنائی ہے۔" اکو نے کہا۔ "لیکن وہ یہاں زیادہ نہیں رہتا۔ یہ اس کا سب سے محفوظ اور خفیہ ٹھکانہ ہے جس کے بارے میں اس کے صرف چند نہایت قابل بھروسہ آدمیوں کو معلوم ہے۔ شارق کے چکر نے اسے پریشان کر دیا ہے۔ وہ اسی سلسلے میں گیا ہے۔ کل دن میں کسی وقت آ جائے گا۔ کوئی بات کرنی ہے تو مجھ سے کر لو۔ میں جو ہوں۔"

"نہیں....کل وہ آ جائے گا تو اس سے بات کروں گی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے.... یہ چائے پی لو او ۔ دروازہ اندر سے بند مت کرنا۔" اکو نے کہا۔

"کیوں؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"بس کہہ دیا نا کہ تم دروازہ اندر سے بند نہیں کرو گی۔ تمہیں کوئی کھا نہیں جائے گا اور ویسے بھی اس وقت کوٹھی میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ ایک چوکیدار ہے وہ گیٹ سے ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ اور ہاں..... ایک بات اور بتا دوں۔ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش مت کرنا۔ کمپاؤنڈ میں خونخوار کتے گھوم رہے ہیں۔ اگر انہوں نے تمہیں چیر پھاڑ دیا تو....." اکو نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورہ چھوڑ دیا اور ثمینہ کی طرف دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

ثمینہ کچھ دیر تک اپنی جگہ پر کھڑی رہی پھر وہ دروازہ بھیڑ کر پلنگ کے کنارے پر بیٹھ گئی اور کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگی۔ وہ اس وقت واقعی چائے کی طلب محسوس کر رہی تھی۔

چائے پیتے ہوئے اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ صورت حال اس کے سامنے نہایت واضح تھی۔ وہ فیصل آباد پولیس کو مطلوب تھی۔ یہاں بھی اس کے باپ کی رپورٹ پر پولیس اسے تلاش کر رہی تھی۔ شارق نے اگرچہ اسے تحفظ دیا تھا لیکن وہ سمجھ رہی تھی کہ اس کی حیثیت شارق کی داشتہ کی سی ہو کر رہ گئی ہے۔ شارق اسے ساتھ لے کر مختلف جگہوں پر گیا تھا۔ اس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ اسے لوگوں سے متعارف کرانا چاہتا ہے تاکہ کل کلاں کو وہ خود ہی ان لوگوں سے نمٹ سکے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ شارق اسے بھی ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث کرنا چاہتا تھا۔ شاید شارق نے اسے اس کاروبار میں استعمال کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا جس پر قدم بہ قدم عمل شروع کر دیا تھا۔ خوبصورت لڑکیاں اس قسم کے کاروبار میں بڑی کامیاب رہتی ہیں۔ ان کے ذریعے بڑے بڑے کام نکالے جا سکتے ہیں۔ لیکن اب وہ شارق کے ہاتھوں سے نکل کر ماجھا گجر کے جال میں آن پھنسی تھی۔ شارق اور ماجھا گجر ایک ہی سکے کے دو رخ تھے۔ وہ ایک ہی کردار کے مالک تھے۔ ان کا کاروبار ایک ہی تھا۔ گویا وہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئی تھی۔

چائے پیتے ہوئے اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا.... فرار..... اکو نے اپنی حماقت سے اسے بتا دیا تھا کہ وہ کوٹھی میں اکیلا ہے۔ دوسرا چوکیدار ہے جو گیٹ کے آس پاس ہی رہتا ہے۔ اگر اکو کو قابو میں کر لیا جائے تو وہ آسانی سے یہاں سے فرار ہو سکتی تھی۔ اکو کی آنکھوں میں وہ ہوس کی چمک دیکھ چکی تھی۔ عورت' مرد کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے اور اگر عورت اس جیسی جوان اور حسین ہو تو کسی مرد کو بے وقوف بنانا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔

چائے ختم کر کے اس نے خالی کپ میز پر رکھا اور اٹھ کر ایک بار پھر کھڑکی کے قریب آ گئی اور کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے لگی۔ کمپاؤنڈ میں خونخوار کتوں کی موجودگی میں دیوار پھاند کر فرار ہونا

ممکن نہیں تھا۔ اس کے دیوار تک پہنچنے سے پہلے ہی کتے اسے چیر پھاڑ ڈالیں گے۔ وہ کھڑکی سے ذرا باہر کی طرف جھک کر ٹاہلی کے اس درخت کی طرف دیکھنے لگی جس کی ایک شاخ چھت کی طرف چلی گئی تھی۔ درخت کا جائزہ لینے کے بعد اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس درخت کی ایک شاخ چھت کی طرف تھی اور دو تین شاخیں اس درخت کی شاخوں میں الجھی ہوئی تھیں جو دیوار کے زیادہ قریب تھا۔ اس درخت کی دوسری شاخیں دیوار کے باہر کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ ان شاخوں کی مدد سے نہایت آسانی سے کوٹھی کی دیوار کے باہر پہنچا جا سکتا تھا۔ لیکن.... مسئلہ صرف اکو کو گرفت میں لینے کا تھا۔

اکو کو حسن کا لشکارا دے کر قابو میں کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے تصور ہی سے ثمینہ کراہیت محسوس کرنے لگی۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا اور بالآخر اس نے اسی منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ڈیڑھ بج رہا تھا۔ اکو یقیناً جاگ رہا ہو گا۔ ثمینہ دل پر جبر کر کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے اگر یہاں سے نکلنا ہے تو اکو کی تھوڑی بہت دست درازی برداشت کرنی ہی پڑے گی۔ یہ بات بھی اس کے ذہن میں تھی کہ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی تو اکو اس کے ساتھ کوئی نرمی نہیں کرے گا۔

وہ دروازہ کھول کر راہداری میں آ گئی۔ اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے قمیض کے گریبان کو سنبھال رکھا تھا۔ وہ راہداری میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ بائیں طرف برآمدے والا دروازہ تھا جو بند تھا۔ دائیں طرف چند قدم آگے ایک ہال کمرہ تھا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ دبے قدموں ہال کی طرف بڑھنے لگی۔

وسیع و عریض ہال تھا۔ دیوار سے دیوار تک قالین بچھا ہوا تھا۔ صوفے آراستہ تھے۔ درمیان میں شیشے کے ٹاپ والی دو کافی ٹیبل پڑی ہوئی تھیں۔ دونوں پر شیشے کے خوبصورت گلدان رکھے ہوئے تھے جن میں خوبصورت مصنوعی پھل سجے ہوئے تھے۔ بائیں طرف اوپر جانے کا زینہ تھا۔ زینے کا اوپر والا دروازہ بند تھا۔ دائیں طرف ایک صوفے پر اکو نیم دراز سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس نے شاید ابھی تک ثمینہ کو نہیں دیکھا تھا۔ ثمینہ آگے بڑھتی رہی۔ دفعتاً" وہ ایک کرسی سے ٹکرا گئی۔ آواز سن کر اکو ایک دم اٹھ گیا۔

"کی گل اے سوہنیو!" وہ سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی ایش ٹرے میں سگریٹ مسلتے ہوئے بولا۔ "کوٹھی کا معائنہ ہو رہا ہے۔ بھاگنے کا راستہ تو تلاش نہیں کر رہی ہو؟"

"نن... نہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "نیند نہیں آ رہی تھی سوچا کہ تمہارے ساتھ باتوں میں

کچھ وقت گزار لیا جائے۔"

"ست بسم اللہ۔ جی آیا نوں۔" اکو کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔ "آؤ نا پھر... یہاں میرے پاس بیٹھو۔" اس نے صوفے پر ہاتھ مارا۔

"نہیں، میں یہاں بیٹھ جاؤں گی۔" ثمینہ کہتے ہوئے دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کا رخ اکو کی طرف تھا۔ ثمینہ نے نظریں جھکا رکھی تھیں۔ پھر اس نے گریبان سے اپنی قمیض اس طرح چھوڑ دی جیسے غیر ارادی طور پر ایسا ہوا ہو۔

قمیض کا گریبان کھل گیا۔ اکو کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر اس کے صوفے پر آ گیا۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اس نے قمیض سنبھالنی چاہی مگر اکو نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اس کو رہنے دو نا ایسے ہی۔ گرمی ہو رہی ہے۔ جسم کو ذرا ہوا شوا لگنے دو۔" اکو نے کہا۔

ثمینہ کا جسم ہولے ہولے کانپنے لگا۔ "کھڑکیوں کے پردے ہٹے ہوئے ہیں اور باہر چوکیدار بھی گشت کر رہا ہو گا۔ اگر وہ اس طرف آ گیا تو....."

"تو پھر چلو اس کمرے میں چلتے ہیں۔ وہاں ایئر کنڈیشنر بھی لگا ہوا ہے۔" اکو نے کہا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر صوفے سے اٹھا دیا اور سامنے والے ایک دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ "یہ ماجھا گجر کا خاص کمرہ ہے۔" دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے اکو نے بتی جلا دی اور ایئر کنڈیشنر بھی آن کر دیا۔

کمرے میں شاندار ڈبل بیڈ بچھا ہوا تھا۔ بستر پر سرخ رنگ کی ایک لمبی ڈوری پڑی ہوئی تھی جس کے دونوں سروں پر رنگین دستے لگے ہوئے تھے۔ یہ رسیاں عام طور پر کمسن لڑکیاں کھیل کے دوران پھاندنے کے لئے استعمال کرتی تھیں۔ یہ رسی دیکھ کر ثمینہ کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"یہ رسی ماجھے گجر کی بیٹی کی ہے۔ کل گاؤں جاتے ہوئے یہیں بھول گئی تھی۔" اکو نے کہتے ہوئے رسی ایک طرف ہٹا دی اور ثمینہ کو بازو سے پکڑ کر بستر پر بیٹھ گیا۔

"سوہنیو! اب یہ مونچھیں اتار دو نا۔ اتنے خوبصورت چہرے پر یہ نقلی مونچھیں اچھی تو نہیں لگتیں۔" اکو نے کہا اور پھر خود ہی اس کے ہونٹوں سے مونچھیں اتار کر ایک طرف پھینک دیں۔

ثمینہ کے لئے یہ آخری موقع تھا۔ اس نے پلنگ کے کنارے پڑی ہوئی رسی پکڑ لی اور پھر اکو نے جیسے ہی اسے دبوچنا چاہا وہ بڑی پھرتی سے لوٹ لگا کر ایک طرف ہٹ گئی اور پھر دوسرے ہی لمحہ اس نے رسی کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اکو کی گردن پر لپیٹ دیا اور اسے پوری قوت سے بل

دینے لگی۔

اکو پلنگ پر بری طرح مچل رہا تھا لیکن رسی پر ثمینہ کی گرفت خاصی مضبوط تھی اب وہ چند سیکنڈ پہلے والی ثمینہ نہیں رہی تھی جو خوف سے تھرتھر کانپ رہی تھی۔ اب وہ ایک نئی ثمینہ تھی جس کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔ اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ان درندوں میں رہنا ہے تو اسے بھی درندہ بننا پڑے گا۔ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر نہیں رہنا چاہتی تھی۔ وہ پوری قوت سے رسی کو بل دیتی چلی گئی۔ اب اسے اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ اکو زندہ بچے گا یا مرجائے گا۔

اکو بری طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اس کے منہ سے خرخراہٹ کی عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ پھر اس کی مزاحمت کمزور پڑتی چلی گئی اور بالاخر وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ ثمینہ نے ایک زور دار جھٹکا دے کر اسے چھوڑ دیا۔ اکو کی آنکھیں حلقوں سے ابل پڑی تھیں اور زبان باہر کو نکل آئی تھی۔ اس کا چہرہ بہت ہی خوفناک ہو گیا تھا۔

ثمینہ کا سانس پھول گیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس خوفناک ترین مرحلے سے گزرنا پڑا تھا۔ اپنے آپ کو بچانے کے لئے اسے ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتارنا پڑا تھا۔ اب یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ لوگ ایک دوسرے کو کیوں اور کس طرح قتل کرتے ہیں۔ کوئی اپنی دولت بچانے کے لئے کسی کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور کوئی اپنی جان بچانے کے لئے کسی اور کی زندگی کا چراغ گل کر دیتا ہے۔

ثمینہ کچھ دیر وہاں کھڑی اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی پھر اس نے اکو کی لاش کی طرف دیکھا اور اپنی قمیض کا واحد بٹن بند کرتی ہوئی دروازہ کھول کر ہال میں آ گئی اور تیز تیز قدموں سے زینے کی طرف بڑھنے لگی۔ ایک کرسی پر کوئی چادر پڑی دیکھ کر وہ ایک لمحہ کو رکی۔ اس نے چادر اٹھائی اور دبے قدموں زینہ چڑھنے لگی۔

زینے کے اختتام والے دروازے کے دوسری طرف ایک کمرہ تھا جس میں کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ اس نے دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا اور چھت پر نکل آئی اور پھر جھک کر چلتی ہوئی اس طرف آ گئی جہاں ٹاہلی کے درخت کی ایک موٹی شاخ چھت تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس نے چادر کمر پر لپیٹ کر باندھ لی اور شاخ پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ آگے سرکنے لگی۔

اس کے دل کی دھڑکن ایک بار پھر تیز ہو گئی تھی۔ یہ خوف دامن گیر تھا کہ اگر نیچے گر گئی تو خونخوار کتے آواز سن کر اس طرف آ جائیں گے اور اسے چیر پھاڑ ڈالیں گے۔ بے شمار چھوٹی چھوٹی شاخوں کی وجہ سے اسے آگے بڑھنے میں دشواری پیش آ رہی تھی لیکن بالاخر وہ اس جگہ

تک پہنچ گئی جہاں دوسرے درخت کی شاخیں اس شاخ سے الجھی ہوئی تھیں۔ دوسری شاخ پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہوئے ثمینہ کا پیر پھسل گیا۔ وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ اگر وہ دوسری شاخوں کا سہارا نہ لے لیتی تو یقیناً گر پڑتی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ شاخیں زور سے ہلنے سے اچھی خاصی آواز پیدا ہوئی تھی اور یہ آوازکتوں کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے کافی تھی۔

آواز سنتے ہی کتے غراتے ہوئے اس طرف آ گئے۔ ثمینہ کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی۔ شاخوں کی آواز سن کر کتے منہ اوپر اٹھا کر بھونکنے لگے۔ ثمینہ سنبھل سنبھل کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کتے منہ اوپر اٹھائے مسلسل بھونک رہے تھے۔

کتوں کی آواز سن کر گیٹ کا چوکیدار تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس طرف آ گیا۔ اس کے کندھے پر شاٹ گن لٹکی ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے ڈبو..... کیوں بھونک رہے ہو؟" چوکیدار ایک کتے کی طرف دیکھتے ہوئے اسے پچکارنے لگا۔

کتے بدستور منہ اوپر اٹھائے بھونکتے رہے۔ ساتھ ہی وہ اچھل رہے تھے جیسے شاخوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"اوپر تمہارا باپ بیٹھا ہوا ہے کیا؟" چوکیدار نے کتے کو ڈانٹا اور پھر خود بھی اوپر دیکھنے لگا۔ ثمینہ اس دوران اس شاخ پر پہنچ گئی تھی جو دیوار سے باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ چوکیدار نے اسے دیکھ لیا تھا۔ "اوئے..... کون ہو تم..... چور..... چور..... ٹھہر جا..... ابھی بتاتا ہوں تمہیں۔"

ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے جھک کر دیکھا۔ چوکیدار کندھے پر لٹکی ہوئی شاٹ گن اتار رہا تھا۔ ثمینہ بڑی پھرتی سے شاخ سے لٹک گئی۔ ادھر اس نے چھلانگ لگائی ادھر فضا دھماکے کی آواز سے گونج اٹھی۔ چوکیدار کی چلائی ہوئی گولی شاخوں میں ٹھیک اس جگہ لگی تھی جہاں چند سیکنڈ پہلے ثمینہ موجود تھی۔

ثمینہ نے تقریباً دس فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگائی تھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ نیچے کچی زمین تھی اور اسے کوئی چوٹ نہیں لگی تھی۔ ایک سیکنڈ بعد وہ اٹھ کر ایک طرف دوڑنے لگی۔ اس بات کا سو فیصد امکان تھا کہ چوکیدار کوٹھی سے نکل کر اس کے پیچھے آئے گا۔ فائر کی آواز سن کر دوسرے بنگلوں کے لوگ بھی باہر آ سکتے تھے۔

وہ ایک طرف دوڑتی چلی گئی۔ پچھلی طرف بھی کوٹھیاں تھیں۔ بعض کوٹھیاں ابھی زیر تعمیر تھیں۔ ایک بار تو ثمینہ نے سوچا تھا کہ کسی زیر تعمیر کوٹھی میں چھپ جائے لیکن پھر اس کے دل

میں خیال آیا کہ تعاقب کرنے والے سب سے پہلے انہی جگہوں پر تلاش کریں گے اور وہ آسانی سے ان کے ہاتھ لگ جائے گی۔

وہ دوڑتی رہی.... بے تحاشہ دوڑتی رہی۔ اس کا سانس بری طرح پھول گیا تھا اور ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ وہ کوٹھیوں سے نکل کر جھاڑیوں میں آ گئی تھی۔ اس سے اب ایک قدم نہیں دوڑا جا رہا تھا۔ پھیپھڑوں کی قوت جواب دے رہی تھی اور بالآخر وہ لڑکھڑا کر جھاڑیوں میں گری۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور منہ سے کف بہہ رہا تھا۔ وہ اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ کوٹھیاں اگرچہ اب بہت دور رہ گئی تھیں لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ محفوظ نہیں ہے۔ اسے تلاش کرنے والے یہاں تک بھی پہنچ سکتے تھے۔

دو منٹ بعد جب وہ اپنی حالت پر کسی حد تک قابو پا چکی تو جھاڑیوں سے نکل کر ایک بار پھر دوڑنے لگی اور پھر یکایک رک گئی۔ اس کے سامنے ریلوے لائنیں تھیں۔ اس نے رک کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ریلوے لائنوں کی طرف چلنے لگی۔

رات کے ڈھائی بج چکے تھے۔ یہ اٹاری کی طرف جانے والی ریلوے لائن تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا.... وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی لائنوں کے درمیان چلتی رہی۔ ریلوے لائنوں کے ڈھلان کے نیچے وہ سڑک تھی جو ایک طرف اچھرہ اور دوسری طرف گلبرگ کی طرف چلی گئی تھی۔ وہ نہر گلبرگ والی سڑک کے ساتھ ساتھ تھی۔ اسے سڑک پر ایک دو گاڑیاں جاتی ہوئی نظر آئی تھیں۔ وہ ریلوے لائن سے اتر کر سڑک پر جانا چاہتی تھی پھر اس نے ارادہ بدل دیا۔ سڑک پر وہ آسانی سے پکڑی جا سکتی تھی۔

وہ لائنوں میں کھڑی ادھر ادھر دیکھنے لگی اور پھر دفعتاً اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اسے آخری پٹڑی کے ساتھ ایک چھوٹا سا کیبن نظر آیا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کیبن کے قریب پہنچ گئی۔ کیبن ایک طرف سے کھلا ہوا تھا اور غالباً لائنوں پر کام کرنے والے یہاں اپنا سامان وغیرہ رکھتے ہوں گے یا کسی اور مقصد کے لئے استعمال ہوتا ہو گا لیکن اس وقت کیبن خالی تھا۔ ثمینہ نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کیبن میں گھس گئی۔

کیبن زیادہ بڑا نہیں تھا۔ زمین ہموار تھی بلکہ ریت بچھی ہوئی تھی۔ ثمینہ نے کمر پر لپٹی ہوئی چادر کھول لی اور کیبن کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ کیبن کی لمبائی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر ٹانگیں تو پھیلا سکتی تھی لیکن پوری طرح لیٹ نہیں سکتی تھی۔

ثمینہ نے اپنے اوپر چادر لپیٹ لی اور آنکھیں بند کر کے لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اس کا

دماغ بری طرح چکرا رہا تھا۔ پہلے تو وہ نادانستہ طور پر شارق کے جرائم میں اس کی شریک رہی تھی لیکن اب براہ راست خود ایک سنگین جرم میں ملوث ہو گئی تھی۔ اس نے ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور وہ آدمی بھی ماجھا گجر کا تھا جو خود ایک چھٹا ہوا بدمعاش اور منشیات کا اسمگلر تھا۔ اس کا ایک باقاعدہ گروہ تھا۔ وہ اس کی تلاش میں پورے شہر کی خاک چھان ڈالیں گے۔ ماجھا گجر کے بارے میں شارق اسے بتا چکا تھا۔ دونوں گروہ ایک دوسرے کے کئی آدمی مار چکے تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر مخالف گروہ کے کسی آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دینا ان لوگوں کے لئے معمولی بات تھی اور ماجھا گجر جیسا آدمی یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ ایک لڑکی اس کی کوٹھی میں اس کے آدمی کو قتل کر کے بھاگ جائے اور کوٹھی بھی وہ جسے وہ اپنی سب سے خفیہ اور محفوظ ترین پناہ گاہ سمجھتا تھا۔ ثمینہ ایک تو اس کے آدمی کو قتل کر کے بھاگی تھی اور دوسرے وہ اس کی محفوظ ترین پناہ گاہ کے بارے میں جان گئی تھی۔ وہ آرام سے کیسے بیٹھ سکے گا۔

اکو نے بتایا تھا کہ ماجھا گجر کل دن میں واپس آئے گا۔ وہ گاؤں گیا تھا یا کسی اور اڈے پر لیکن ثمینہ کو یقین تھا کہ اسے رات ہی رات میں اکو کے قتل اور ثمینہ کے فرار کی اطلاع مل جائے گی اور وہ فوراً ہی واپس آ جائے گا اور پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے شروع کر دے گا۔ ممکن ہے اس کا سارا غصہ کوٹھی کے چوکیدار پر اترے کیوں کہ اکو کے ساتھ وہی کوٹھی میں موجود تھا۔

ثمینہ سوچ رہی تھی کہ شارق زخمی ہونے کے بعد وہاں سے بھاگ کر کہاں گیا ہو گا۔ مزنگ والے اڈے پر تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ کسی دوسرے اڈے پر بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اس کے تمام اڈے ماجھا گجر کی نظروں میں تھے۔ وہ ایک ایک جگہ اسے تلاش کرے گا۔ شام نگر والے مکان کے بارے میں شارق نے بتایا تھا کہ وہ سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ اس مکان کے بارے میں اس کے اپنے آدمیوں میں سے بھی کسی کو معلوم نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ وہیں گیا ہو لیکن وہ زخمی تھا۔ اسے نجانے کہاں گولی لگی تھی۔ اب ثمینہ کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ زندہ بھی تھا یا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ وہاں سے بھاگنے کے بعد کہیں گر گیا ہو۔ ختم ہو گیا ہو یا اسے بے ہوشی کی حالت میں کسی نے ہسپتال پہنچا دیا ہو لیکن سوال یہ تھا کہ وہ خود کہاں جائے؟ کیا شام نگر والا مکان اس کے لئے محفوظ رہے گا؟

ثمینہ یہی سب کچھ سوچتی رہی اور بالآخر نیند کے بوجھ سے اس کی پلکیں جھکنے لگیں اور وہ لکڑی کے اس کیبن میں آڑھی ترچھی پڑی سو گئی۔

صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی ثمینہ کی آنکھ کھل گئی۔ مشرق سے طلوع ہونے والے سورج کی کرنیں براہ راست اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر تک آنکھیں مچ مچاتی ہوئی

سوچتی رہی کہ وہ کہاں ہے اور پھر ریلوے لائنوں پر نظر پڑتے ہی سب کچھ اس کی سمجھ میں آگیا۔ اس نے کیبن سے گردن نکال کر ادھر ادھر جھانکا۔ دور سامنے دو آدمی مخالف سمت میں جاتے ہوئے نظر آئے۔ ان دونوں کے کندھوں پر چمڑے کے تھیلے ٹنگے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں گز بھر لمبے دستوں والی ہتھوڑیاں تھیں اور وہ ریلوے لائن کو چیک کرتے ہوئے جا رہے تھے۔

ثمینہ کیبن سے باہر آگئی۔ اس نے چادر اس طرح لپیٹ لی کہ اس کا چہرہ بھی چھپ گیا تھا۔ صرف آنکھیں کھلی تھیں۔ وہ کچھ دیر کیبن کی آڑ میں کھڑی رہی پھر ڈھلان سے نیچے اترنے لگی۔

سڑک پر ٹریفک شروع ہو چکا تھا۔ صبح سویرے کا وقت تھا۔ پرائیویٹ گاڑیاں اور رکشے ٹیکسیاں سڑک پر سے گزر رہی تھیں۔ ڈھلان پر سے اترتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ دل میں ہلکا سا خوف اب بھی تھا کہ اگر کسی نے اسے دیکھ لیا تو.....؟ وہ اس سے آگے نہیں سوچ سکی تھی۔

وہ ریلوے لائن سے اتر کر سڑک پر آگئی اور خوفزدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے قریب سے گاڑیاں گزر رہی تھیں مگر کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی پھر ایک خالی رکشہ آتے دیکھ کر ثمینہ نے اسے روک لیا۔ وہ رکشے میں بیٹھ تو گئی لیکن اسے پتہ نہیں تھا کہ جانا کہاں ہے۔

"کہاں جانا ہی جی؟" رکشے والے نے پوچھا۔

"لوہاری!" غیر ارادی طور پر ثمینہ کے منہ سے نکلا۔

رکشہ مڑ کر نہر کے کنارے بائیں طرف والی سڑک پر دوڑنے لگا۔ اسی طرف کچھ آگے نہر کے دائیں کنارے پر ماجھے گجر کی کوٹھی تھی جہاں سے ثمینہ اکو کو قتل کر کے بھاگی تھی۔ رکشے کو اس طرف جاتے دیکھ کر ثمینہ کے دل کی دھڑکن اچانک ہی تیز ہو گئی تھی۔ وہ ڈرائیور سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر خاموش رہی۔ اس کی پرورش اگرچہ لاہور ہی میں ہوئی تھی گھومتی پھرتی بھی رہی تھی لیکن ظاہر ہے کہ تمام راستوں کے بارے میں اسے معلومات حاصل نہیں تھیں۔ اس لئے وہ خاموش بیٹھی رہی۔

وہ رکشے میں بیٹھی نہر کے دوسرے کنارے کی طرف دیکھتی رہی۔ ماجھا گجر والی کوٹھی کے قریب پہنچی تو اس کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔ کوٹھی کے گیٹ کے سامنے پولیس کی ایک گاڑی کھڑی تھی۔ ایک کانسٹیبل بھی گیٹ کے سامنے کھڑا تھا۔

ثمینہ بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پائے ہوئے تھی اور پھر جیسے ہی رکشہ کچھ آگے نکلا اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ بالآخر رکشہ اپر مال پر پہنچ گیا اور بائیں طرف مڑ کر تیز رفتاری سے

چلنے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد رکشہ لوہاری چوک پر رک گیا۔ ثمینہ کی پتلون کی جیب میں کچھ رقم موجود تھی اس نے سو کا ایک نوٹ نکال کر ڈرائیور کی طرف بڑھا دیا۔

"کھلے پیسے دیں جی۔ ابھی تو رکشہ لے کر نکلا ہوں آپ پہلی سواری ہیں۔ میرے پاس تو ایک روپیہ بھی نہیں ہے۔" ڈرائیور نے سو کا نوٹ دیکھ کر کہا۔

"رکھ لو.... کھلے میرے پاس بھی نہیں ہیں۔" ثمینہ سو کا نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما کر نیچے اتر آئی۔

ڈرائیور حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ ثمینہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی پان والی گلی سے گزر کر انارکلی میں داخل ہو گئی اور آگے بڑھتی رہی۔ رکشہ میں بیٹھتے ہوئے اس کے منہ سے غیر ارادی طور پر لوہاری کا نام نکل گیا تھا اور پھر اس نے راستے ہی میں شارق کے دوست سہیل کے ہاں جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے سوچا تھا ممکن ہے شارق بھی یہیں آیا ہو۔

وہ چند منٹ میں ریسٹورنٹ کے سامنے پہنچ گئی۔ ریسٹورنٹ میں رش تھا اور سہیل کاؤنٹر کے پاس کھڑا تھا۔ وہ خاصا مصروف تھا۔ ثمینہ نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک لڑکے کو روک لیا۔

"وہ جو آدمی کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے کہو تمہیں باہر کوئی بلا رہا ہے۔" ثمینہ نے سہیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لڑکے کو سمجھایا۔

لڑکے نے ریسٹورنٹ میں داخل ہو کر سہیل کو پیغام دیا اور باہر کی طرف اشارہ بھی کیا۔ پھر ایک ویٹر کو کاؤنٹر کے قریب کھڑا کر کے باہر آگیا۔

"کیا بات ہی بی بی! آپ کو کیا کام ہے مجھ سے؟" سہیل نے پوچھا۔

"آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں مگر یہاں سڑک پر کھڑے کھڑے نہیں اوپر کمرے میں بیٹھ کر۔ میرا خیال ہے شارق کا حوالہ میرے تعارف کے لئے کافی ہو گا۔" ثمینہ نے کہا۔

شارق کے نام سے سہیل چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس چادر پوش لڑکی کو دیکھ کر اس کے ذہن میں رضیہ کا نام ابھرا تھا۔

"آ اس زینے سے اوپر چلی جایئے۔ میں کمرہ کھلواتا ہوں۔ اور اگر آپ کو جلدی نہ ہو تو اوپر کمرے میں بیٹھ جایئے۔ میں ابھی گاہکوں سے نمٹ کر آتا ہوں۔" سہیل نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی جلدی نہیں۔ میں انتظار کر لوں گی۔" ثمینہ کہتے ہوئے ریسٹورنٹ کے ساتھ والے دروازے میں داخل ہو گئی۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور احتیاط سے

سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

○

گاڑی رکشے کے سامنے آتے ہی شارق کو کسی گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ سکتا تین آدمیوں نے کار سے اتر کر رکشے کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک آدمی نے ثمینہ کو پکڑ کر رکشے سے کھینچ لیا تھا اور دوسرے نے شارق کو۔ ان تینوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ ان کا چوتھا ساتھی کار کے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ کار کا انجن اسٹارٹ ہی تھا۔

شارق عام طور پر جیب میں پستول رکھا کرتا تھا لیکن یہ محض اتفاق تھا کہ آج اس کے پاس پستول نہیں تھا۔ اس طرح ایک لحاظ سے وہ ان لوگوں کے رحم و کرم پر تھا۔ اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ اسے بھی ایک آدمی نے پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔ اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔ ظاہر ہے وہ اس قسم کے حالات کی عادی نہیں تھی اور اس کا خوف زدہ ہونا فطری بات تھی۔

شارق اس شخص کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کار کی طرف بڑھا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ بڑی شرافت سے کار میں بیٹھ جائے گا لیکن دو قدم آگے بڑھتے ہی اس نے اپنے حریف پر حملہ کر دیا۔ وہ آدمی لڑکھڑا کر گرا۔ پستول بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر سڑک پر گر گیا تھا۔ شارق نے پستول کی طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ جھک کر پستول اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ دوسرے آدمی نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر شارق کی پسلیوں پر ٹھوکر مار دی۔ شارق کراہ کر نیچے گرا۔ لیکن اس نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

شارق نے سنبھل کر اس شخص پر چھلانگ لگا دی جس نے اسے ٹھوکر ماری تھی۔ اس شخص نے پستول کا ٹرائیگر دبا دیا۔ گولی شارق کے بازو میں لگی اور گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی لیکن وہ پیچھے ہٹنے کے بجائے اپنے حریف سے لپٹ گیا۔ وہ دونوں نیچے گرے اور ان میں پستول کے لئے کشمکش ہونے لگی۔ اسی دوران شارق نے ثمینہ کو چیخ کر ایک طرف دوڑتے ہوئے دیکھا۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ ثمینہ ان کے ہاتھ نہ آئے۔

دونوں میں پستول کے لئے کشمکش جاری تھی۔ پستول کا رخ شارق کے سینے کی طرف تھا۔ اگر ٹرائیگر دب جاتا تو گولی شارق کے سینے میں لگتی لیکن شارق نے اس شخص کی کلائی مروڑتے ہوئے پستول کا رخ اپنی طرف سے ہٹا دیا۔ اب پستول کا رخ اس کے حریف کی طرف تھا۔ شارق نے اس کے ہاتھ کو ایک زور دار جھٹکا دیا۔ اس شخص کی انگلی پستول کے ٹرائیگر پر تھی۔ ہاتھ کو زور دار جھٹکا لگنے سے ٹرائیگر دب گیا اور گولی اس شخص کی پیشانی پر لگی اور وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔

شارق ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ثمینہ اسے نظر نہیں آئی تھی وہ سمجھا شاید وہ کسی طرف نکل جانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ وہ جیسے ہی اٹھا زمین پر پڑے ہوئے تیسرے آدمی نے اٹھ کر اس کا راستہ روکنا چاہا مگر شارق نے اس کے پیٹ پر زوردار ٹھوکر ماری۔ وہ شخص بلبلاتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ شارق نے قریبی کوٹھی کی طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ کوٹھی کی دیوار پر چڑھ گیا۔ اس نے جیسے ہی دوسری طرف چھلانگ لگائی فضا ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی دیوار پر ٹھیک اس جگہ لگی جہاں چند سیکنڈ پہلے شارق کا ہاتھ تھا۔

بہت بڑی کوٹھی تھی۔ وسیع و عریض کمپاؤنڈ تھا۔ کوٹھی کے ایک دو کمروں میں روشنی ہو رہی تھی۔ شارق پچھلی طرف بھاگتا چلا گیا۔ فائرنگ کی آواز سن کر ایک آدمی کسی دروازے سے باہر نکلا تھا۔ اس نے شارق کو دوڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اور چیخ کر دوبارہ کمرے میں گھس گیا۔

شارق کوٹھی کے پچھلی طرف دوڑتا چلا گیا۔ کوٹھی کی پچھلی دیوار بھی زیادہ اونچی نہیں تھی لیکن بازو زخمی ہونے کے وجہ سے شارق کو یہ دیوار پھاندنے میں بھی خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

دوسری طرف تنگ سی گلی تھی۔ سامنے والی کوٹھیوں کی پشت اس طرف تھی۔ شارق اس تاریک گلی میں دوڑتا چلا گیا۔ یہ گلی بھی گھوم کر مین روڈ سے جا ملتی تھی اور شارق سڑک پر نہیں آنا چاہتا تھا۔ وہ کچھ دیر تک گلی میں دوڑتا رہا پھر سامنے والی ایک کوٹھی کی دیوار پھاند کر اندر کود گیا اور لان میں دوڑتا ہوا دوسری طرف سے باہر نکل گیا۔

شارق دوڑتے ہوئے بری طرح تھک گیا تھا۔ بازو میں بھی خاصی تکلیف ہو رہی تھی۔ زخم سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ جس سے نہ صرف اس کے کپڑے تر ہو رہے تھے بلکہ وہ اپنے آپ میں کمزوری بھی محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ ایک کوٹھی کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اس جگہ تاریکی تھی۔ زخم کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر خون بہنا بند نہ ہوا تو خطرناک بات ہو گی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر دوسری گلی میں مڑ کر دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

شارق ایک اور گلی میں مڑ گیا۔ یہ بھی کوٹھیوں کی عقبی گلی تھی اور پھر دفعتاً وہ رک گیا۔ چند گز آگے ایک سوزوکی کار کھڑی تھی۔ شارق ادھر ادھر دیکھتا ہوا کار کے قریب پہنچ گیا۔ کار دیکھنے میں خاصی پرانی لگ رہی تھی اور شارق سوچ رہا تھا کہ شاید یہاں قسمت اس کا ساتھ دے جائے۔

وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا کار کے ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کے سامنے پہنچ گیا اور

دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔ دروازہ لوک نہیں تھا۔ آسانی سے کھل گیا۔ اس نے سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ آہستگی سے بند کر دیا۔

اگنیشن میں چابی نہیں تھی۔ لیکن یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ جھک کر اسٹیئرنگ کے نیچے جھانکنے لگا۔ کار خاصی پرانی تھی اسٹیئرنگ کے نیچے کی طرف کچھ تاریں لٹکی ہوئی نظر آ رہی تھیں اس نے ٹٹول کر دو تاریں زور دار جھٹکے سے باہر کھینچ لیں اور ان کے ننگے سرے جوڑنے لگا۔

شارق کو مایوسی نہیں ہوئی۔ چند لمحوں کی کوشش کے بعد انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ شارق سنبھل کر بیٹھ گیا اور پھر دوسرے ہی لمحہ اس نے گاڑی کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔

شارق گاڑی کو ایسی سڑکوں پر چلا رہا تھا جہاں پولیس سے آمنا سامنا ہونے کا زیادہ اندیشہ نہیں تھا۔ گاڑی واقعی بہت کھٹارا تھی۔ اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس وقت تو یہ بھی اس کے لئے ایک نعمت ثابت ہوئی تھی۔

گاڑی چلاتے ہوئے شارق' ثمینہ کے بارے میں سوچ رہا تھا اور دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ وہ بچ کر نکل گئی ہو۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ وہ ماجھا گجر کے آدمی تھے جنہوں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ اس نے دو تین دن پہلے ماجھا گجر کے ڈیرے پر چھاپہ پڑوا کر پولیس کے ہاتھوں اسکے نہ صرف دو بندے مروائے تھے بلکہ اسے کروڑوں کا نقصان بھی پہنچایا تھا۔ ماجھا گجر زخمی ناگ کی طرح تلملایا پھر رہا تھا۔ اسے ماجھا گجر کی طرف سے کسی کارروائی کی توقع تو تھی لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اسے اٹھانے کی کوشش کرے گا۔ شارق کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ آدمی کب سے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے جنہوں نے موقع ملتے ہی اسے گھیرنے کی کوشش کی تھی' لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

دفعتاً" شارق کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ اگر ثمینہ بھاگنے میں کامیاب ہونے کے بجائے ان کے ہاتھ لگ گئی ہو تو؟ یہ خیال بم کے دھماکے سے کم نہیں تھا۔ ثمینہ کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ ایک شریف لڑکی تھی جو محض اس کی وجہ سے اس دلدل میں پھنسی ہوئی تھی۔ وہ ماجھے گجر کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بے حد سفاک اور بے رحم انسان تھا۔ اگر ثمینہ اس کے ہاتھ لگ گئی تو' نہ اس کی عزت محفوظ رہ سکتی تھی اور نہ ہی اس کی زندگی کی ضمانت دی جا سکتی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ثمینہ مردانہ بھیس میں تھی اور جب ماجھا گجر پر انکشاف ہو گا کہ وہ مرد نہیں لڑکی ہے تو ثمینہ کے بارے میں بہت کچھ سمجھ جائے گا اور پھر ثمینہ جیسی نازک اندام لڑکی اس کے دو چار ہاتھ بھی نہیں سہہ سکے گی۔ ماجھا گجر سب سے پہلے ثمینہ سے اس کے خفیہ ٹھکانوں کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کرے گا اور ثمینہ اس کے تمام خفیہ

ٹھکانوں کے بارے میں جانتی تھی۔ شام نگر والا مکان... سہیل کا ریسٹورنٹ اور ماسی مہراں کا مکان....

ماسی مہراں کا خیال آتے ہی شارق کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی تھی۔ ثمینہ اس مکان میں صرف چند گھنٹوں کے لئے آئی تھی۔ وہ بھی شام کا وقت تھا اور نولکھا اسے اس طرح گھما پھرا کر لایا تھا کہ ثمینہ کو نہ تو وہ راستے یاد رہے ہوں گے اور نہ یہ معلوم ہو گا کہ وہ مکان کہاں پر واقع تھا۔ اس کے برعکس شام نگر والے مکان اور سہیل کے ریسٹورنٹ کی آسانی سے نشاندہی کی جا سکتی تھی۔ شارق کے خیال میں یہی ایک محفوظ جگہ تھی۔ یہ خیال آتے ہی اس نے گاڑی کا رخ مزنگ کی طرف موڑ دیا۔ شارق یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ثمینہ اگر واقعی ماجھا گجر کے ہاتھ لگ گئی ہے اور اس نے ثمینہ کو کوئی نقصان پہنچایا تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا!

گاڑی اس نے مزنگ چوک سے پہلے ہی ایک موڑ پر چھوڑ دی اور تاریک گلیوں میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ مزنگ چوک پر تو رات گئے تک رونق رہتی تھی لیکن یہ گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ اس وقت رات کا تقریباً ایک بجا تھا اور ظاہر ہے اس وقت کسی راہ گیر کے ملنے کی توقع نہیں تھی البتہ چوکیدار کی نگاہوں سے بچنے کے لئے وہ تاریکی کا سہارا لے کر چل رہا تھا۔ اور بالآخر مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا ماسی مہراں کے مکان پر پہنچ گیا۔ پہلی مرتبہ گھنٹی بجائی تو ایک منٹ بعد اندر پختہ صحن میں قدموں کے گھسٹنے کی آواز سنائی دینے لگی پھر دروازے کے قریب ہی سے ماسی مہراں کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں ماسی مہراں.... شارق' دروازہ کھولو۔" شارق نے دروازے کی جھری سے منہ لگا کر سرگوشیانہ لہجے میں جواب دیا۔

چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ ماسی مہراں اسے دیکھ کر پریشان سی ہو گئی۔

"شارق پتر! اس وقت' خیر تو ہے.... یہ.... یہ تمہارے کپڑوں پر خون...."

"مجھے اندر آنے دو ماسی۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی اور اندر داخل ہو گیا۔ ماسی مہراں نے ایک دم سے دروازہ بند کر کے کنڈا چڑھا دیا۔

وہ ایک کمرے میں آ گئے۔ شارق کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے قمیض اتار دی تھی اور اسی قمیض سے بازو پر جما ہوا خون صاف کرنے لگا۔ زخم سے خون بہنا بند ہو گیا تھا لیکن تکلیف میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

"یہ کیا ہوا شارق پتر؟ اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟" ماسی مہراں نے پوچھا اس کے لہجے

میں پریشانی نمایاں تھی۔

"گولی لگی ہے ماسی۔" شارق نے جواب دیا۔ "معمولی سا زخم ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا الماری میں پولی فیکس پڑی ہو گی۔ لاؤ اس وقت وہی لگا لوں۔ صبح ڈاکٹر کو دکھاؤں گا۔"

ماسی مہراں نے الماری سے پولی فیکس کی ٹیوب نکال کر دے دی۔ یہ مرہم چھوٹے موٹے زخم یا خراش وغیرہ کے لئے تو ٹھیک تھا مگر گولی کے زخم کے لئے زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا لیکن بہرحال کچھ نہ ہونے سے بہتر تھا۔ اس نے زخم پر اچھا خاصا مرہم لگا دیا۔

"ماسی' اس پر کس کر پٹی باندھ دو۔" شارق نے ماسی مہراں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ماسی مہراں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے پٹی کے لئے کوئی اور کپڑا نظر نہیں آیا تو اس نے اپنا ململ کا دوپٹہ پھاڑ کر زخم پر پٹی باندھ دی۔

"گولی کیسے لگی پتر! کس سے جھگڑا ہوا تھا۔" ماسی مہراں نے پوچھا۔

"تم جانتی ہو ماسی مہراں کہ ہم لوگ کس قسم کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک طرف پولیس ہے اور دوسری طرف ہماری مخالف پارٹیاں۔ کسی نہ کسی سے ٹکراؤ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ آج بھی آمنا سامنا ہو گیا تھا کسی سے۔" شارق نے جواب دیا۔

"شارق پتر!" ماسی مہراں نے کہا۔ "میں نے بھائی چھائے کو بھی کئی دفعہ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ تمہیں بھی کتنی مرتبہ کہہ چکی ہوں۔ چھوڑ دو یہ کاروبار.... ایسی دولت کا کیا فائدہ جس میں ہر وقت جان کا خطرہ ہو۔ تمہارے پاس پیسے کی تو کمی نہیں ہے۔ کوئی اور کاروبار شروع کر لو جس سے عزت کی زندگی گزار سکو۔"

"ماسی!" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہی تو اصل بات ہے کہ ہم عزت کی زندگی نہیں گزار سکتے۔ تم سمجھتی ہو کہ ہم یہ دھندہ چھوڑ دیں گے تو پولیس ہمیں عزت کی زندگی گزارنے دے گی' نہیں ماسی۔ یہ تمہاری خوش فہمی ہے ہم یہ سب کچھ چھوڑ کر فرشتے بھی بن جائیں نا تو قانون کے یہ محافظ ہمیں ایک لمحہ کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔"

"کیوں؟" ماسی مہراں نے اسے گھورا۔ "جب تم شرافت کی زندگی گزارو گے تو وہ لوگ تمہیں پریشان کیوں کریں گے؟"

"یہی بات تو تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی ماسی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر تکلیف نہ ہو تو مجھے چائے بنا دو اور پھر تم جا کر سو جاؤ۔"

"تکلیف کیسی پتر! میں ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں۔" ماسی مہراں کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ چند منٹ شارق سے باتیں کرتی رہی پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ شارق چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے ایک بار پھر ثمینہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اس وقت ثمینہ کے بارے میں یہ معلوم کیا جا سکتا کہ وہ ماجھا گجر کے آدمیوں کے قبضے میں آ گئی تھی یا بھاگ کر گھر پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

چائے ختم کر کے وہ کرسی سے اٹھ کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ بازو کی تکلیف کسی حد تک کم ہو گئی تھی لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی... اس کے ذہن میں بار بار ثمینہ کا خیال آ رہا تھا..... کبھی وہ اپنے آپ کو مورد الزام ٹھہرانے لگتا کہ وہ اسے چھوڑ کر بھاگا کیوں تھا۔ اسے اس وقت اس کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔

رات اپنے آخری پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ سوچتے سوچتے اس کا دماغ دکھنے لگا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سر پر منوں بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ اعصاب میں شدید تناؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور آنکھیں بند کر لیں اور بالآخر وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

شارق گہری نیند میں تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو اور کوئی اسے آوازیں دے رہا ہو۔ بڑی ماتا اور چاشنی تھی اس آواز میں۔

"شارق پتر! اٹھو..... دن چڑھ گیا ہے اور دیکھو یہ کون آیا ہے؟"

پھر کسی نے اسے کندھے سے پکڑ کر ہولے سے ہلایا۔ شارق نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے سامنے ماسی مہراں کھڑی تھی اور کرسی پر ڈاکٹر انور بیٹھا ہوا تھا۔ شارق کی آنکھیں سرخ تھیں اور ان میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا جسم آگ میں تپ رہا ہو۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر کراہ کر رہ گیا۔

"لیٹے رہو..... تمہیں تیز بخار ہو رہا ہے۔ میں دیکھ لیتا ہوں۔" ڈاکٹر انور نے کہا۔

"تت..... تم یہاں کیسے آئے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر انور کی طرف دیکھا۔

"میں بلا کر لائی ہوں۔" ماسی مہراں نے کہا۔ "میں تمہارے کمرے میں آئی تو تم نیند میں کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ میں نے تمہاری پیشانی پر ہاتھ رکھا تو تمہیں تیز بخار ہو رہا تھا۔ میں ڈاکٹر صاحب کو بلا لائی۔ ایسے موقعوں پر یہی خدا کا بندہ کام آتا ہے۔"

شارق عجیب سی نظروں سے ماسی مہراں کو دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر انور کا کلینک یہاں سے تقریباً دو میل دور تھا۔ ماسی مہراں نے عقل مندی کا ثبوت دیا تھا کہ وہ کسی اور ڈاکٹر کے پاس جانے کے بجائے انور ہی کو بلا لائی تھی۔

"راستے میں مجھے ماسی مہراں نے بتا دیا تھا۔" ڈاکٹر انور اس کے بازو کی پٹی کھولتے ہوئے بولا۔

"بخار اسی زخم کی وجہ سے ہو گیا ہے۔ پریشانی کی بات نہیں۔"

پٹی کھول کر اس نے اسپرٹ سے زخم صاف کیا اور زخم کا جائزہ لینے کے بعد نئی ڈریسنگ کر دی اور تھرمامیٹر لگا کر بخار چیک کرنے لگا۔

ڈاکٹر انور نے شارق کو انجکشن لگا دیا اور بیگ میں سے دو تین قسم کی گولیاں بھی نکال کر دے دیں۔

"ناشتے کی بعد ایک ایک گولی کھا لینا اور ایک ایک دوپہر کے بعد۔ میرا خیال ہے دوپہر تک بخار اتر جائے گا۔ میں شام کو آؤں گا اور کچھ اور دوائیں لیتا آؤں گا۔ ویسے احتیاطاً" کیپسول لکھ کر دے رہا ہوں۔ ماسی بازار سے کیپسول لے آئی گی۔ زیادہ تکلیف محسوس کرو تو دوپہر کے کھانے کے بعد ایک کیپسول کھا لینا۔" انور نے ایک کاغذ پر نسخہ لکھ کر ماسی مہراں کی طرف بڑھا دیا۔

ماسی مہراں بھی ڈاکٹر کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔ اس کی واپسی آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ اس نے آتے ہی ناشتہ تیار کیا۔ شارق کو ناشتہ کروایا اور ڈاکٹر کی دی ہوئی گولیاں کھلا دیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد شارق پر غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ سو گیا۔ دوپہر دو بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس کا بخار ٹوٹ گیا تھا لیکن چند گھنٹوں کے بخار نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے آپ میں بے حد کمزوری محسوس کر رہا تھا۔

ماسی مہراں دوپہر کا کھانا تیار کر چکی تھی۔ شارق کے لئے اس نے پتلے شوربے والا سالن تیار کیا تھا۔ اس کا منہ ہاتھ دھلا کر اس نے اپنے ہاتھ سے شارق کو کھانا کھلایا پھر گولیاں بھی کھلا دیں۔

"گامے کو جا کر بلا لاؤں شارق پتر؟" ماسی مہراں نے کہا۔

"نہیں ماسی۔" شارق نے جواب دیا۔ "صورت حال بہت سنگین ہو گئی تھی۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کو یہاں میری موجودگی کا پتہ چلے۔ البتہ میں تم سے ایک اور کام لینا چاہتا ہوں۔"

"ہاں کہو بیٹا۔" ماسی مہراں سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"کل رات میرے ساتھ ثمینہ بھی تھی۔"

"ثمینہ کون؟" ماسی مہراں نے پوچھا۔

"وہی لڑکی جسے چند روز پہلے میں یہاں لے کر آیا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "کل رات وہ میرے ساتھ تھی۔ ہم دونوں رکشے پر لبرٹی کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ماجھا گجر کے آدمیوں نے ہمیں گھر لیا۔ وہ مسلح تھے اور غالباً مجھے اغواء کرنا چاہتے تھے۔ ہم میں ہاتھا پائی ہوئی۔ گولیاں بھی چلیں۔ اسی دوران میں نے ثمینہ کو وہاں سے بھاگتے دیکھا تھا۔ میں بھی گولی لگنے سے

زخمی ہو گیا تھا۔ میں خالی ہاتھ تھا۔ وہ لوگ مسلح تھے۔ اس لئے میں نے بھی بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی۔ میں تو جیسے تیسے رات کو یہاں پہنچ گیا لیکن ثمینہ کے بارے میں کچھ پتہ نہیں کہ وہ بھی بھاگنے میں کامیاب ہو گئی تھی یا نہیں؟ اگر وہ ماجھے گجر کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی تو اسے چھڑانے کے لئے فوری طور پر کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا اور اگر وہ ان کے ہاتھ آنے سے بچ گئی ہے تو وہ صرف ایک ہی جگہ پر جا سکتی ہے۔ اس جگہ کا میرے علاوہ کسی اور کو علم نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں جا کر معلوم کرو کہ ثمینہ وہاں پہنچی ہے یا نہیں؟"

"وہ کون سی جگہ ہے پتر میں جا کر معلوم کرتی ہوں۔" ماسی مہراں نے کہا۔

"تم شام نگر کا وہ مکان آسانی سے تلاش کر لو گی۔" شارق نے کہا اور پھر اسے اس مکان کا پتہ سمجھانے لگا۔ "سمجھ گئیں نا ماسی! پہنچ جاؤ گی؟"

"کیوں نہیں پتر! لاہور میں کون سی ایسی جگہ ہے جو میں تلاش نہیں کر سکتی۔" ماسی مہراں نے کہا۔ "میں ابھی جاتی ہوں۔"

شارق نے ماسی مہراں کو مزید کچھ ہدایات دیں اور وہ چادر اوڑھ کر رخصت ہو گئی۔ شارق ہی کی ہدایت پر اس نے مکان کو باہر سے تالا لگا دیا تھا۔

ماسی مہراں کے جانے کے بعد شارق نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی مگر گزشتہ رات زخم سے خون زیادہ بہہ جانے اور پھر تیز بخار کی وجہ سے اس میں ایک دم کمزوری آ گئی تھی۔ ہلکا سا بخار اب بھی موجود تھا۔ شارق نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور آرام سے بستر پر لیٹ گیا۔ اس کا ذہن ایک بار پھر مختلف خیالات کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ ثمینہ کسی حالت میں بھی ہو' اس نے یقیناً یہ سوچا ہو گا کہ شارق بزدل تھا جو مقابلہ کرنے کے بجائے اسے دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ گیا تھا' لیکن شارق اسے چھوڑ کر نہیں بھاگا تھا۔ اس نے خود راہ فرار اختیار کرنے سے پہلے ثمینہ کو ایک طرف بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ البتہ اس نے یہ تصدیق نہیں کی تھی کہ وہ واقعی بھاگ گئی تھی یا ان کے ہاتھ آ گئی تھی۔ تصدیق کے لئے وہاں رکنے کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ خود ان کی گولیوں کا نشانہ بن جاتا یا ان کے قابو آ جاتا۔

شارق' ثمینہ کے بارے میں یہی سب کچھ سوچتا اور پریشان ہوتا رہا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد باہر کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور پھر کچھ ہی دیر بعد ماسی مہراں اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر مایوسی دیکھ کر ہی شارق سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا خبر لائی ہو گی۔

"کیا ہوا ماسی۔ کیا ثمینہ وہاں نہیں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں۔" ماسی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "وہاں تو اتنا بڑا جندرہ لگا ہوا ہے۔" اس نے ہاتھ سے

گیا۔

"مکان وہی تھا نا تم کسی دوسری جگہ تو نہیں چلی گئی تھیں؟" شارق بولا۔

"نہیں پتر' مکان وہی تھا۔" ماسی مہراں نے کہا۔ "دروازے کے سامنے نیم کا درخت ہے نا اور باہر کا گیٹ ہرے رنگ کا ہے۔"

"ہاں ماسی' مکان تو وہی ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر ثمینہ وہاں نہیں پہنچی تو اس کا مطلب ہے کہ...."

"کچھ کرو پتر۔" ماسی مہراں بولی۔ "وہ تو اتنی اچھی لڑکی ہے۔ پڑھی لکھی' خوبصورت۔ وہ میرے پاس چند گھنٹے ہی رہی تھی لیکن مجھے بڑی اچھی لگی تھی۔ اگر وہ ماجھا گجر کے ہاتھ آ گئی تو وہ لوگ تو اس کا بیڑہ غرق کر دیں گے۔"

"کچھ کرنا ہی پڑے گا ماسی۔ اسے اس طرح تنہا تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔" شارق نے جواب دیا۔ "اور اگر ماجھا گجر نے اسے کوئی نقصان پہنچایا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد تم ذرا ڈیرے پر جا کر گامے کو بلا لانا۔"

"ٹھیک ہے پتر۔ میں بلا لاؤں گی۔" ماسی مہراں نے کہا۔

ماسی مہراں گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی اور شارق بستر پر لیٹا ثمینہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کا ذہن الجھتا جا رہا تھا۔ اس کے لئے یہ خیال ہی لرزا دینے والا تھا کہ اگر ثمینہ ماجھا گجر کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی ہے تو ثمینہ کا کیا حشر ہوا ہو گا۔

شام کو ڈاکٹر انور آ گیا۔ اس نے شارق کو چیک کیا کچھ دوائیں وہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔

"بخار اب بہت معمولی سا ہے' کل صبح تک بالکل اتر جائے گا۔ البتہ کمزوری ہے اسے دور ہونے میں چند روز لگیں گے۔ دو چار روز مکمل آرام کرو اور یہ دوائیں استعمال کرتے رہو۔ ٹھیک ہو جاؤ گے۔" ڈاکٹر انور نے اسے دواؤں کے استعمال کے بارے میں بتایا اور قریب کھڑی ہوئی ماسی مہراں کو اس کے کھانے وغیرہ کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

شام کی چائے شارق اور ڈاکٹر انور نے اکٹھے ہی پی تھی اور پھر ڈاکٹر انور کے جانے کے بعد تقریباً آٹھ بجے ماسی مہراں گامے کو بلانے کے لئے چلی گئی۔ اس کی واپسی تقریباً ایک گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ گاما بھی اس کے ساتھ تھا۔

"کیا ہوا شارق باؤ؟" گاما اسے دیکھتے ہی بولا۔ "سارا دن گزر گیا تم نے ہمیں بتایا کیوں نہیں۔ پیغام ہی بھیج دیتے تو ماجھے گجر کو ہم اب تک ٹھکانے لگا چکے ہوتے۔"

"میں تو رات سے یہاں بے بس پڑا ہوں لیکن تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ تمہیں کچھ پتہ

چل گیا ہے۔" شارق نے کہا۔

"ہمیں تو آج صبح نو بجے پتہ چل گیا تھا۔" گامے نے کہا۔ "وہ لڑکی کون تھی شارق باؤ.... وہ تو بڑی بہادر نکلی...."

"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"تو تمہیں ابھی تک پتہ نہیں چلا؟" گامے نے پوچھا۔

"میں تو صبح سے یہاں پڑا بخار میں تپ رہا ہوں۔ اس لڑکی کے بارے میں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جسے تم لڑکا بنا کے لائے تھے نا ڈیرے پر....وہی ثمینہ۔" گامے نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ "وہ رات کو ماجھے گجر کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ وہ لوگ اسے ماجھے کی نہر والی کوٹھی پر لے گئے تھے۔"

"نہر والی کوٹھی؟" شارق چونک گیا۔

"گلبرگ والی نہر کے کنارے اس نے نئی کوٹھی بنائی ہے اور مجھے بھی اس کے بارے میں آج ہی پتہ چلا ہے۔" گامے نے بتایا۔ "بہرحال۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ماجھا گجر بھی وہاں موجود تھا۔ وہ بھی اسے آدمی ہی سمجھ رہا تھا لیکن جب اس کے آدمی اکو نے اس سے تمہارے بارے میں پوچھنے کے لئے اس پر تشدد شروع کیا تو اس کی قمیض پھٹ گئی تب پتہ چلا کہ وہ لڑکا نہیں لڑکی ہے۔ ماجھے گجر نے ثمینہ سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اسے تمہارے بارے میں بتا دے تو اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ مگر ثمینہ نے تمہارے بارے میں بتانے کے بجائے ایک جھوٹی کہانی سنا دی۔ ماجھا گجر اس کے ذریعے تمہیں بلیک میل کرنے کا پروگرام بنانے لگا۔ وہ ثمینہ کو کوٹھی میں چھوڑ کر چلا گیا۔ وہاں اس کی نگرانی کے لئے اکو اور کوٹھی کا چوکیدار تھا۔ مگر ثمینہ رات کو اکو کو قتل کر کے کوٹھی سے فرار ہو گئی۔"

"کیا....؟" شارق اچھل پڑا۔ اس کے لئے یہ انکشاف خاصا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ ثمینہ ماجھے گجر کے آدمی کو قتل کر کے بھاگ گئی تھی۔ "یہ....یہ تمہیں کس نے بتایا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے گامے کی طرف دیکھا۔

"مہر نے۔" گامے نے جواب دیا۔ "رات کو وہ بھی گجر کی کوٹھی میں موجود تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ ثمینہ مرد نہیں عورت ہے تو اس کی رال ٹپک پڑی تھی۔ وہ ثمینہ کے ساتھ رات گزارنا چاہتا تھا مگر ماجھے گجر نے اسے بھگا دیا۔ جس پر مہر کو غصہ آ گیا اور آج صبح ہی اس نے ڈیرے پر آ کر مجھے سب کچھ بتا دیا۔ میں تو تمہارے بارے میں پریشان ہو رہا تھا کہ تم کہاں غائب

ہو گئے تھے۔ ماسی مہراں کے گھر کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔ ویسے ماجھے گجر کی ایک بات ہے شارق باؤ.... عورت کے معاملے میں وہ واقعی غیرت والا آدمی ہے۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو سب سے پہلے وہ ثمینہ کا بندوبست کرتا۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ثمینہ وہاں سے بھاگ گئی تھی تو وہ غائب کہاں ہو گئی؟" شارق بولا۔

"کیا... کیا تمہیں پتہ نہیں وہ کہاں ہے؟" گامے نے اسے گھورا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "اسے میرے صرف ایک ٹھکانے کا پتہ تھا۔ وہاں معلوم کر لیا لیکن ثمینہ وہاں نہیں ہے۔"

"تو پھر وہ کہاں جا سکتی ہے؟" گاما نے کہا۔

"ایک منٹ...." شارق بولا۔ "مجھے پہلے اس کا خیال کیوں نہیں آیا۔ ممکن ہے وہ وہیں چلی گئی ہو۔"

"کہاں۔ مجھے بتاؤ۔ میں جا کر پتہ کرتا ہوں۔" گامے نے کہا۔

"نہیں، تم ڈیرے پر جاؤ.... اور ماجھے گجر کی طرف سے ہوشیار رہنا۔ اسے پہلے میرے ہاتھوں نقصان پہنچا ہے اور اب ثمینہ اسے اچھی خاصی چوٹ لگا گئی ہے۔ وہ پاگل ہو رہا ہو گا۔ ثمینہ کا پتہ کرنے میں خود جا رہا ہوں۔"

"تم کیسے جاؤ گے پتر تمہاری تو طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" ماسی مہراں نے کہا۔

"نہیں ماسی، اب میں ٹھیک ہوں۔ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔" شارق نے کہا اور بستر سے اٹھ گیا۔

ماسی مہراں نے آج صبح ہی اس کی خون آلود قمیض دھو ڈالی تھی۔ اس نے قمیض پہنی اور ماسی مہراں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اگر ثمینہ مجھے مل گئی تو ہو سکتا ہے دو تین دن نہ آؤں۔ میرے بارے میں تم لوگ پریشان مت ہونا۔ گامے.... تم کوئی ٹیکسی یا رکشہ لے آؤ۔"

گاما فوراً ہی باہر نکل گیا۔ وہ دس منٹ بعد رکشہ لے کر واپس آ گیا۔ شارق نے ماسی مہراں سے چادر لے کر اوڑھ لی جس سے اس کا چہرہ بھی چھپ گیا۔ مکان سے باہر آ کر وہ رکشہ میں بیٹھ گیا اور رکشہ چل پڑا۔ رکشہ چلنے کے بعد ہی شارق نے ڈرائیور کو بتایا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔

تقریباً چالیس منٹ بعد رکشہ سہیل کے ریسٹورنٹ کے سامنے رک گیا۔ شارق نے رکشہ والے کو کرایہ دیا اور نیچے اتر کر ریسٹورنٹ میں جھانکا۔ سہیل کاؤنٹر پر نہیں تھا۔ وہ ساتھ والے

دروازے میں داخل ہو کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اوپر کا دروازہ بند تھا مگر اندر روشنی نظر آ رہی تھی۔ شارق نے ہولے سے دستک دی تو فوراً ہی اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں، شارق۔" شارق نے سرگوشی میں جواب دیا۔

دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ سامنے ثمینہ کھڑی تھی۔ وہ کچھ دیر تک متوحش نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھتی رہی پھر والہانہ انداز میں اس سے لپٹ گئی۔

"سہیل کہاں ہے؟" شارق نے اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے پوچھا۔

"نیچے ریسٹورنٹ میں ہو گا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"ریسٹورنٹ میں نہیں ہے۔ شاید کہیں کام سے گیا ہو گا۔ آ جائے گا۔" شارق نے کہا پھر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے افسوس ہے ثمینہ۔ دراصل میں یہ سمجھا تھا کہ تم وہاں سے بھاگ گئی ہو۔"

"میں نے کوشش کی تھی مگر انہوں نے مجھے پکڑ لیا تھا اور...."

"اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا مجھے معلوم ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم رات ہی کو اکو کو قتل کر کے بھاگ گئی تھیں؟"

"تت... تمہیں کیسے پتہ چلا؟" ثمینہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایسی خبریں زیر زمین دنیا میں بڑی تیزی سے سفر کرتی ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد سہیل بھی آ گیا۔ شارق کو دیکھ کر اسے زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ اور پھر تقریباً ایک ہفتہ تک شارق اور ثمینہ اسی کمرے میں محدود رہے۔ رات کو وہ ہوا خوری کے لئے تھوڑی دیر کو چھت پر چلے جاتے۔ اچھی خوراک اور مناسب دیکھ بھال سے شارق بڑی جلدی صحت یاب ہو رہا تھا۔ اس کی کمزوری دور ہو رہی تھی۔ سہیل ہر لحاظ سے ان دونوں کا خیال رکھے ہوئے تھا۔

اور پھر ساتویں دن وہ سہیل سے رخصت ہو کر شام نگر والے مکان میں آ گئے۔ دو دن یہاں رہے اور پھر تیسرے دن شارق نے مزنگ والے ڈیرے پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ثمینہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ اپنے اصل روپ میں تھی البتہ اس نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ شارق نے بھی چادر اوڑھ لی تھی۔

نولکھا اور گاما ان دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ وہ دونوں شارق کو اب تک کی صورت حال سے آگاہ کر رہے تھے۔ گاما کی اطلاع کے مطابق ماجھا گجر اور اس کے آدمی ثمینہ اور شارق کی تلاش میں شکاری کتوں کی طرح پورے شہر میں گھوم رہے تھے۔

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ کوچوان باہر سے دوڑتا ہوا آیا۔ وہ بری طرح بدحواس ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا سراج۔ تمہارے پیچھے کتے لگے ہوئے ہیں کیا؟" گاما نے اسے گھورا۔

"ماجھا گجر کے آدمی چاروں طرف سے طویلے کو گھیرے میں لے رہے ہیں۔" سراج نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ!" گاما ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"شارق باؤ.... تم ثمینہ کو لے کر مزار میں چلے جاؤ اور نولکھے تم میرے ساتھ آؤ۔" گاما نے کہا۔

شارق کمرے سے نکلا اور ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر مزار کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ وہ مزار والے چبوترے پر پہنچے ہی تھے کہ فائرنگ شروع ہو گئی۔ ثمینہ کا خوف کے مارے برا حال تھا۔ اگر رات کا اندھیرا نہ ہوتا تو شاید انہیں بھی گولیوں کا نشانہ بنانے کی کوشش کی جاتی۔ شارق اس کا ہاتھ پکڑے مزار میں داخل ہو گیا اور پھر اس نے تہہ خانے کا خفیہ راستہ کھول دیا۔

قبر کا تعویذ صندوق کے ڈھکنے کے طرح کھلتا دیکھ کر ثمینہ کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔ شارق اسے لے کر قبر میں اتر گیا۔ ثمینہ کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ دونوں جیسے ہی نچلی سیڑھیوں پر پہنچے قبر کا تعویذ بند ہو گیا۔ شارق اس کا ہاتھ پکڑے سیڑھیاں اترتا چلا گیا اور جب وہ تہہ خانے میں پہنچے تو یہاں اسلحہ کی پٹیاں اور الماریوں میں سجے ہوئے ہیروئن کے پیکٹ دیکھ کر حیرت کی زیادتی سے ثمینہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے مڑ کر شارق کی طرف دیکھا۔ شارق کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی.....!!!

○

ماجھا گجر واقعی پاگل ہو گیا تھا۔

اسے صبح چار بجے اکو کے قتل اور ثمینہ کے فرار کی اطلاع ملی تھی۔ وہ اس وقت داروغہ والا میں حاجی کی کوٹھی پر تھا۔ حاجی سے پروگرام کل شام ہی سے طے تھا دراصل اس نے حاجی کے ساتھ مل کر بھی کچھ کاروبار شروع کر رکھا تھا اور اس رات ان کا کچھ مال سرحد پار جانے والا تھا۔ حاجی اور اس نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ مال کی روانگی سے ایک گھنٹہ پہلے سرحد کے ایک مخصوص مقام پر تعینات سرحدی محافظوں سے ملاقات کر کے اپنے آدمیوں کو گرین سگنل دیں گے اور ان کے آدمی مال لے کر سرحد پار کر جائیں گے۔ سرحدی محافظوں سے معاملہ پہلے ہی سے طے تھا صرف گرین سگنل لینا تھا تاکہ عین وقت پر کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے سرحد پار مال وصول کرنے کے لئے ان کے بھارتی ایجنٹ موجود ہوتے تھے۔ ان کا مال برقی کی طرف سے جانے والا تھا برقی سے ذرا آگے سرحد پار کر کے مال بھارتی ایجنٹوں کے حوالے کر دیا جاتا جو ٹرن تارن سے ہوتے ہوئے دلی کی طرف نکل جاتے۔

حاجی سے ماجھے گجر کا یہ پروگرام طے ہو رہا تھا کہ اکو ایک بجے اس کی کوٹھی پہنچ جائے گا یہاں سے وہ ماجھا کی گاڑی پر برقی کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اکو کو بھی ماجھے کے ساتھ جانا تھا اور ماجھا گجر نہروالی کوٹھی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس روز صبح اکو نے ہی اسے اطلاع دی تھی کہ شارق کو ایک خوبرو نوجوان کے ساتھ دیکھا گیا ہے اور اکو نے وعدہ کیا تھا کہ وہ شام تک انہیں تلاش کر کے ماجھے کے قدموں میں ڈھیر کر دے گا۔

شام تک تو اکو شارق کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔ دس بجے کے قریب ایک آدمی نے آ کر اطلاع دی کہ شارق اسی خوبرو نوجوان کے ساتھ گلبرگ میں مین روڈ پر واقع کبابیش میں گیا ہے اس وقت ماجھا گجر بھی کوٹھی میں موجود تھا اور وہ جانتا تھا کہ کبابیش میں جانے والا کوئی شخص ایک گھنٹے سے پہلے واپس نہیں جا سکتا تھا کیونکہ وہاں گاہکوں کی اتنی لمبی لائن لگی ہوتی تھی کہ اپنی باری کا انتظار کرنے میں ایک گھنٹہ تو لگ ہی جاتا تھا۔ ماجھا گجر نے دو اور آدمی اکو کے ساتھ روانہ کر دیئے۔ اس طرح اطلاع دینے والے سمیت ان کی تعداد چار ہو گئی۔

وہ لوگ کار میں تھے۔ کبابیش تک پہنچنے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ گاڑی انہوں نے دور ہی کھڑی کر دی۔ اکو خود گاڑی سے اتر کر کبابیش کا چکر لگا آیا تھا اور اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ شارق اور اس کا ساتھی کبابیش میں موجود تھے۔ وہ لوگ گاڑی میں بیٹھے انتظار کرتے رہے۔ ان سب کی نظریں کبابیش والے بنگلے کے دروازے پر تھیں۔

گیارہ بجے کے لگ بھگ شارق اپنے ساتھی کے ہمراہ کبابیش سے باہر نکلا۔ انہیں فوراً ہی ایک رکشہ مل گیا اور وہ رکشے میں بیٹھ کر مخالف سمت میں روانہ ہو گئے۔ اکو کی گاڑی بھی حرکت میں آ گئی۔ اسٹیئرنگ کے سامنے وہی شخص بیٹھا ہوا تھا جو اطلاع لے کر آیا تھا۔

کار شارق کے رکشے کا تعاقب کرتی رہی۔ سڑک پر ٹریفک برائے نام ہی تھا۔ تقریباً نصف میل بعد رکشہ جیسے ہی ٹریفک سگنل سے آگے نکلا اکو نے ڈرائیور کو کار کو آگے بڑھا کر رکشہ روکنے کی ہدایت کر دی۔ کار کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی اور پھر رکشے سے آگے نکل کر اس طرح رک گئی کہ رکشہ ڈرائیور کو رکشہ روکنا ہی پڑا تھا۔

اور پھر جو کچھ بھی ہوا اکو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اکو اور اس کے ساتھی مسلح تھے۔ تعداد میں بھی وہ زیادہ تھے مگر نتیجہ جو کچھ بھی نکلا وہ اکو کی توقع کے خلاف تھا... اس کا نہ صرف ایک ساتھی مارا گیا تھا بلکہ شارق بھی بھاگ نکلا تھا۔ شارق زخمی ہوا تھا لیکن وہ جس طرح بھاگا تھا اس سے اکو کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ گولی کسی ایسی جگہ لگی تھی جو اسے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکی تھی۔

اکو اور اس کے ساتھی اگر کوشش کرتے تو اس کوٹھی میں شارق کا پیچھا کر کے اسے پکڑ سکتے تھے مگر اکو اپنے ساتھی کی موت اور شارق کے فرار سے شاید گھبرا گیا تھا۔ شارق کا ساتھی ان کے قبضے میں آ گیا تھا وہ اس کو لے کر کار میں وہاں سے بھاگ نکلے انہوں نے اپنے ساتھی کی لاش اٹھانے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔

اور جب اکو شارق کے ساتھی کو لے کر آیا تو ماجھا گجر صورت حال جان کر ایک دم برہم ہو گیا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اکو کی گردن مروڑ دے یہ ان کی بزدلی ہی تو تھی کہ شارق بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اس وقت ماجھا گجر کا ایک ایجنٹ مہر بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ مہر پہلے چھانگا سے مال لیا کرتا تھا وہ شارق کو بھی جانتا تھا لیکن چھانگے کی موت کی بعد وہ ماجھا گجر کی طرف آ گیا تھا مگر چند روز بعد ہی اس نے محسوس کر لیا تھا کہ ماجھا گجر کا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔ نجانے اس کے دل میں یہ بات کیوں آ گئی تھی حالانکہ ایجنٹوں میں سے وہ واحد آدمی تھا جسے ماجھا گجر اپنی اس کوٹھی تک

لے کر آیا تھا۔ اس کوٹھی کے بارے میں تو اس کے دو تین خاص آدمیوں کے سوا کسی کو بھی پتہ نہیں تھا۔

اور جب شارق کے ساتھی سے پوچھ گچھ کے دوران اس کی قمیض پھٹ گئی اور یہ انکشاف ہوا کہ وہ مرد نہیں عورت ہے تو اسے بڑی حیرت ہوئی تھی کہ یہ جوان اور خوبصورت لڑکی مردانہ بھیس میں شارق کے ساتھ کیوں گھوم رہی ہے۔

ثمینہ نے اسے ایک فرضی کہانی سنا دی تھی اور ماجھا گجر نے اس کی کہانی پر بالکل یقین نہیں کیا تھا۔ وہ اتنا بے وقوف تو نہیں تھا کہ اس لڑکی کی باتوں میں آ جاتا۔ ثمینہ کی اصلیت جاننے کے بعد مہر کی آنکھوں میں ہوس کی چمک ابھر آئی تھی۔ وہ عیاش آدمی تھا اس نے ثمینہ کے بارے میں اپنے دل کی بات کہہ دی تھی لیکن ماجھا گجر اسمگلر اور بدمعاش ہونے کے باوجود عورتوں کے بارے میں ایک مختلف رائے رکھتا تھا۔ اس کی زندگی میں بڑے مواقع آئے تھے لیکن اس نے بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کی طرف ایسی نظروں سے نہیں دیکھا تھا جن میں ہوس آمیزی ہو۔ ثمینہ اگرچہ اس کے بدترین دشمن کی ساتھی تھی لیکن اسکے باوجود اس کے ذہن میں ثمینہ کے بارے میں ایسا خیال نہیں آیا تھا۔ اور جب مہر نے ثمینہ کے بارے میں دل کی بات کہی تھی تو ماجھے نے اسے کوٹھی سے چلے جانے کو کہا تھا اور مہر نے جاتے جاتے ایسی بات کہہ دی تھی جسے ماجھا گجر صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر برداشت کر گیا تھا۔ مہر اس وقت چلا تو گیا تھا لیکن وہ اسے اپنی توہین سمجھتا تھا اور اس نے دل ہی دل میں طے کر لیا تھا کہ ماجھے سے اپنی اس بے عزتی کا بدلہ ضرور لے گا۔

ماجھا گجر نے ثمینہ کی باتوں پر بالکل یقین نہیں کیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کے لئے شارق سے محبت کا ڈھونگ رچا رہی ہے۔ ثمینہ بہرحال کوئی بھی ہو اس نے فوراً ہی یہ منصوبہ بنا لیا تھا کہ شارق پر ہاتھ ڈالنے کے لئے ثمینہ کو چارے کے طور پر استعمال کرے گا۔ لیکن ابھی اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ اس نے یہ طے کیا تھا کہ کل صبح شارق کے مزنگ والے ڈیرے پر ثمینہ کے بارے میں پیغام بھیج دے گا۔ اس نے اکو کو ثمینہ کے بارے میں ہدایات دے کر وہیں چھوڑ دیا تھا اور باہر نکلتے وقت اس نے چوکیدار کو بھی ہدایت کر دی تھی کہ وہ کمپاؤنڈ میں کتے کھول دے اور خیال رکھے کہ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔

ماجھا گجر جب داروغہ والا میں حاجی کی کوٹھی پر پہنچا تو ایک بجنے والا تھا۔ حاجی اسی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ وہ فوراً ہی حاجی کی گاڑی پر برقی روانہ ہو گئے۔ یہاں معاملہ بخیر و خوبی طے ہو گیا اور ان کے آدمی مال لے کر سرحد پار کر گئے۔ وہ مال تقریباً بارہ لاکھ روپے کی مالیت کا تھا اور اس میں

کم سے کم چار لاکھ روپے منافع کی توقع تھی دو لاکھ حاجی کے حصے میں آتا اور دو لاکھ ماجھا گجر کے حصے میں۔ ایک رات کا یہ منافع خاصا معقول تھا اتنا ہی مال اگلی رات بھی جانے والا تھا۔

وہ لوگ جب حاجی کی کوٹھی پر واپس پہنچے تو صبح کے چار بج رہے تھے۔ ماجھا گجر بری طرح تھک گیا تھا حالانکہ وہ اس قسم کی بھاگ دوڑ کا عادی تھا لیکن آج اس پر تھکن سوار ہو گئی تھی۔ حاجی کی کوٹھی پر واپس آکر ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی وہ صوفے پر لیٹ گیا۔ اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ حاجی نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"کیا بات ہے یار حاجی!" وہ اٹھ کر آنکھیں ملتے ہوئے بولا۔ "کیا قیامت آگئی ہے سونے کیوں نہیں دیتے۔"

"بلو آیا ہے۔" حاجی نے کہا۔ "وہ جو خبر لے کر آیا ہے تمہارے لئے قیامت سے کم نہیں ہو گی۔"

"بلو!" یہ نام سنتے ہی ماجھے گجر کے دماغ پر طاری نیند کا خمار غائب ہوگیا۔ بلو اس کی نہر والی کوٹھی کا چوکیدار تھا وہ اکو اور بلو کو بتا کر آیا تھا کہ حاجی کی طرف جا رہا ہے اور رات اسی کے ساتھ رہے گا۔ اکو کو تو معلوم ہی تھا کیونکہ وہ تو خود بھی اس کے ساتھ جانے والا تھا لیکن ثمینہ کی وجہ سے وہ اسے چھوڑ گیا تھا اور اس وقت بلو کی آمد کا سن کر ماجھے کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ "کہاں ہے بلو... کیا خبر لایا ہے وہ!" ماجھا کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے صوفے سے اٹھ گیا۔

"باہر برآمدے میں کھڑا ہے۔ جا کر پوچھ لو۔" حاجی نے کہا۔

ماجھا گجر ننگے پاؤں ڈرائنگ روم سے نکل کر برآمدے میں آگیا۔ بلو برآمدے کے ایک ستون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ ماجھے کو دیکھ کر ایک دم سیدھا ہو گیا۔

"کیا بات ہے بلو... کیا ہوا؟" ماجھے نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"استاد وہ..." بلو کہتے کہتے رک گیا اس کے چہرے پر عجیب سے خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔

"بتاتا کیوں نہیں۔ کیا بات ہے؟" ماجھے نے اسے گھورا۔

"استاد! اکو قتل ہوگیا ہے۔" بلو نے رک رک کر کہا۔

"کیا بکواس کرتے ہو!" ماجھا گجر دھاڑا... "کس نے قتل کیا اسے! کوٹھی پر حملہ ہو گیا تھا کیا؟"

"نہیں استاد۔" بلو نے جواب دیا۔ "لڑکی نے اسے گلا گھونٹ کر مار دیا ہے اس کے گلے میں رسی لپٹی ہوئی تھی۔"

"کیا بک رہے ہو۔" ماجھا گجر بھنا گیا۔ "وہ کمزور اور معمولی سی بزدل لڑکی اکو جیسے آدمی کا گلا کیسے گھونٹ سکتی ہے۔"

"پتہ نہیں استاد یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔" بلو نے جواب دیا۔ "کتوں کے بھونکنے کی آواز سن کر میں کوٹھی کے پچھلی طرف گیا تھا۔ کتے اوپر کی طرف منہ اٹھا کر بھونک رہے تے۔ میں نے اوپر دیکھا تو وہ لڑکی چھت کے راستے ٹاہلی کی شاخوں کے ذریعے کوٹھی کی دیوار کے باہر کودنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے گولی چلا دی مگر وہ دیوار کے باہر چھلانگ لگا چکی تھی۔ اس وقت میں کچھ نہیں سمجھ سکا کہ یہ وہی لڑکی تھی جسے اکو پکڑ کر لایا تھا میں اسے کوئی چور ہی سمجھا تھا میں چور چور کا شور مچاتا ہوا کوٹھی سے باہر نکل کر بھاگا۔ دوسری کوٹھیوں سے بھی کچھ لوگ شور سن کر باہر آگئے تھے۔ وہ بھی اسے تلاش کرنے لگے۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ اتنے شور کے باوجود اکو باہر نہیں نکلا تھا۔ میں واپس آکر دروازہ کھٹکھٹانے لگا مگر اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ ایک کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی میں اندر کود گیا۔ وہ لڑکی اندر کہیں بھی موجود نہیں تھی۔ پھر جب میں تمہارے کمرے میں داخل ہوا تو بستر پر اکو کی لاش پڑی تھی۔ اس کے گلے میں رسی لپٹی ہوئی تھی اور زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ میں اس کی شکل دیکھ کر ہی ڈر گیا تھا استاد۔"

"میرے کمرے میں.... میرے بستر پر۔" ماجھا گجر بڑبڑایا۔

"ہاں استاد۔ وہ لاش اب بھی وہیں پڑی ہے۔" بلو نے جواب دیا۔

"وہاں کون ہے؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"گیٹ پر ساتھ والی کوٹھی کا چوکیدار ہے استاد! دو تین اور آدمی بھی ہیں۔ میں نے چوکیدار کو منع کر دیا تھا کہ کسی کو اندر نہ جانے دے۔" بلو نے بتایا۔

"کسی کو بتایا تو نہیں کہ کوٹھی میں کوئی لڑکی بھی موجود تھی؟" گجر نے پوچھا۔

"نہیں استاد۔" بلو نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں نے لوگوں سے یہی کہا تھا کہ چور کوٹھی میں گھس گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے چلو میرے ساتھ۔" ماجھا گجر نے کہا۔ اور ڈرائنگ روم میں آگیا۔

حاجی اب بھی ڈرائنگ روم میں کھڑا تھا۔

"کیا ہوا؟ کس نے قتل کیا ہے اکو کو؟" اس نے پوچھا۔

"پتہ نہیں یار ہر بازی الٹی پڑ رہی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میں اس وقت تو جا رہا ہوں۔ بعد میں تمہیں بتاؤں گا۔" ماجھا گجر نے کہتے ہوئے جوتے پہنے اور باہر آگیا۔

بلو کسی پڑوسی کی موٹر سائیکل لے کر آیا تھا جو کوٹھی کے باہر کھڑی تھی۔ بلو باہر چلا گیا اور

ماجھا گجر پورچ میں کھڑی ہوئی اپنی کار میں بیٹھ گیا۔

موٹر سائیکل آگے تھا اور کار اس کے پیچھے۔ سڑکوں پر ٹریفک نہیں تھا۔ اس لئے ان میں سے کسی کو بھی تیز رفتاری میں دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ اس طرح انہیں نہر والی کوٹھی تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

کوٹھی کے گیٹ کے سامنے پڑوسیوں کا چوکیدار اور تین آدمی اور تھے۔ وہ بھی آس پاس کی کوٹھیوں کے ملازم ہی تھے۔ ماجھا گجر کار سے اتر کر تقریباً دوڑتا ہوا کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ بلو بھی موٹر سائیکل کھڑی کر کے اس کے پیچھے دوڑا۔

ماجھا گجر اپنے بیڈ روم میں آیا تو خنکی محسوس کرتے ہی ٹھٹک گیا اس نے اے سی کی طرف دیکھا جو چل رہا تھا پھر وہ بیڈ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی لاش اس طرح پڑی تھی کہ اس کی ایک ٹانگ نیچے لٹکی ہوئی تھی اور باقی جسم بستر پر تھا۔ اس کے گلے میں سرخ رنگ کی وہ رسی لپٹی ہوئی تھی جس سے اس کی بیٹی کھیلا کرتی تھی۔ اکو کے ہونٹ خون آلود تھے ٹھوڑی اور گردن پر بھی خون جما ہوا تھا اور خون کا ایک دھبہ بستر کی چادر پر بھی تھا۔ غالباً سانس رک جانے سے پھیپھڑے پھٹ گئے تھے اور جب اسے چھوڑا گیا تھا تو خون بہہ نکلا تھا۔

ماجھا گجر کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ سب کچھ کس طرح ہوا ہو گا۔ ثمینہ جوان تھی حسین تھی۔ رات کو قمیض اتارنے کی کوشش میں وہ جس طرح نیم برہنہ ہو گئی تھی اسے دیکھ کر اکو جیسے شخص کو اپنے سفلی جذبات پر قابو پانا مشکل ہو گیا ہو گا۔ اس نے تنہائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ثمینہ کو پٹانے کی کوشش کی ہو گی۔ کمرے کا اے سی چل رہا تھا اور ممکن ہے ثمینہ اپنی مرضی سے اس کمرے میں آئی ہو لیکن وہ اکو کا دل خوش کرنے کے لئے نہیں آئی ہو گی۔ اسے جب پتہ چلا ہو گا کہ اکو اکیلا ہے تو اس نے بھی کوئی منصوبہ بنا لیا ہو گا اور وہ اپنے منصوبے میں کامیاب رہی تھی۔ اس کی بیٹی کے کھیلنے کی یہ رسی کل سے اسی کمرے میں بیڈ پر پڑی تھی۔ ثمینہ نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا اور رسی سے اکو کا گلا گھونٹ کر بھاگ نکلی تھی۔

ماجھا گجر کمرے سے باہر آ گیا۔ بلو ہال میں کھڑا تھا۔

"سیڑھیوں کا اوپر کا دروازہ کھلا ہوا ہے استاد۔" اس نے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اکو کو قتل کرنے کے بعد وہ اس طرف سے بھاگی تھی۔"

ماجھا گجر چھت پر آ گیا۔ ٹاہلی کی ایک موٹی شاخ چھت تک پہنچی ہوئی تھی۔ ماجھا گجر کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ثمینہ نے اکو کو قتل کرنے کے بعد فرار کے لئے یہی راستہ استعمال کیا تھا۔ وہ چھت پر ادھر ادھر دیکھتا ہوا دوبارہ نیچے آ گیا۔

"پولیس کو اطلاع دی؟" اس نے بلو سے پوچھا۔

"نہیں استاد۔" بلو نے جواب دیا۔ "پہلے تو میں لوگوں کے ساتھ اس لڑکی کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر تمہیں بتانے کے لئے چلا گیا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پولیس کو اطلاع دیتا ہوں۔ اور ایک بات سنو۔" ماجھے نے بلو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "رات کو یہاں کوئی لڑکی نہیں آئی تھی۔ وہ کوئی چور تھا جو درختوں کے ذریعے چھت کے راستے اندر داخل ہوا تھا۔ وہ چوری کرنے کی نیت سے آیا تھا لیکن کمرے میں سوئے ہوئے اکو کی آنکھ کھل گئی۔ چور نے اکو کو رسی سے گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا اور چھت ہی کے راستے درختوں کے ذریعے فرار ہو رہا تھا کہ کتوں کی آواز سن کر تم اس طرف متوجہ ہو گئے تم نے درخت پر چور کو دیکھ کر پہلے للکارا پھر گولی چلا دی لیکن چور دیوار کے دوسری طرف کود کر بھاگ نکلا۔ تم محلے کے لوگوں کے ساتھ چور کو تلاش کرتے رہے پھر واپس آ کر کوٹھی میں داخل ہوئے تو یہاں اکو کی لاش پڑی تھی۔ تم مجھے اطلاع دینے کے لئے چلے گئے۔ سمجھ گئے؟"

ماجھا گجر ڈرائنگ روم میں آ گیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر مقامی پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ یہ ٹیلی فون ابھی تین دن پہلے ہی لگا تھا۔ وہ پولیس کو اطلاع دینے کے بعد ڈرائنگ روم سے باہر آ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اکو جیسے لوگوں کا یہی انجام ہونا چاہئے تھا۔ لیکن وہ بظاہر نازک سی اور بزدل نظر آنے والی لڑکی کس قدر چالاک اور خطرناک ثابت ہوئی تھی۔ ماجھے کو اپنی حماقت پر بھی تاؤ آ رہا تھا۔ اس نے ثمینہ کو محض ایک کمزور اور ڈرپوک سی عورت سمجھ لیا تھا جو اس کے سامنے خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ لیکن شاید وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ شارق کی ساتھی تھی۔

شارق کا خیال آتے ہی اس کے دماغ میں لاوا سا کھولنے لگا۔ وہ پے در پے اسے شکست دے رہا تھا۔ وہ شارق کو اپنے سامنے جھکانے کے لئے چالیں چل رہا تھا۔ لیکن نہ صرف یہ کہ ہر چال ناکام ہو رہی تھی بلکہ بازی اسی کے خلاف پلٹ رہی تھی۔

سب سے پہلے اس نے نکا پہلوان کو پکڑا تھا۔ وہ نکا پہلوان کے ذریعے شارق کا خفیہ ٹھکانہ معلوم کرنا چاہتا تھا مگر نکے پہلوان نے جان دے دی تھی شارق کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ نکا پہلوان کی لاش گاؤں والے ڈیرے پر گوبر میں دبا دی گئی تھی۔ لیکن دو دن بعد ہی پولیس نے اس کے گاؤں والے ڈیرے پر چھاپہ مار کر لاش دریافت کر لی تھی اور اس کے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ اسی روز پولیس کو داروغہ والا سے شادی پور کی طرف جانے والی سڑک پر فیکٹریوں کے پیچھے کھیتوں سے ایک آدمی کی لاش ملی تھی جسے باغبانپورہ کے بدمعاش اور منشیات فروش بگے کی حیثیت سے شناخت کر لیا گیا تھا۔

ماجھا گجر صرف چند گھنٹوں کے لئے روپوش رہا تھا اس نے پولیس کو چڑھاوا چڑھا کر ان کی تسلی کرا دی تھی کہ وہ کئی روز سے گاؤں والے ڈیرے پر نہیں گیا تھا۔ اور یہ کہ نکا پہلوان کے قتل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس نے اپنے گرفتار ہونے والی آدمیوں کو بھی تسلی دی تھی کہ وہ پریشان نہیں ہوں وہ زیادہ دیر تک اندر نہیں رہیں گے۔

ماجھا گجر کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اس کے گاؤں والے ڈیرے پر پولیس کے چھاپے اور بگے کے قتل میں شارق کا ہاتھ ہے بگا کسی طرح شارق کے ہاتھ لگ گیا ہو گا اور شارق نے اس سے نکے کے بارے میں معلوم کر لیا ہو گا۔ پھر اسے بھی قتل کر کے لاش کھیتوں میں پھنکوا دی۔

ماجھا گجر اس صدمے سے پوری طرح سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ اس کے نسبت روڈ والے اڈے پر پولیس نے ہلہ بول دیا اس وقت وہ خود بھی اس اڈے پر موجود تھا۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ مقامی تھانے کی پولیس کے دو چار کانسٹیبل چڑھ دوڑے ہوں گے لیکن اسے جلد ہی پتہ گیا کہ یہ چھاپہ ایک اعلیٰ پولیس افسر کی سرکردگی میں مارا گیا تھا اور اس میں پولیس کے دو چار نہیں کم از کم دو ورجن مسلح آدمی شامل تھے۔ مقابلے کے دوران ہی پولیس کو مزید کمک پہنچ گئی۔

اس دوران ماجھے گجر کے دو آدمی مارے جا چکے تھے۔ ماجھا اور اس کے باقی ساتھی بری طرح گھیرے میں آ گئے تھے۔ ماجھے نے یکے بعد دیگرے دو دستی بم پولیس کی طرف پھینکے تھے۔ جن میں سے ایک تو پھٹ نہیں سکا تھا۔ دوسرا بم پھٹا تو پولیس والے بھی گڑبڑا گئے تھے اور ماجھا اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو ساتھیوں سمیت عقبی سمت سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس چھاپے کے بعد ماجھے گجر نے اپنی اس کوٹھی میں پناہ لی تھی۔ کیونکہ یہ اس کے خیال میں محفوظ ترین پناہ گاہ تھی۔

اس دوران ماجھا گجر ایک طرف مختلف آدمیوں کو بیچ میں ڈال کر پولیس سے مک مکا کی کوشش کرتا رہا اور دوسری طرف اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے شارق کی تلاش جاری رکھی.... پولیس سے تو مک مکا ہو گیا لیکن شارق کا کئی روز گزرنے کے بعد بھی کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ وہ تو اس طرح غائب ہوا تھا جیسے اس دنیا میں اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

اور گزشتہ رات اس کا سراغ ملا بھی تو اس کے آدمی اسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اس کے برعکس اکو کے کہنے کے مطابق وہ ان کے ایک آدمی کو مار کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا ماجھے کے آدمی شارق کے ساتھی کو پکڑ لائے تھے جو مرد کے بجائے عورت ثابت ہوئی تھی۔ ماجھا اسے ایک کمزور اور ڈرپوک عورت سمجھ کر اکو کی نگرانی میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ جو اس کی

توقع سے کہیں زیادہ چالاک نکلی اور اکو کو قتل کر کے فرار ہو گئی۔ اس طرح گزشتہ رات بھی اس کے دو آدمی مارے گئے تھے اور ان دونوں کا قتل وہ شارق کے کھاتے میں ڈال رہا تھا۔

ماجھا گجر یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ باہر سے ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔

"چوہدری صاحب... کہاں ہو بھئی۔ یہ سب کیا ہو گیا ہے؟"

وہ ماجھے کی ساتھ والی کوٹھی میں رہنے والے غفور بٹ کی آواز تھی۔ غفور بٹ کپڑے کا ہول سیل بیوپاری تھا۔ اس کی دکان اعظم کلاتھ مارکیٹ میں تھی۔ ماجھا گجر نے یہاں اپنے آپ کو چوہدری معراج دین کے نام سے متعارف کرا رکھا تھا اور بتایا تھا کہ وہ زمینداری کرتا ہے۔ یہاں کوئی اس کی اصلیت کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ یہاں سب ہی کاروباری لوگوں کی کوٹھیاں تھیں۔ شریف لوگ تھے اپنے کام سے کام رکھنے والے۔ صبح جاتے اور رات کو گھروں کو لوٹتے اس کوٹھی میں منتقل ہونے کے بعد ایک دو پڑوسیوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ جب بھی اس کوٹھی میں آتا ٹھیک ٹھاک حلیے میں آتا۔

"آؤ... آؤ بٹ صاحب۔" ماجھا راہداری سے نکل کر برآمدے میں آ گیا۔

"یہ کیا گڑبڑ ہو گئی چوہدری صاحب۔ پولیس کو اطلاع دی یا نہیں؟" بٹ صاحب نے پوچھا۔

"میں نے ٹیلی فون کر دیا ہے میرا خیال ہے پولیس پہنچنے والی ہو گی۔" ماجھے نے جواب دیا۔

"لیکن یہ ہوا کیسے؟ چور اندر کیسے گھس گیا۔" بٹ صاحب نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے چھت والا دروازہ رات کو کھلا رہ گیا تھا۔ چور درختوں کی شاخوں کے راستے چھت پر آیا اور پھر نیچے پہنچ گیا۔ میرا ملازم اندر سو رہا تھا۔ شاید آہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی لیکن چور نے شاید اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور گلے میں رسی لپیٹ کر گلا گھونٹ دیا اور پھر غالباً ڈر کر اسی وقت بھاگ گیا تھا اسے کچھ چرانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔" ماجھے گجر نے جواب دیا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے۔" بٹ صاحب نے کہا۔ "رات کو شور کی آواز سن کر میں بھی باہر آ گیا تھا لوگوں نے چور کا پیچھا تو کیا مگر وہ قابو نہیں آ سکا۔ میں نے آپ سے ایک مرتبہ پہلے بھی کہا تھا کہ پیچھے والی ٹاہلیوں کی کم از کم دو شاخیں کٹوا دیں مگر آپ ٹھہرے زمیندار لوگ درختوں کو کٹوانا گناہ سمجھتے ہیں۔"

"میں نے بھی کئی مرتبہ ان شاخوں کو کٹوانے کے بارے میں سوچا تھا مگر بات آج کل پر ٹلتی رہی۔ جس کا نتیجہ اس وقت بھگتنا پڑ رہا ہے۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ گیٹ کے سامنے پولیس کی جیپ آ کر رکی۔ ایک سب انسپکٹر

اور چار پانچ پولیس والے جیپ سے اتر کر اندر آ گئے۔ بٹ صاحب پولیس کو دیکھ کر کھسک گئے..... ماجھا گجر کچھ دیر تک برآمدے ہی میں کھڑا سب انسپکٹر سے باتیں کرتا رہا پھر انہیں لے کر اندر آ گیا۔

سب انسپکٹر لاش اور کمرے کا معائنہ کرتا رہا۔ چوکیدار کو بھی اندر بلا لیا گیا تھا۔ بلو بڑی مہارت سے پولیس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ سب انسپکٹر کمرے سے نکل کر چھت پر آ گیا۔ اس نے چھت والے دروازے کا بھی اچھی طرح معائنہ کیا اور اس جگہ کا بھی جہاں ٹاہلی کی شاخیں چھت تک پہنچی ہوئی تھیں۔

سب انسپکٹر نے اس کوٹھی کے آس پاس جو لوگ بھی ملے ان کے بیانات قلم بند کر لئے۔ جس سے وہ اسی نتیجہ پر پہنچا کہ رات کو چور اس کوٹھی میں داخل ہوا تھا جو کوٹھی کے ایک ملازم کو قتل کر کے کچھ چرائے بغیر فرار ہو گیا۔ اور جب لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوائی جانے لگی تو ماجھا گجر نے سب انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لاش کی بے حرمتی ضرور کرنی ہے۔ مر گیا بیچارہ..... اب اس کی چیر پھاڑ تو نہ کی جائے۔"

"ٹھیک ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "لیکن دوسری قانونی کارروائی پوری کرنی ہو گی۔ میرا مطلب ہے اس کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ اور....."

"آپ قانونی کارروائی کر لیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" ماجھا گجر نے اس کی بات کاٹ دی۔

پولیس نو بجے وہاں سے رخصت ہوئی تھی ماجھا گجر ان کے ساتھ ہی گیا تھا۔ اور اکو کی لاش کے سلسلے میں قانونی کارروائی مکمل ہونے سے پہلے یہ خبر زیر زمین دنیا میں پھیل چکی تھی کہ ماجھے کے بندے اکو کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اور پھر لاہور کی زیر زمین دنیا سے تعلق رکھنے والوں سے یہ بات بھی چھپی نہیں رہ سکی کہ اکو کو کسی چور نے نہیں ایک لڑکی نے قتل کیا تھا اور وہ لڑکی شارق کی ساتھی تھی۔ ثمینہ کے حوالے سے زیر زمین دنیا میں یہ خبر پھیلانے میں مہر نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

ماجھا گجر نے وہ ایک دن تو خاموشی سے گزار دیا پھر اڑیل بھینسے کی طرح پھنکارتا ہوا پورے شہر میں دندنانے لگا۔ اس نے اپنے سارے آدمی پورے شہر میں پھیلا دیئے تھے جو شکاری کتوں کی طرح شارق اور ثمینہ کی بو سونگھتے پھر رہے تھے لیکن ان دونوں میں سے کسی کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔

ماجھے کی وہ کوٹھی بھی اب خفیہ نہیں رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ تو شارق کا سراغ نہیں لگا سکا لیکن شارق کو اس کوٹھی کے بارے میں اسی رات پتہ چل گیا ہو گا جب ثمینہ' اکو کو قتل کر

کے فرار ہوئی تھی۔

چوتھے روز کسی نے ماجھے گجر کو اطلاع دی کہ شارق اور ثمینہ گلشن راوی کے ایک مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ وہ مکان شارق کے ایک ایجنٹ حفیظ کی ملکیت تھا جو گلشن راوی' سمن آباد موڑ اور بھلا اسٹاپ کے آس پاس گھوم پھر کر دھندہ کرتا تھا۔ اطلاع دینے والے نے بتایا تھا کہ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن اسے شبہ ہے کہ اس نے شارق کو حفیظ کے مکان میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی جس نے برقعہ پہن رکھا تھا۔

ماجھا گجر اپنے تین آدمیوں کو لے کر اسی رات حفیظ کے مکان پر چڑھ دوڑا تھا۔ رات دو بجے کا وقت تھا۔ حفیظ مکان کی چھت پر سو رہا تھا۔ نیچے شور کی آواز سن کر وہ سمجھا کہ پولیس نے چھاپہ مارا ہے۔ وہ چھت ہی سے دوسرے مکان کی چھت پر کود کر بھاگ نکلا ماجھا گجر اور اس کے ساتھی دندناتے ہوئے مکان کی تلاشی لے رہے تھے۔ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ حفیظ بھاگ گیا ہے۔

ثمینہ اور شارق تو اس مکان میں نہیں ملے البتہ حفیظ کی بیوی اور نو عمر بیٹا ماجھے کے قابو میں آ گئے۔

"تمہارا کھسم مجھ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اسے تو میں تلاش کر لوں گا۔ لیکن تم اگر اپنی اور اپنے بیٹے کی خیریت چاہتی ہو تو میں جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دو انکار یا غلط بیانی کی صورت میں پہلے میں تمہارے بیٹے کی کھوپڑی میں گولی ماروں گا اور پھر تمہاری باری آئے گی۔" ماجھا گجر نے کہا اس کے لہجے میں بھیڑیئے کی سی غراہٹ تھی۔

"نن..... نہیں۔ خدا کے لئے ہمیں چھوڑ دو۔" حفیظ کی بیوی گڑگڑائی۔

"اگر تم یہ بتا دو کہ شارق اور ثمینہ کہاں ہیں تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔" ماجھا گجر نے کہا۔

"یہ کون ہیں میں ان کو نہیں جانتی۔" حفیظ کی بیوی نے کہا۔

"شارق' حفیظ کا گرو ہے اور ثمینہ اس کی داشتہ۔ وہ دونوں کل یہاں آئے تھے کہاں گئے وہ؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتہ وہ کون تھے؟" حفیظ کی بیوی نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "وہ..... وہ دونوں یہاں بیوی رائے ونڈ سے آئے تھے۔ رات یہاں رہے اور آج دوپہر کو چلے گئے۔ حفیظ نے بتایا تھا کہ وہ اس کا دوست ہے۔"

"کہاں گئے وہ؟" گجر نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" حفیظ کی بیوی نے جواب دیا۔ "دوپہر کی روٹی کھا کر گئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ پہلے داتا دربار جائیں گے۔ سلام کرنے پھر بازار سے کچھ چیزیں خریدنے کے بعد

رائے ونڈ واپس چلے جائیں گے میں..... میں سچ کہتی ہوں۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ حفیظ کے ساتھ پہلی دفعہ یہاں آئے تھے۔ خدا کے لئے ہمیں کچھ مت کہنا..... میرے بیٹے کو چھوڑ دو.....۔"

ماجھا گجر چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے سے اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ لیکن اسے ایک سراغ مل گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ ثمینہ اور شارق ہی تھے اور ان کے بارے میں حفیظ ہی بتا سکتا تھا۔ وہ ان ماں بیٹے کو چھوڑ کر چلے گئے۔

دوسرے دن حفیظ ماجھا گجر کے ہاتھ لگ گیا۔ حفیظ نے بھی یہی بتایا تھا کہ وہ اس کا ایک دوست تھا جو اپنی بیوی کے ساتھ رائے ونڈ سے آیا تھا اور رات اس کے گھر رہنے کے بعد دوسرے دن دوپہر کو وہ چلے گئے تھے۔ مگر ماجھا گجر اس کی بات کا یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔

"اسے پھجے کے ڈیرے پر لے چلو۔ میں بھی ایک ڈیڑھ گھنٹے میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ پھر اس سے پوچھوں گا کہ وہ دونوں کون تھے اور شارق کہاں ہے۔" ماجھا گجر نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

حفیظ کو انہوں نے کشمیری بازار سے پکڑا تھا اور وہیں سڑک پر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ماجھا گجر تو دلی دروازے کی طرف چلا گیا اور اس کے آدمی حفیظ کو لے کر وسن پورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ماجھا گجر دلی دروازے سے نکل کر لنڈا بازار میں آ گیا۔ یہاں وہ ایک ہوٹل میں بیٹھا رہا اسے ایک آدمی کا انتظار تھا۔ ایک گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی اس کا ملاقاتی نہیں آیا تو وہ بھی ہوٹل سے نکل کر باہر آ گیا۔

اک موریہ پل اور مصری شاہ سے ہوتے ہوئے وسن پورہ پہنچنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی تھی اسے جس گلی میں جانا تھا وہ بہت تنگ تھی۔ اس نے کار باہر سڑک پر ہی روک کر لاک کر دی اور دو تین تنگ سی گلیوں میں ہوتا ہوا ایک مکان کے سامنے رک گیا۔ دستک کے جواب میں دروازہ فوراً ہی کھل گیا تھا۔

وہ ایک پرانا سا مکان تھا۔ دروازہ ایک ادھیڑ عمر اور بھاری بھرکم عورت نے کھولا تھا۔ اس نے دوپٹے کو سر پر پٹی کی طرح باندھ رکھا تھا چہرے پر خباثت نمایاں تھی۔ اس کی آواز بھی پہاڑی کوے کی طرح بھاری اور بے سری تھی۔

"وہ لوگ کہاں ہیں؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"اس آدمی کو لے کر پچھلے کمرے میں گھس گئے ہیں۔ کون ہے وہ؟ کیوں لائے ہو اس کو؟"

عورت نے پوچھا۔

"جو بات سمجھ میں نہ آئے نا اس کے بارے میں سوال جواب مت کیا کرو۔" ماجھا گجر کہتے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کمرے کے پیچھے بھی ایک کمرہ تھا۔ ماجھے نے دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ اس کے دونوں آدمی حفیظ سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ ان کا پوچھ گچھ کا طریقہ بہت ہی خوفناک تھا۔ اس کی قمیض اتری ہوئی تھی اور جسم پر تشدد کے کئی نشان نظر آ رہے تھے۔ ہونٹوں سے خون بھی بہہ رہا تھا۔

"کچھ بتایا اس نے..... کیا کہتا ہے یہ؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"نہیں استاد۔" اس کے ایک آدمی نے جواب دیا۔ "کہتا ہے مجھے شارق کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔"

"تو پتہ کرو اس سے۔" ماجھا گجر نے کہا۔

وہ دونوں آدمی ایک بار پھر حفیظ پر پل پڑے۔ حفیظ بری طرح چیخ رہا تھا لیکن اس کی چیخیں اسی کمرے میں گھٹ کر رہ گئی تھیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک حفیظ کی پٹائی ہوتی رہی مگر وہ شارق کے بارے میں انکار ہی کرتا رہا۔

"اسے چھت سے الٹا لٹکا دو۔" ماجھا گجر نے کہا۔

حفیظ کو چھت سے الٹا لٹکا دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کی پٹائی بھی ہوتی رہی۔ ماجھا گجر اور اس کے دونوں آدمی اس پر گھونسے اور ٹھوکریں برساتے رہے۔ ماجھا گجر پر جنون طاری تھا اور اس کے چہرے پر درندگی نمایاں تھی وہ حفیظ سے ہر قیمت پر شارق کا پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے زور دار ٹھوکر حفیظ کے سینے پر ماری۔ ٹھوکر ٹھیک دل پر لگی۔ حفیظ بری طرح تڑپنے لگا۔ ماجھے نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے حفیظ کو رسی سے کھول کر فرش پر ڈال دیا۔ وہ کچھ دیر تک فرش پر تڑپتا رہا پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

ماجھے نے اس کے جسم پر ایک اور ٹھوکر ماری۔ مگر حفیظ کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ وہ جھک کر اسے ٹٹولنے لگا اور پھر گہرا سانس لیتا ہوا سیدھا سا ہو گیا۔

"ختم ہو گیا۔" وہ اپنے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اوئے تاجے! تم یہیں رہو گے اور شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد اس کی لاش بوری میں بند کر کے شارق کے مزنگ والے اڈے کے سامنے پھینک دینا۔"

"ٹھیک ہے استاد۔" تاجے نے جواب دیا۔

"اچھو! تم میرے ساتھ آؤ۔" ماجھے نے دوسرے آدمی سے کہا۔

ماجھا گجر نے باہر جاتے ہوئے جیب سے ہزار روپے نکال کر اس عورت کے ہاتھ میں تھما دیئے اور اچھو کے ساتھ مکان سے باہر آ گیا۔

ماجھا گجر شہر کے مختلف علاقوں میں گھومتا رہا اور پھر شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد نسبت روڈ والے ڈیرے پر آ گیا۔ چھاپہ پڑنے کے بعد پولیس سے مک مکا تو ہو گیا تھا مگر ماجھے نے اس ڈیرے پر ابھی اپنا دھندہ شروع نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ کبھی کبھی یہاں بیٹھنے لگا تھا۔

نو بجے کے قریب فیصل آباد سے اس کا ایک ایجنٹ آ گیا۔ اس نے باتیں کرتے ہوئے تھیلے میں سے کچھ چیزیں نکالیں تو ان میں تہہ کیا ہوا ایک اخبار بھی تھا۔ اخبار میز پر ماجھا گجر کے سامنے پڑا تھا۔ اخبار کے اوپر والے صفحہ پر ایک عورت کی تصویر دیکھ کر ماجھا گجر چونک سا گیا۔ اس نے اخبار اٹھا لیا اور تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ اسے یہ چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا لیکن اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ یہ لڑکی کون تھی۔ اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔ اس نے اخبار پوری طرح کھول لیا۔ تصویر کے ساتھ ہی دو کالمی خبر بھی تھی۔ وہ پڑھنے لگا۔

"گرلز کالج کی پروفیسر ثمینہ کا ابھی تک سراغ نہیں مل سکا۔

"پولیس کو شبہ ہے کہ ثمینہ موٹر مکینک یوسف کے قتل میں ملوث ہے۔"

ماجھا گجر کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ نام پڑھتے ہی اسے یاد آ گیا تھا کہ اس لڑکی کو اس نے کہاں دیکھا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے اس کے آدمی مرد کے بھیس میں پکڑ کر لائے تھے اور پھر وہ رات کو اکو کو قتل کر کے کوٹھی سے فرار ہو گئی تھی۔ چہرے میں ذرا سا فرق تھا اور یہ فرق غالباً ثمینہ کے کٹے ہوئے بالوں کی وجہ سے تھا لیکن ماجھے نے اسے پہچان لیا تھا وہ پوری خبر پڑھتا چلا گیا۔

اس خبر کے مطابق ثمینہ پہلی مرتبہ اس وقت پولیس کی نظروں میں آئی تھی جب پولیس نے منشیات کے ایک اڈے پر چھاپہ مارا تھا اور وہاں سے پولیس کو اس کا رجسٹر اور کتاب ملی تھی جس پر اس کا اپنا اور کالج کا نام لکھا ہوا تھا اس کے چند ہی روز بعد لاری اڈے پر ایک موٹر مکینک کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ تحقیقات کے بعد پولیس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ یوسف نامی مکینک کو شہر کے مشہور اور بدنام منشیات فروش نولکھا نے قتل کیا تھا اور شبہ ہے کہ ثمینہ بھی اس میں ملوث ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ دونوں پراسرار طور پر فیصل آباد سے غائب ہو گئے تھے۔ آخری اطلاع کے مطابق ثمینہ اور نولکھا کو آخری مرتبہ لاہور میں دیکھا گیا تھا۔ ثمینہ کے والد نے لاہور تھانے میں اس کے اغواء کی رپورٹ لکھوائی ہے لیکن پولیس ابھی تک ثمینہ کا سراغ نہیں لگا سکی۔ پولیس کو شبہ ہے کہ ثمینہ بعض دیگر سنگین جرائم میں بھی ملوث ہو سکتی ہے۔

خبر پڑھ کر ماجھا گجر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے اخبار میز پر رکھ دیا اور فیصل آباد سے آنے والے اپنے ایجنٹ غفورے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ کیا قصہ ہے غفورے؟" اس نے اخبار کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تو فیصل آباد کا بڑا مشہور کیس ہے استاد۔" غفورے نے جواب دیا۔ "پولیس نے جب نولکھے کے ڈیرے پر چھاپہ مارا تھا تو یہ استانی بھی وہاں موجود تھی لیکن بھاگ نکلی۔ اپنی کتاب اور رجسٹر وہیں بھول گئی تھی۔ جو بعد میں پولیس کے ہاتھ لگ گیا تھا پولیس نے اس استانی سے رابطہ قائم کیا تو اس نے بتایا کہ اس کی کتاب اور رجسٹر کسی تانگے میں رہ گیا تھا جو بعد میں شاید کسی ایسے آدمی کے ہاتھ لگ گیا تھا جس کا تعلق منشیات کے اس اڈے سے تھا۔"

"اس کے بعد چند ہی روز بعد نولکھا کے ڈیرے سے ملحق ورکشاپ کے مالک یوسف کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ پولیس نے ورکشاپ میں کام کرنے والے دو مستریوں اور ایک دو اور آدمیوں کو شبہے کی بناء پر حراست میں لیا تھا لیکن بعد میں یہ انکشاف ہوا کہ اس قتل میں نولکھا کا ہاتھ ہے۔ اس دوران پولیس نے ایک بار پھر استانی ثمینہ سے رابطہ قائم کیا تھا۔

اس کے فوراً ہی بعد استانی ثمینہ نے وہ مکان بدل لیا جہاں وہ پہلے رہتی تھی اس کے چند ہی روز بعد پولیس نے اس مکان کا بھی سراغ لگا لیا۔ اسی رات پولیس نے اس مکان پر چھاپہ مارا تو استانی لاپتہ ہو چکی تھی۔ اس رات نولکھا بھی غائب ہو گیا۔ وہ استانی یہیں لاہور ہی کی رہنے والی ہے۔ سنا ہے اس کے باپ نے ثمینہ کو نولکھا کے ساتھ دیکھ کر اس کے اغواء کی رپورٹ لکھوائی تھی لیکن پولیس ابھی تک اس کا پتہ نہیں لگا سکی فیصل آباد کے اخباروں میں تو روز ہی اس استانی کے بارے میں، کوئی نہ کوئی خبر چھپتی رہتی ہے۔"

"ہوں۔" ماجھا گجر کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر ایک جھٹکے سے اٹھ گیا اس نے اخبار بھی تہہ کر کے جیب میں ڈال لیا تھا۔ "آؤ.... میرے ساتھ آؤ....." اس نے غفورے کو اشارہ کیا۔

اخبار میں لاہور کے اس تھانے کا نام موجود تھا جہاں ثمینہ کے باپ نے اس کے اغواء کی رپورٹ لکھوائی تھی۔ اسے اس تھانے میں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی اور اتفاق سے اس تھانے کے ایس ایچ او انسپکٹر عثمان سے اس کے تعلقات بھی اچھے تھے۔ اس نے گاڑی تھانے کے سامنے روک لی اور نیچے اترنے کے بجائے گیٹ پر کھڑے ہوئے سنتری کو آواز دے کر بلا لیا۔

"انسپکٹر عثمان اپنے کمرے میں ہے یا نہیں؟"

"انسپکٹر صاحب بیٹھے ہیں جی۔" سنتری نے جواب دیا۔

"اس سے کہو ماجھا گجر بلا رہا ہے۔" ماجھا نے کہا۔

سنتری چند لمحے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر تھانے میں چلا گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد انسپکٹر عثمان تھانے سے باہر آ گیا۔ ماجھا گجر نے کار کا پسنجرز سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

"آؤ بیٹھو۔ ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"اندر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ بات مختصر ہو۔" انسپکٹر عثمان کار میں بیٹھ گیا۔

"چند روز پہلے تمہارے تھانے میں ثمینہ نام کی ایک لڑکی کے اغواء کی رپورٹ درج ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟" ماجھا گجر نے پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے!" انسپکٹر عثمان نے اسے گھورا۔

"جانتے ہو اسے اغواء کس نے کیا ہے؟"

"مطلب کی بات کرو۔" انسپکٹر بولا۔

"وہ لڑکی اغواء نہیں ہوئی۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "وہ فیصل آباد سے بھاگی ہوئی ہے اس کے ساتھ ایک ایسا شخص بھی ہے جو منشیات فروشی و بعض دیگر سنگین جرائم اور ایک آدمی کے قتل میں بھی پولیس کو مطلوب ہے۔"

"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو۔" انسپکٹر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"لو... یہ اخبار پڑھ لو۔" ماجھا گجر نے جیب سے اخبار نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور ساتھ ہی کار کی چھت والی بتی جلا دی۔

انسپکٹر عثمان اخبار کی وہ خبر پڑھنے لگا۔ اس نے ثمینہ کی تصویر کو بھی غور سے دیکھا تھا۔

"یہ نولکھا کون ہے اور تم اس سلسلے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟" انسپکٹر عثمان نے اخبار تہہ کرتے ہوئے کہا۔

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ تم پولیس والوں کا آپس ہی میں کوئی رابطہ نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ایسا کیس ہے کہ تمہارے تھانے اور فیصل آباد کے متعلقہ تھانے کو مل کر تفتیش کرنی چاہئے' اگر ایسا ہوتا تو اب تک مسئلہ حل ہو چکا ہوتا لیکن بہرحال میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ نولکھا کون ہے اور ثمینہ نام کی یہ استانی کہاں ہے۔"

"کیا واقعی؟ تم اسے کیسے جانتے ہو؟" انسپکٹر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اس لڑکی کو تو میں نہیں جانتا لیکن نولکھے کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ اپنی ہی برادری کا ہے نا۔ تم اگر چاہو تو میں نولکھے کے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کہاں ملے گا۔ اس سے تم اس لڑکی کے بارے میں بھی پوچھ سکتے ہو لیکن وہ لڑکی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی۔"

"کیوں؟" انسپکٹر عثمان نے اسے گھورا۔

"اس لئے کہ یہ لڑکی شارق کے پاس ہے۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔

"شارق!" انسپکٹر چونک گیا۔

"پچھلے دنوں شارق بھی فیصل آباد گیا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے اس لڑکی سے وہیں پر اس کا کوئی تعلق ہوا ہو۔ وہ لڑکی آج کل شارق کے ساتھ دیکھی جا رہی ہے۔ لیکن بدلے ہوئے روپ میں۔"

"میرا مطلب ہے مرد کے روپ میں۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔

"نولکھا کہاں ہے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"مزنگ میں۔ شارق کے ڈیرے پر۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "اگر تم نولکھا کو پکڑ لو تو نہ صرف فیصل آباد کے موٹر مکینک کے قتل کا معاملہ حل ہو جائے گا بلکہ ثمینہ والا کیس اور بہت سے دیگر مسائل بھی حل ہو جائیں گے۔"

"ہوں۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "میں دیکھتا ہوں اب وہ میرے ہاتھوں سے کیسے بچ کر نکلتا ہے۔"

"علاقے میں میرے آدمیوں کا خیال رکھنا۔" ماجھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"فکر مت کرو۔ تمہارے آدمیوں کی طرف کوئی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔"

"ایک بات اور۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "ثمینہ کے باپ نے تمہارے تھانے میں اس کے اغواء کی رپورٹ لکھوائی تھی اس کا پتہ تو ہو گا تمہارے پاس۔ میں اس کے باپ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"وہ چوبرجی کوارٹرز میں رہتا ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "شفاعت علی اس کا نام ہے۔ کالونی میں اس کا پتہ چل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ماجھے گجر نے کہا۔ "میں نے تمہیں بہت کچھ بتا دیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔"

"فکر مت کرو۔ تمہیں جلد ہی پتہ چل جائے گا۔" انسپکٹر کہتے ہوئے گاڑی سے اتر گیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ماجھے نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

ماجھا گجر کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا اس نے انسپکٹر عثمان کو ایک ٹپ دے دی تھی اگر وہ نولکھے کو گرفت میں لینے میں کامیاب ہو گیا تو اس طرح شارق کے لئے بھی بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ پولیس کو جب یہ یقین ہو جائے گا کہ فیصل آباد کی مفرور اور لاہو سے اغواء ہونے والی ثمینہ شارق کے پاس ہے تو پولیس اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی اور اسے چین سے بیٹھنے کا موقع نہیں ملے گا۔

لیکن دوسری طرف ماجھا' انسپکٹر عثمان کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ پولیس میں آکر اس نے یہ پیسہ بنایا تھا۔ وہ پولیس میں شاید آیا ہی پیسہ بنانے کے لئے تھا۔ ماجھے کو اندیشہ تھا کہ انسپکٹر عثمان کہیں شارق کے چکر میں نہ آجائے اور بات مک مکا پر ختم نہ ہو جائے۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ دو تین روز پہلے ہی شارق نولکھا کے بہنوئی کو اسی تھانے سے چھڑا کر لے گیا تھا۔ اگر اسے اس بات کا علم ہوتا تو شاید وہ انسپکٹر عثمان کو یہ ٹپ نہ دیتا۔

ماجھا گجر رات ایک بجے اپنی کوٹھی واپس آیا تھا وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ آتے ہی سو گیا تھا۔ آٹھ بجے اس کی آنکھ کھلی۔ شہر میں رہتے ہوئے اسے بھی بیڈ ٹی کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ جیسے ہی بیدار ہوا اچھو نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"ناشتہ میں خود ہی کر لوں گا تم ذرا کہیں سے پتہ کر کے آؤ کہ انسپکٹر عثمان نے رات کو کوئی کارروائی کی تھی یا نہیں؟" ماجھے نے سائیڈ ٹیبل سے کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

اچھو اسی وقت کوٹھی سے رخصت ہو گیا۔

اچھو کی واپسی تقریباً گیارہ بجے ہوئی تھی۔ اس نے جو اطلاع دی وہ ماجھے کی توقع کے عین مطابق تھی۔

"انسپکٹر عثمان نے رات کو شارق کے ڈیرے پر چھاپہ مارا تھا۔ لیکن وہاں سے اسے نہ تو کوئی چیز ملی اور نہ ہی نولکھا پکڑا گیا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا خیال درست ہی نکلا۔" ماجھے نے کہا۔ "اب جو کچھ بھی کرنا ہے مجھے خود ہی کرنا ہو گا۔ اس کی علاوہ کوئی اور بات معلوم ہوئی؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے اچھو کی طرف دیکھا۔

"رات کو شارق کے ڈیرے والی گلی کے باہر بوری میں بند حفیظ کی لاش پولیس کو مل گئی تھی۔ لیکن مقامی پولیس نے ڈیرے والوں یا کسی اور کے خلاف کارروائی نہیں کی بلکہ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس شخص کو کہیں اور قتل کر کے لاش یہاں پھینکی گئی ہے۔" اچھو نے بتایا۔

"ڈیرے والوں کو پتہ تو چل گیا ہو گا کہ لاش کس کی ہے؟" ماجھے نے پوچھا۔

"ہاں یہ تو انہیں پتہ چل ہی گیا ہو گا۔" اچھو نے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔" ماجھا گجر نے سر ہلا دیا۔

دو دن اور گزر گئے شارق اور ثمینہ کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اور پھر مزے کی بات یہ تھی کہ نولکھا بھی غائب ہو گیا تھا اور پھر اس سے اگلی رات ماجھا گجر کو اطلاع ملی کہ نہ صرف نولکھا بلکہ ثمینہ اور شارق بھی مزنگ والے ڈیرے میں موجود ہیں۔ ماجھا گجر فوراً ہی حرکت میں آگیا۔

اس نے سوچا تھا کہ پولیس کو ساتھ لے لیا جائے لیکن پھر یہ خیال ذہن سے نکال دیا اور خود ہی ان کے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر چھ خونخوار قسم کے آدمی ماجھا گجر کی نہر والی کوٹھی میں جمع ہو چکے تھے۔ وہ سب صرف منشیات فروش ہی نہیں تھے بلکہ وہ سفاک اور بے رحم قاتل بھی تھے کسی انسان کی زندگی ان کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔

پندرہ منٹ بعد وہ لوگ کوٹھی سے روانہ ہو گئے۔ مزنگ پہنچنے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگی تھی دو دو کی ٹولیوں میں انہوں نے تین اطراف سے شارق کے ڈیرے کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ ماجھا گجر کا خیال تھا کہ وہ اس طرح اچانک ڈیرے کو گھیرے میں لے کر ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ لیکن جب سامنے سے پہلی گولی چلی تو اسے چونک جانا پڑا اس مزاحمت کا مطلب تھا کہ وہ لوگ بے خبر نہیں تھے۔

ماجھا گجر اور اس کے آدمیوں کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا تقریباً آدھے گھنٹے تک دونوں طرف سے زبردست فائرنگ ہوتی رہی۔ اس دوران ڈیرے سے ایک آدمی کی چیخ سنائی دی تھی۔ اور پھر ڈیرے کی طرف سے یکایک فائرنگ بند ہو گئی۔ ماجھے نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر اپنے آدمیوں کو لے کر ڈیرے میں گھس گیا۔

انہیں ایک تانگے کے قریب کوچوان سراج کی لاش ملی تھی۔ اس کے سر میں گولی لگی تھی جس سے کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ ماجھا اور اس کے آدمی پورے ڈیرے میں پھیل گئے لیکن انہیں نہ تو کوئی اور لاش ملی اور نہ ہی کوئی زندہ آدمی ہاتھ لگا۔

"ہو سکتا ہے شارق اور اس کے ساتھی ہماری اطلاع پا کر پہلے ہی سے بھاگ گئے ہوں اور یہاں صرف یہی ایک آدمی ہو۔" اچھو نے سراج کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"پاگلوں والی بات مت کرو۔" ماجھا گجر غرایا۔ "تین چار آدمی مختلف سمتوں سے فائرنگ کر رہے تھے۔ تلاش کرو انہیں۔ وہ لوگ باہر نہیں جا سکتے۔ یہیں کہیں ہوں گے۔"

طویلہ خاصا وسیع و عریض تھا۔ تیس پینتیس تانگے کھڑے تھے۔ جن میں کچھ ناکارہ بھی تھے۔ ماجھے کے آدمی ان تانگوں کے پیچھے اور تاریک گوشوں میں انہیں تلاش کرتے رہے۔ لیکن کہیں بھی کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آئے۔

ماجھے نے تینوں کمرے بھی دیکھ لئے تھے۔ وہاں کوئی آدمی تو کیا بلی کا بچہ تک نہیں ملا تھا۔ اور کسی قسم کا مال بھی نظر نہیں آیا تھا۔ آخر میں ماجھا گجر مزار کی طرف آگیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر سو واٹ کا ایک بلب جل رہا تھا۔ ماجھے نے سنگ مرمر کی قبر کی طرف دیکھا اور پھر ادھر ادھر

دیکھنے لگا۔ مزار میں آمد و رفت کا یہی ایک دروازہ تھا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ قبر کے قریب کھڑا سوچ رہا تھا کہ وہ لوگ کہاں غائب ہو گئے کہ اچھو دوڑتا ہوا اندر آ گیا۔

"استاد! نکل چلو پولیس آ رہی ہے۔" اچھو نے کہا۔

ماجھا گجر مزار سے باہر آ گیا۔ فضا میں پولیس سائرن کی آواز سنائی دے رہی تھی اور پھر وہ اپنے ساتھیوں کو پکارتا ہوا ایک طرف بھاگ نکلا۔

○

ثمینہ مزار کے تہہ خانے میں کھڑی حیرت سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

"یہ.... یہ سب کیا ہے؟" اس نے عجیب سی نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے یہ شہر جہنم بنا ہوا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "یہ اسلحہ اور یہ ہیروئن ہی وہ چیزیں ہیں جس کی تجارت پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے ماجھا گجر اور اس جیسے کئی آدمی قتل و غارت کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔ انہی چیزوں کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوا ہے۔ جرائم میں اضافہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اگر پولیس ان دو چیزوں پر قابو پا لے تو ہمارے معاشرے سے اسی فیصد جرائم ختم ہو سکتے ہیں۔ لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے یہ قانون کے محافظ بھی معاشرے کو جرائم سے پاک نہیں کرنا چاہتے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ اگر جرائم ختم ہو جائیں تو پولیس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ یہ جو تم اسلحہ کی پیٹیاں اور ہیروئن کے پیکٹ دیکھ رہی ہو نا ان کی مالیت بھی کروڑوں روپے ہے۔ اگر یہ سارا مال پولیس کے قبضہ میں آ جائے تو آدھے سے زیادہ مال یہ پولیس والے ہی غائب کر جائیں گے۔"

"باہر فائرنگ ہو رہی ہے۔" ثمینہ نے فائرنگ کی آواز سن کر کہا۔ تہہ خانے میں ہونے کے باوجود فائرنگ کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں جیسے محاذ کھل گیا ہو۔ اس کا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا وہ سوچ رہی تھی کہ اگر ماجھا گجر اور اس کے آدمی تہہ خانے میں آ گئے تو ان کے جسم گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔

"ڈرو نہیں۔" شارق اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کی دلی کیفیت سمجھ گیا۔ "اس تہہ خانے کا راستہ صرف مجھے معلوم ہے یا گامے کو.... اول تو گاما کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا اور اگر وہ پکڑا بھی گیا تو اپنی جان دے دے گا مگر اس تہہ خانے کا راز وہ کسی کو نہیں بتائے گا۔"

شارق اسے تسلی دیتا رہا لیکن ثمینہ پھر بھی ڈرتی رہی۔ فائرنگ کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔ پھر فائرنگ بند ہو گئی اور اس کے کچھ ہی دیر بعد اپنے سر پر قدموں کی دھمک سنائی

دینے لگی۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اوپر مزار میں کوئی موجود ہے۔ وہ ایک بار پھر یہ سوچ کر کانپ اٹھی کہ اگر کسی نے تہہ خانے کا راستہ دریافت کر لیا تو وہ دونوں زندہ نہیں بچ سکیں گے۔

اوپر جو کوئی بھی تھا تھوڑی ہی دیر بعد مزار سے باہر نکل گیا۔ چند منٹ گزر گئے پھر شارق نے ثمینہ کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور دبے قدموں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر وہ رک گیا۔ پہلے کسی قسم کی آوازیں سننے کی کوشش کرتا رہا پھر اس نے میکنزم پر ہاتھ رکھ دیا۔ قبر کا ڈھکنا بہت آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔ ڈھکنا تقریباً آدھا انچ اوپر اٹھا تھا کہ شارق نے میکنزم سے ہاتھ ہٹا لیا۔

باہر احاطے میں اگرچہ خاموشی تھی لیکن پولیس کے سائرن کی آواز سن کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا پولیس کی کوئی گاڑی احاطے کے باہر آ کر رکی تھی اور سائرن کی آواز دم توڑ رہی تھی شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ پولیس سائرن کی آواز سن کر ہی ماجھا گجر اور اس کے آدمی بھاگ گئے ہوں گے۔ وہ نولکھا اور گامے کے بارے میں سوچنے لگا۔ ان کا انجام کیا ہوا ہو گا کیا وہ لوگ بھی فرار ہو گئے تھے یا ان میں سے کوئی ایک یا دونوں مارے گئے تھے۔

گیٹ کے اندر کی طرف بھاری قدموں کی آواز سن کر وہ چونک گیا قبر کے تعویذ میں آدھا انچ کے قریب جھری تھی ظاہر ہے وہ اس جھری سے مزار کے باہر کا منظر تو نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن آوازیں سن سکتا تھا۔

وہ پولیس والے تھے جو دوڑتے ہوئے احاطے میں چاروں طرف پھیل رہے تھے۔ ایک آواز بلند چیخ کر انہیں احکامات جاری کر رہی تھی وہ غالباً اس پولیس پارٹی کا انچارج تھا جو اپنے ماتحتوں کو مختلف ہدایات دے رہا تھا۔

"سر جی! یہ ایک لاش پڑی ہے۔" ایک اور آواز سن کر شارق چونک گیا۔

"دیکھو! ادھر ادھر ہر طرف کوئی اور لاش بھی ملے گی۔" انچارج نے چیخ کر کہا۔ "یہ درندے جب آپس میں لڑتے ہیں تو ایک آدھ لاش پر اکتفا نہیں کرتے.... ویسے یہ کس کی لاش ہے؟"

"یہ سراج ہے سر جی! تانگے والا۔" دوسری آواز نے جواب دیا۔ "اس کے سر میں گولی لگی ہے۔"

شارق چونک گیا۔

"اوئے فضل دین.... اس مزار کے اندر جا کر دیکھو۔" پولیس پارٹی کے انچارج کی آواز سنائی

ل۔

شارق نے ایک دم میکنزم کا سوئچ آف کر دیا قبر کا تعویذ آہستگی سے اپنی جگہ پر فٹ ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد مزار کے اندر قدموں کی آواز سنائی دی وہ ایک نہیں دو آدمیوں کے قدموں کی آوازیں تھیں۔

"یہاں تو کچھ نہیں ہے۔" ایک آواز نے کہا۔ "یہ لوگ قبروں اور مزاروں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ ایسی ہی جگہوں پر انہوں نے منشیات کے اڈے قائم کر رکھے ہیں۔"

"قصور تو ہمارے افسروں کا ہے۔" دوسری آواز سنائی دی۔ "اگر وہ لوگ ان لوگوں کو ڈھیل نہ دیں تو ان کے پیر کہیں بھی نہ ٹک سکیں۔ یہ لوگ یا تو شہر اور ملک چھوڑ کر بھاگ جائیں یا سیدھے راستے پر آ جائیں۔ چلو باہر نکلو۔ یہاں کچھ نہیں ہے۔"

وہ لوگ باہر چلے گئے۔ شارق نے ایک بار پھر قبر کے تعویذ میں ذرا سی جھری پیدا کر لی اور باہر کی آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔

پولیس والے تقریباً ایک گھنٹے تک احاطے میں رہے۔ ان کی باتوں سے شارق نے اندازہ لگا لیا تھا کہ صرف سراج کوچوان ہی مارا گیا تھا' اس کی لاش کے علاوہ پولیس کو وہاں سے اور کچھ نہیں ملا تھا۔

"شارق کا تو بڑا ٹیکا ہے۔ سنا ہے کہ اس کے پاس بیک وقت ڈھائی تین من ہیروئن اور بڑی مقدار میں اسلحہ مل سکتا ہے۔ لیکن یہاں تو ہیروئن کی ایک پڑیا بھی نہیں ملی اور اسلحہ کی بڑی مقدار تو کیا ایک گولی تک کہیں پڑی نظر نہیں آئی۔" یہ غالباً پولیس پارٹی کے انچارج کی آواز تھی۔

"یہ لوگ مال ایسی جگہوں پر نہیں رکھتے سر جی! جہاں ہر وقت چھاپے کا خطرہ ہو۔" دوسری آواز نے کہا۔ "ایک دو دن بعد ان کو اپنے اڈے پر آنے دیں پھر کسی فرضی گاہک کو بھیج کر آزما لیں۔ جتنی ہیروئن اور جتنا اسلحہ چاہیں گے آپ کو مل جائے گا۔"

"لاش کو اٹھوا کر ہسپتال بھجوا دو اور دو آدمی یہاں چھوڑ دو۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ لوگ پولیس کے واپس جانے کے بعد رات ہی کو واپس آ جائیں گے۔ اپنے آدمیوں کو حکم دے دینا کہ جو بھی اس احاطے میں داخل ہونے کی کوشش کرے اسے گولی سے اڑا دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے سر جی۔" دوسری آواز نے کہا۔

شارق نے قبر کا تعویذ بند کر دیا اور سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا۔ ثمینہ ایک پیٹی پر بیٹھی ہوئی تھی اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات اب بھی نمایاں تھے۔

"کیا ہوا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"کوچوان سراج مارا گیا ہے۔ نوکھا اور گاما کہیں نکل گئے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "پولیس سراج کی لاش اٹھوا کر لے گئی ہے۔ لیکن دو پولیس والے احاطے کی نگرانی کے لئے تعینات کر دیئے گئے ہیں اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ احاطے میں جس کسی کو بھی دیکھیں گولی سے اڑا دیں۔"

"اب کیا ہو گا؟" ثمینہ نے متوحش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا ہم اس تہہ خانے میں قید ہو کر رہ جائیں گے؟"

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔ "لیکن ہمیں چند گھنٹے انتظار کرنا پڑے گا۔"

شارق بھی لکڑی کی ایک پیٹی پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ بیٹھے باتیں کرتے رہے اور وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ ثمینہ کبھی اٹھ کر تہہ خانے میں ٹہلنے لگتی اور کبھی بیٹھ جاتی۔ شارق کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ شارق نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی تین بج رہے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"تم یہیں بیٹھو۔ میں اوپر جا کر دیکھتا ہوں۔ اگر پولیس والے آس پاس موجود نہ ہوں تو ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔"

"آس پاس موجود نہ ہوں کا کیا مطلب؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "انہیں احاطے کی نگرانی کے لئے چھوڑا گیا ہے وہ اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر کہیں گھومنے کے لئے تو نہیں چلے جائیں گے۔"

"وہ گیٹ کی طرف ہوں گے۔" شارق نے کہا۔ "میں دیکھتا ہوں۔"

شارق دبے قدموں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر وہ رکا۔ چند لمحے کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا پھر اس نے میکنزم والے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ قبر کا تعویذ ڈھکنے کی طرح آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔

قبر کا ڈھکنا پوری طرح اوپر اٹھ گیا تھا۔ شارق قبر سے باہر آ گیا اور دبے قدموں چلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ مزار کے اندر بتی جل رہی تھی۔ پہلے شارق نے سوچا کہ بتی بجھا دی جائے لیکن پھر یہ خیال ذہن سے نکال دیا کیونکہ مزار کی روشنی اوپر والی روشندان نما جالیوں کے سے دیکھی جا سکتی تھی۔ بتی بجھ جانے سے شبہ ہو سکتا تھا۔

وہ دبے قدموں چلتا ہوا دروازے کے قریب آ گیا۔ دروازے کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا۔ اس نے گردن نکال کر باہر جھانکا۔ کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ آہستگی سے باہر نکل آیا اور تاریکی میں دبے قدموں چلتا ہوا ایک طرف بڑھنے لگا۔

ایک جگہ وہ تانگے کی آڑ میں رک گیا اور جھانک کر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ دونوں

پولیس والے پھاٹک کے پاس لکڑی کے ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

شارق چند لمحے وہاں کھڑا رہا پھر دبے قدموں چلتا ہوا مزار میں واپس آ گیا۔

"ثمینہ!" اس نے قبر میں جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "اوپر آ جاؤ۔"

چند سیکنڈ بعد ثمینہ بھی قبر سے نکل کر اس کے پاس پہنچ چکی تھی۔ شارق نے سوئچ بورڈ پر میکنزم کے بٹن پر ہاتھ رکھ کر قبر بند کر دی اور ثمینہ کے ساتھ مزار سے باہر آ گیا۔ مزار سے باہر نکلتے ہی وہ بائیں طرف مڑ گئے اس طرف تاریکی تھی۔ شارق نے ثمینہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ ثمینہ کا پیر ایک خالی ڈبے سے ٹکرا گیا۔ ڈبہ لڑھک گیا۔ سناٹے میں ڈبے کے لڑھکنے کی آواز دور تک پھیل گئی تھی۔

"اس طرف... جلدی چلو۔" شارق نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور ثمینہ کو ایک طرف کھینچنے لگا۔

اس لمحہ پھاٹک کی طرف سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ ایک پولیس والا تیزی سے اس طرف آ رہا تھا۔ شارق ثمینہ کا ہاتھ پکڑے اسے تیزی سے کھینچتا ہوا دیوار کے قریب پہنچ گیا۔

"کون ہے اوئے ادھر... سامنے آ جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

پولیس والے کی آواز تاریکی میں گونجی۔ شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ دیکھے بغیر گولی مار دینے والی بات بھی خاصی دلچسپ تھی وہ ثمینہ کو لے کر دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

اچانک وہ رک گئے۔ پولیس والا مزار کے اوپر سے گھوم کر اس طرف آ گیا تھا۔ شارق اور ثمینہ سانس روکے دیوار کے ساتھ چپکے کھڑے تھے پولیس والا چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ شارق نے سفید شرٹ پہن رکھی تھی اور اندیشہ تھا کہ پولیس والا اسے دیکھ نہ لے۔

پولیس والا چند لمحے وہاں کھڑا رہا اور پھر مزار کی طرف چل پڑا۔ شارق دیوار کے ساتھ چند قدم اور آگے بڑھ گیا اور جھک کر دیوار کے ساتھ کچھ ٹٹولنے لگا۔ بالآخر اسے وہ خفیہ میکنزم مل گیا جس سے اس دیوار میں خفیہ راستہ کھل جاتا تھا۔

دیوار کا ایک حصہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے سرکنے لگا۔ ثمینہ اس سے چند قدم دور دیوار کی ساتھ ہنکی کھڑی تھی۔ شارق نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"آگے آؤ ثمینہ۔ ہمیں یہاں سے نکلنے کا راستہ مل گیا ہے۔" شارق نے سرگوشی کی۔ ثمینہ آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

"اوئے..... رک جاؤ.... کون ہے ادھر۔"

دفعتاً" ایک آواز سناٹے میں گونجی اور ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ پولیس والا تھا جو مزار کے اوپر سے گھوم کر دوسری طرف سے سامنے آ گیا تھا اور اس نے ثمینہ اور شارق کو دیکھ لیا تھا۔

"بھاگو ثمینہ۔ جلدی۔" شارق نے تیز لہجے میں سرگوشی کی۔

ثمینہ نے شارق کی طرف چھلانگ لگا دی اسی لمحہ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ پولیس والے نے گولی چلا دی تھی جو ثمینہ سے تقریباً ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر دیوار میں لگی۔ ثمینہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ شارق نے لپک کر ثمینہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچتا ہوا دیوار کے خلا میں گھس گیا دیوار کا خلا آہستہ آہستہ بند ہونے لگا۔ اسی لمحہ ایک اور فائر ہوا گولی باہر دیوار ہی پر کسی جگہ لگی تھی۔

ثمینہ گہری تاریکی میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک بڑھ گئی تھی اور سانس اس طرح پھولا ہوا تھا جیسے میلوں دور سے بھاگتی ہوئی آئی ہو۔ وہ بال بال بچی تھی۔ اگر ایک ڈیڑھ فٹ پیچھے ہوتی تو گولی دیوار میں لگنے کے بجائے اس کے سینے میں لگتی اس کا ایک ہاتھ شارق نے تھام رکھا تھا۔ جسے وہ بار بار آہستہ آہستہ دبا رہا تھا۔

"ڈرو نہیں۔ اب ہم محفوظ ہیں۔" شارق نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

اسی لمحہ باہر سے باتوں کی مدھم سی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ دوسرا پولیس والا بھی فائرنگ کی آواز سن کر وہاں آ گیا تھا۔

"میں نے انہیں یہیں دیکھا تھا۔" ایک پولیس والا کہہ رہا تھا۔ "وہ دو تھے اور دیوار کے ساتھ ساتھ اس طرف جا رہے تھے ان میں ایک عورت تھی جو چیخی بھی تھی لیکن پتہ نہیں وہ اچانک کہاں غائب ہو گئے۔"

"تمہارا وہم ہو گا۔" دوسرے پولیس والے نے جواب دیا۔ "یہاں سے وہ کہاں جا سکتے ہیں وہ ہوا میں تو تحلیل نہیں ہو سکتے۔"

"میں نے خود انہیں دیکھا تھا اور ان پر گولی بھی چلائی تھی۔ وہ عورت چیخی تھی۔ چیخ کی آواز تم نے بھی سنی ہو گی۔" پہلے پولیس والے نے کہا۔

"میں چیخ کی نہیں فائر کی آواز سن کر اس طرف آیا تھا۔" دوسری آواز نے کہا۔ "لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہاں کوئی موجود تھا تو وہ آئے کہاں سے تھے۔ پھاٹک پر تو ہم دونوں موجود تھے۔

"ممکن ہے وہ پہلے ہی سے یہاں کہیں چھپے ہوئے ہوں اور موقع پا کر نکلنے کی کوشش کی ہو۔" پہلے پولیس والے نے کہا۔

"پورے طویلے کی تلاشی لی گئی تھی۔ ایک ایک کونا دیکھا گیا تھا۔ ایک لاش کے علاوہ یہاں اور کچھ نہیں ملا تھا پھر وہ لوگ کہاں سے آ جائیں گے۔" دوسرے نے کہا۔

"لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ یہاں موجود تھے۔" پہلے نے کہا۔

"شاید ساری رات جاگنے کی وجہ سے تمہارے دماغ پر اثر ہوا ہے۔ چلو چھوڑو۔ یہاں کچھ نہیں ہے۔" دوسرے نے کہا۔

اور پھر خاموشی چھا گئی۔ پولیس والے شاید واپس چلے گئے تھے۔ تاریک سی ایک سرنگ میں ثمینہ کا سانس گھٹنے لگا تھا۔ شارق اس کا ہاتھ پکڑے آہستہ آہستہ ایک طرف سرکنے لگ اور بالآخر ایک جگہ رک گیا اور دیوار کو ٹٹولنے لگا۔

دیوار کا بیرونی حصہ شق ہو گیا۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا ثمینہ کے چہرے سے ٹکرایا اور اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

وہ ایک گلی میں آ گئے تھے۔ دیوار ہموار ہو گئی تھی۔ شارق ثمینہ کا ہاتھ پکڑے تیز تیز قدموں سے تاریک گلی میں چلنے لگا۔ ثمینہ کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ پہلے مزار کے نیچے وہ تہہ خانہ جس میں اسلحہ اور ہیروئن کے انبار لگے ہوئے تھے اور پھر دیوار میں یہ خفیہ راستہ۔

ان چیزوں سے اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ان لوگوں کے وسائل بہت وسیع تھے اور ایسے لوگوں پر قابو پانا واقعی پولیس کے بس کی بات نہیں تھی۔ لیکن وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اگر پولیس دیانتداری سے کام لے تو ایسے لوگوں کا خاتمہ کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

وہ مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے ایک مکان کے سامنے رک گئے۔ یہ ماسی مہراں کا مکان تھا دستک کے جواب میں دروازہ کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ شارق کی توقع کے عین مطابق نولکھا اور گاما بھی یہاں موجود تھے۔

"ہم پریشان ہو رہے تھے کہ تم لوگ پتہ نہیں کہاں پھنس گئے ہو۔" نولکھا نے کہا۔

"ہم تو محفوظ تھے لیکن سراج بیچارہ مارا گیا ہے۔" شارق نے کہا۔

"سراج کو گولی لگنے کی بعد ہی تو ہم لوگ وہاں سے نکل آئے تھے۔ لیکن مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم ان کا ایک بندہ بھی نہیں گرا سکے۔" گاما نے کہا۔

"فکر مت کرو.... ایک کے بدلے میں ہم ان کے دو آدمی ڈھیر کریں گے۔" شارق بولا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ماجھا گجر کو ڈیرے میں تمہاری موجودگی کا پتہ کیسے چلا؟"

نولکھا نے کہا۔

"پے در پے نقصان اٹھانے سے وہ پاگل ہو گیا ہے۔ اس کے آدمی پورے شہر میں ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ہمارے اس ڈیرے کی بھی نگرانی کی جاتی رہی ہو گی۔ ہمیں آتے دیکھ کر مخبر نے اسے ہماری موجودگی کی اطلاع دے دی اور وہ ہم پر چڑھ دوڑا۔ لیکن شارق پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان تو نہیں ہے۔ بہرحال' اسے اپنی اس کارروائی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"دیکھ لیں گے شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "اگر ماجھا گجر ہم پر اٹیک کر سکتا ہے تو ہم نے بھی تو چوڑیاں نہیں پہن رکھیں نا۔ دیکھ لیں گے ان کو۔"

"میرا خیال ہے ایک دو دن آرام سے گزر جائیں تو ہمیں اپنا مال وہاں سے ہٹانا ہو گا۔" شارق نے کہا۔

"کیوں شارق باؤ۔ مال کو کوئی خطرہ ہو گیا؟" گاما نے چونک کر پوچھا۔

"فی الحال تو نہیں لیکن خطرہ بڑھ رہا ہے اور اس سے پہلے کہ اس تہہ خانے کا راز کھل جائے ہمیں وہ جگہ خالی کر دینی ہو گی کوئی اور جگہ دیکھنی پڑے گی۔" شارق نے جواب دیا۔ "پولیس بھی اب بار بار اس طرف آنے لگی ہے تھانیدار کو ایک لاکھ روپے مہینہ دینے کے باوجود ہمارے خلاف کسی بھی وقت کوئی کارروائی ہو سکتی ہے۔"

"ایک بات بتانا تو میں بھول ہی گیا تھا شارق باؤ۔" گامے نے کہا۔ "دو تین دن پہلے بھی انسپکٹر عثمان پولیس پارٹی لے کر آیا تھا۔ اسے نولکھا کی تلاش تھی اتفاق سے نولکھا دو تین منٹ پہلے ہی ڈیرے سے نکل کر گیا تھا۔

"انسپکٹر عثمان۔" شارق چونک گیا۔

"ہاں۔" گاما نے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ نولکھا فیصل آباد میں کسی موٹر مکینک کے قتل میں ملوث ہے ثمینہ بھی اس کیس میں ملوث ہو سکتی ہے اور ثمینہ کے باپ نے ثمینہ کے اغواء کے سلسلے میں جو رپورٹ لکھوا رکھی ہے اس سلسلے میں بھی پولیس کو نولکھا کی تلاش ہے۔"

"انسپکٹر عثمان کو کیسے پتہ چلا کہ نولکھا یہاں ہو سکتا ہے۔" شارق بولا۔

"میرا خیال ہے پولیس کو یہ اطلاع بھی ماجھا گجر کے ذریعے ہی ملی ہو گی۔" گاما نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پھر بولا۔ "اسی رات دو بجے پولیس کو گلی کے باہر بوری میں بند ایک آدمی کی لاش ملی تھی جسے تشدد کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا۔ میں نے تھانے جا کر وہ لاش دیکھی تھی وہ حفیظ کی لاش تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اسے بھی ماجھا گجر نے قتل کر کے لاش ہمارے اڈے کے

قریب پھٹکوا دی ہو گی۔ تاکہ کسی نہ کسی طرح ہمیں پھنسا دے۔"

"وہ جو کچھ بھی کرتا رہے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔" شارق نے کہا۔

اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے ثمینہ کرسی پر بیٹھی کچھ دیر تک تو ان کی باتیں سنتی رہی پھر اونگھنے لگی شارق نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کی اپنی آنکھوں میں بھی جلن ہو رہی تھی۔ ویسے اسے ترس آ رہا تھا ثمینہ پر۔ شریف گھرانے کی پڑھی لکھی لڑکی محض اس کی وجہ سے مصائب کا شکار ہوئی تھی۔ اچھی خاصی پرسکون زندگی چھوڑ کر وہ جرائم پیشہ لوگوں میں گھر گئی تھی۔

"مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ اب تھوڑی دیر سو لینا چاہئے۔" شارق نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ اس وقت بیٹھک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرش پر سرخ رنگ کی دری بچھی ہوئی تھی شارق اور ثمینہ کے آنے سے پہلے نولکھا اور گاما اسی دری پر لیٹے ہوئے تھے شارق نے ثمینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلکا سا جھٹکا دیا۔ ثمینہ گڑبڑا کر اٹھ گئی۔

"اندر جا کر سو جاؤ۔ چلو میں تمہیں کمرے میں چھوڑ آؤں۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ کرسی سے اٹھ گئی۔ شارق اسے ماسی مہراں والے کمرے میں لے آیا۔ اس کمرے میں دو چارپائیاں تھیں۔ ایک پر ماسی مہراں سو رہی تھی اور دوسری خالی پڑی تھی شارق نے دروازے ہی میں کھڑے کھڑے خالی چارپائی کی طرف اشارہ کر دیا۔ ثمینہ آگے بڑھ کر چارپائی پر ڈھیر ہو گئی۔ شارق دوبارہ بیٹھک میں آ گیا جہاں نولکھا اور گاما دری پر لیٹ چکے تھے شارق بھی ان کے ساتھ ہی لیٹ گیا۔ اور کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

شارق کی آنکھ صبح نو بجے کے لگ بھگ کھلی تھی۔ گاما سو رہا تھا اور نولکھا جاگ چکا تھا۔ شارق اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ ماسی مہراں باورچی خانے میں تھی۔ شارق نے ماسی مہراں والے کمرے میں جا کر جھانکا۔ ثمینہ جاگ چکی تھی لیکن بستر پر لیٹی ہوئی تھی شارق کو دیکھ کر بھی اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔

دس بجے کے لگ بھگ وہ سب اکٹھے ہی بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ ناشتہ کے بعد ماسی مہراں تو گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی اور یہ لوگ بیٹھک ہی میں بیٹھے پروگرام بنانے لگے۔ نولکھے کا خیال تھا کہ انہیں آج ہی رات ماجھا گجر کے خلاف کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کرنی چاہئے تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ ڈر کر چھپ گئے ہیں۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ گجر پر براہ راست ہاتھ ڈالنے کے بجائے پہلے اس کے حواریوں پر

ہاتھ ڈالنا چاہئے اس کے چار چھ آدمیوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد ماجھے گجر پر ہاتھ ڈالنا چاہئے۔" گامے نے کہا۔

"ملتان روڈ والی حویلی میں کون ہے؟" شارق نے گاما سے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں۔" گاما نے جواب دیا۔

"آج رات یہاں سے نکلو اور راجے کو وہاں بھیج دو اس سے کہنا کہ صفائی وغیرہ کر دے اور کچھ راشن بھی ڈال لے۔ ہم لوگ ایک دو دن میں وہاں آئیں گے۔" شارق نے کہا۔

"تو کیا مال وہاں منتقل کرنے کا ارادہ ہے؟" گامے نے پوچھا۔

"نہیں۔ مال کے لئے وہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔ ہم اس جگہ سے کوئی اور کام لیں گے۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ سارا دن اسی طرح گزر گیا شام کا اندھیرا پھیلتے ہی گاما صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے باہر نکل گیا۔ اس نے چادر اس طرح اوڑھ رکھی تھی کہ چہرہ بھی چھپ گیا تھا۔ وہ گلیوں میں گھومتا ہوا مزنگ چوک کی طرف نکل آیا۔ کچھ دیر تک چوک پر ادھر ادھر گھومتا رہا پھر اس گلی کی طرف آ گیا جس میں لاتعداد ورکشاپ تھے۔ ان کے احاطے کا پھاٹک بھی اس گلی میں تھا۔

چوک پر بھی رونق تھی اور گلیوں میں بھی ساری دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ گلی میں بہت سے ورکشاپ بھی کھلے ہوئے تھے۔ جن میں کام ہو رہا تھا۔ گاما گلی کے موڑ پر رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد گلی سے ایک لڑکا آتا ہوا نظر آیا۔ بارہ تیرہ سال کی عمر کا وہ لڑکا احاطے کے پھاٹک کے ساتھ والے ورکشاپ میں کام کرتا تھا۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچا گامے نے اسے روک لیا۔

"اوئے ندیم! بات سن ذرا۔"

"کون ہو تم.... کیا بات ہے؟" لڑکا گھبرا گیا۔

"ڈرو نہیں اوئے میں گاما ہوں۔" گامے نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشی کی..... "ہمارے ڈیرے کا کیا حال احوال ہے؟"

"ڈیرے کے پھاٹک پر دو پولیس والے کھڑے ہیں۔" ندیم نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بتایا۔ "وہ کسی کو اندر نہیں جانے دیتے۔ آج کوئی کوچوان تانگہ لے کر بھی نہیں گیا۔ پر بات کیا ہے گاما بھائی سنا ہے رات کو پھر یہاں کوئی ہنگامہ ہوا تھا۔"

"پتہ نہیں کیا ہوا تھا۔ میں تو ڈیرے میں تھا ہی نہیں۔ قصور گیا ہوا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے یا ہوں تو کسی نے مجھے ادھر جانے سے منع کر دیا تھا سنا ہے رات کو سراج گولی لگنے سے مر گیا

تھا۔"

"سنا تو یہی ہے۔" ندیم نے کہا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" گامے نے پوچھا۔

"استاد کے لئے چائے لینے جا رہا ہوں۔" ندیم نے جواب دیا۔

"اچھا جا..... مگر کسی کو بتانا نہیں کہ میں تجھے ملا تھا۔" گامے نے کہا۔ ندیم ہوٹل کی طرف چلا گیا۔ گاما کچھ دیر وہاں کھڑا رہا پھر ایک اور گلی میں مڑ گیا۔

گاما مختلف گلیوں میں ہوتا ہوا دوبارہ ماسی مہراں کے مکان پر پہنچ گیا اور شارق کو صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

"میرا خیال ہے شارق باؤ۔" وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ہمیں تھانیدار سے مل ہی لینا چاہئے۔ ہم ڈیرے کو چھوڑ تو نہیں سکتے نا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا چلو..... ابھی چلتے ہیں۔" شارق اٹھ گیا۔

ثمینہ اور نوکھے کو انہوں نے ماسی مہراں کے مکان پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ مکان سے نکلتے ہوئے ان دونوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ لیکن دو تین گلیاں گھومنے کے بعد انہوں نے چادریں اتار دیں اور اب بے خوفی سے چل رہے تھے۔

پولیس اسٹیشن پہنچنے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ ایس ایچ او اس وقت تھانے سے نکل رہا تھا لیکن انہیں دیکھ کر رک گیا اس کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اگر تم نہ آتے تو ہم تمہیں تلاش کر لیتے۔"

"ہم نے آپ کو زحمت سے بچا لیا۔" شارق نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ویسے ہم اور آپ ایک دوسرے سے الگ تو نہیں رہ سکتے نا۔ ہم جیسے لوگوں کا اور پولیس کا تو چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔"

وہ لوگ باتیں کرتے ہوئے ایس ایچ او کے کمرے میں آ گئے تھے۔ ایس ایچ او نے ایک کانسٹیبل کو بلا کر چائے لانے کے لئے کہہ دیا۔ شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ گویا صورت حال ان کے لئے زیادہ سنگین نہیں تھی۔

"دیکھو شارق۔" ایس ایچ او نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم یہاں منشیات کا اڈہ چلا رہے ہو۔ دھندہ چوری چھپے ہو رہا ہے بات بن جاتی ہے۔ لیکن یہ روز روز کے ہنگامے، قتل و غارت، لاشوں کا گرنا..... اس کی میں اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ کوئی جنگل تو نہیں ہے۔ گنجان

آبادی ہے۔ چاروں طرف شریف لوگ رہتے ہیں۔ ہر شخص سکون کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ لیکن تم لوگوں کی وجہ سے لوگوں کا سکون غارت ہو گیا ہے۔ پہلے تو لوگ شکایت کرنے ہمارے پاس آتے تھے۔ لیکن اب ہم پر سے ان کا اعتماد اٹھ چکا ہے۔ اب وہ اپنی شکایتیں لے کر سیدھے اعلیٰ افسران کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ہم پر دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ افسران جواب طلبی کرتے ہیں۔ ہمیں بھی نوکری کرنی ہے اور یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ ہمیں کسی کارروائی پر مجبور کر رہا ہے۔ آخر ہمیں بھی تو اپنی کچھ کارکردگی دکھانی ہے نا۔ اب بتاؤ میں کیا کروں۔"

"میں آپ کی بات کو سمجھ رہا ہوں۔" شارق نے اس کے خاموش ہونے پر جواب دیا۔

"لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کل رات جو کچھ بھی ہوا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے میں اور گاما کل شام قصور چلے گئے تھے۔ ڈیرے پر کوچوان سراج تھا۔ مجھے تو آج واپس آ کر پتہ چلا ہے کہ کسی نے رات کو ڈیرے پر حملہ کر دیا تھا جس میں بیچارہ سراج مارا گیا۔ اس کی موت کا مجھے بے حد افسوس ہے۔"

"حملہ آور کون تھے؟" انسپکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" شارق نے جواب دیا۔

"دو دن پہلے گلی کے نکڑ پر بوری میں بند ایک لاش ملی تھی۔ جسے گاما نے حفیظ کے نام سے شناخت کیا تھا۔ تمہارے خیال میں حفیظ کا قاتل کون ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر نے پوچھا۔

"کیا کہہ سکتا ہوں؟" شارق نے کہا۔ "مجھے تو یہ پتہ چلا ہے کہ حفیظ کو کسی اور جگہ تشدد کر کے ہلاک کیا گیا تھا اور اس کی لاش بوری میں بند کر کے یہاں ڈال دی گئی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا شاید ہمیں پھنسانا چاہتا تھا۔"

"لیکن پھنس گئے ہم پولیس والے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "اب کل رات کا واقع ہے۔ ہمیں پھر ایک لاش تمہارے ڈیرے سے اٹھانی پڑی۔ آخر میں کیا کروں..... یہ واقعہ بہت سنگین ہے۔ مجھے کسی کی گرفتاری تو دکھانی ہو گی۔"

"آپ کو گرفتاری مل جائے گی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کل شام کو مجید آپ کو گرفتاری دے دے گا۔ لیکن اس پر ذرا ہلکا ہاتھ رکھنا۔"

"مجید رہڑے والا؟" انسپکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں..." شارق نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیوں اس بیچارے کو پھنسا رہے ہو۔" انسپکٹر بولا۔

"اس لئے تو کہا ہے کہ ہاتھ ذرا ہلکا رکھنا۔ ہم عدالت سے اسے ضمانت پر چھڑا لیں گے۔"

شارق نے جواب دیا۔ "اس طرح تمہاری کارکردگی بھی افسروں کی نظروں میں آ جائے گی اور ہمارا کام بھی ہو جائے گا۔"

انسپکٹر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسی دوران کانسٹیبل چائے لے آیا۔ اس نے ایک ایک کپ ان کے سامنے رکھ دیا۔

"اور نولکھا کا کیا چکر ہے۔" انسپکٹر نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "سنا ہے وہ فیصل آباد میں کوئی قتل کر کے بھاگا ہوا ہے اور یہاں بھی اس کے خلاف اغواء کی رپورٹ درج ہے۔ دو تین دن پہلے انسپکٹر عثمان بھی اس کی تلاش میں تمہارے ڈیرے پر آیا تھا۔"

"نولکھا آیا تھا میرے پاس۔ لیکن ایک رات رہ کر واپس چلا گیا تھا مگر یہ کئی روز پہلے کی بات ہے اس کے بعد نولکھا سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔" شارق نے جواب دیا۔

"اور وہ لڑکی کہاں ہے؟" انسپکٹر نے آگے جھکتے ہوئے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھے لڑکیوں کا کوئی شوق نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"پتہ نہیں کس نے کہہ دیا ہے کہ وہ لڑکی میرے پاس ہے حالانکہ میں تو اسے جانتا بھی نہیں۔ کبھی دیکھا تک نہیں اسے۔"

"ٹھیک ہے۔ ایک دن یہ بات بھی سامنے آ جائے گی۔" انسپکٹر نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تم جو کچھ بھی کرو مجھے اس کی پرواہ نہیں لیکن ذرا ہمارا خیال رکھا کرو۔"

"تمہیں تو تمہارا حصہ ملتا ہی رہتا ہے اور کیا چاہتے ہو؟" شارق نے کہا۔

"گھر والی نے دو تین دن سے ناک میں دم کر رکھا ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "ریفریجریٹر پرانا ہو گیا ہے۔ اکثر بند ہو جاتا ہے اور تم جانتے ہو کہ نیا فرج خریدنا....."

"کل نیا فرج تمہارے گھر پہنچ جائے گا۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی پھر گاما کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "گھر کا پتہ سمجھ لو گاما۔ کل صبح سب سے پہلا کام تم نے یہی کرنا ہے۔ بھولنا مت۔"

"میں نے ان کا مکان دیکھا ہوا ہے۔ فرج کل صبح ہی پہنچ جائے گا۔" گاما نے جواب دیا۔

"اور اب اپنے سنتریوں کو بھی وہاں سے ہٹا لو۔" شارق نے انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ جاؤ۔ میں پیغام بھیج دیتا ہوں۔ دونوں سنتری وہاں سے ہٹ جائیں گے۔" انسپکٹر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

شارق اور گاما بھی اٹھ گئے اور وہ انسپکٹر کے ساتھ ہی تھانے سے باہر آ گئے۔ تھانے سے باہر نکل کر انسپکٹر جیپ کی طرف بڑھ گیا اور وہ دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے سامنے والی گلی کی طرف چلے

گئے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد وہ لوگ اپنے ڈیرے پر موجود تھے۔ ثمینہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ شارق نولکھا کے لئے فکر مند تھا۔ وہ انسپکٹر عثمان کو اچھی طرح جانتا تھا۔ نولکھا کا بہنوئی ناصر علی بے گناہ تھا اس لئے انسپکٹر عثمان نے دس ہزار روپے لے کر اسے چھوڑ دیا تھا لیکن نولکھا کے خلاف تو باقاعدہ رپورٹ لکھوائی گئی تھی۔ ممکن ہے اسے نولکھا کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل ہو گئی ہوں۔ انسپکٹر عثمان کو ملنے والی یہ اطلاع بھی درست تھی کہ نولکھا شارق کے ڈیرے پر چھپا ہوا ہے۔ یہ تو نولکھا کی خوش قسمتی تھی کہ جس وقت انسپکٹر عثمان ڈیرے پر آیا تھا اس سے تھوڑی دیر پہلے ہی نولکھا باہر جا چکا تھا اس طرح وہ بچ گیا تھا۔ لیکن دوسری مرتبہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا شارق کو یقین تھا کہ انسپکٹر عثمان دوبارہ ضرور آئے گا۔

"گامے!" وہ گامے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم نولکھا کو لے کر راجے کی طرف چلے جاؤ۔ نولکھا کو راجہ کے ساتھ رات ہی کو ملتان روڈ والی حویلی بھیج دو۔ یا راجہ اگر مناسب سمجھے تو نولکھا کو رات اپنے پاس رکھ لے اور صبح سویرے ہی یہ دونوں حویلی چلے جائیں۔ انسپکٹر عثمان کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ اگر اس نے رات کو یہاں چھاپہ مار دیا تو یہ بچ نہیں سکے گا۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔ میں اسے لے کر ابھی چلا جاتا ہوں۔ مگر تم لوگ؟" گاما نے باری باری شارق اور ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"ہم بھی تھوڑی دیر میں یہاں سے نکل جائیں گے اور صبح تم اس حرام خور کے گھر فرج کی نامت بھولنا۔" شارق نے کہا۔

"فرج پہنچ جائے گا۔" گامے نے کہا۔ پھر نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "چل یار۔ تمہیں راجے کے پاس چھوڑ ہی آؤں۔"

"ہم بھی تمہارے ساتھ ہی نکل رہے ہیں۔" شارق نے کہتے ہوئے ثمینہ کو اشارہ کیا۔

ثمینہ فوراً ہی اٹھ گئی وہ چاروں طویلے سے اکٹھے ہی نکلے تھے۔ پھاٹک سے نکلتے ہی ان کے راستے مختلف ہو گئے۔ نولکھا اور گاما ایک طرف مڑ گئے۔ ثمینہ اور شارق دوسری طرف۔ اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔ بھوک کے مارے ثمینہ کی جان نکلی جا رہی تھی۔ گلیوں ہی گلیوں سے ہوتے ہوئے وہ مزنگ چوک سے بہت دور مین روڈ پر نکل آئے۔ یہ بھی چھوٹا سا چوک تھا۔ کچھ رونق تھی۔ یہاں تکے کباب کی بھی ایک دکان تھی۔ دکان چھوٹی تھی البتہ باہر دیوار کے ساتھ بینچ رکھے ہوئے تھے۔ دو بینچ قدرے تاریکی میں تھے۔ ایک بینچ پر ایک آدمی اور دو عورتیں کباب کھا رہی تھیں۔ شارق بھی ثمینہ کے ساتھ دوسرے بینچ پر بیٹھ گیا اور لڑکے کو تکے

کباب اور نان کا آرڈر دے دیا۔

جب وہ لوگ وہاں سے رخصت ہوئے تو گیارہ بج رہے تھے۔ وہ ایک رکشے پر بیٹھ کر شام نگر پہنچ گئے۔ اس گھر میں قدم رکھتے ہی ثمینہ کو عجیب سے سکون کا احساس ہوا تھا..... نجانے کیا بات تھی کہ وہ جب بھی اس گھر میں آتی اسے بڑا سکون ملتا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس گھر میں تحفظ کا احساس زیادہ تھا۔ وہ دونوں لاؤنج میں آ گئے۔

"تمہارے بازو کی تکلیف کیسی ہے اب؟" ثمینہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اب تو بالکل ٹھیک ہے۔ بس کبھی کبھی تکلیف ہونے لگتی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"تم نے کہا تھا کہ مجھے اپنی ماں اور بہن سے ملاؤ گے۔" ثمینہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم نے ابھی تک اپنا یہ وعدہ پورا نہیں کیا۔"

"ضرور ملاؤں گا۔ لیکن ابھی حالات سازگار نہیں ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "تم دیکھ رہی ہو کہ دس بارہ دن سے ہم کس طرح بھاگتے پھر رہے ہیں۔ ان حالات میں' میں اپنے گھر کا رخ نہیں کر سکتا۔ حالات ذرا بہتر ہو جائیں تو میں تمہیں ان سے ملانے کے لئے ضرور لے جاؤں گا۔"

ثمینہ نے اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہیں کی۔ وہ گزرے ہوئے دنوں کے بارے میں سوچنے لگی۔ عجیب زندگی تھی یہ' ایک ایک لمحہ سنسنی خیز تھا۔ ایک طرف پولیس گھات لگائے بیٹھی تھی اور دوسری طرف ماجھا گجر جیسے دشمن موقع کی تلاش میں تھے۔ وہ خود کئی مرتبہ موت کے منہ میں جاتے جاتے بچی تھی۔ ماجھے گجر کی سفاکی کا مظاہرہ وہ دیکھ چکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس رات اگر وہ اکو کو قتل کر کے کوٹھی سے فرار نہ ہوتی تو ماجھا گجر اس سے شارق کا پتہ معلوم کرنے کے لئے اس کے بخیئے تک ادھیڑ ڈالتا اور اسے اس بات پر بھی حیرت ہوئی تھی کہ دوسرے دن اخبار میں اکو کے قتل کی خبر چھپی تھی لیکن اس قتل کا ذمے دار ایک نامعلوم چور کو ٹھہرایا گیا تھا۔ پوری خبر میں کہیں بھی شارق یا ثمینہ کا تذکرہ نہیں تھا۔ اس نے پولیس سے یہ بات چھپائی تھی کہ اکو کا قتل کسی نامعلوم چور کے ہاتھوں نہیں ثمینہ کے ہاتھوں ہوا تھا۔

پولیس کے سامنے اس کا نام نہ لینے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ماجھا گجر شارق سے اپنے آدمی کے قتل کا بدلہ خود لینا چاہتا تھا اور پھر موقع ملتے ہی کل رات وہ' شارق کے ڈیرے پر چڑھ دوڑا تھا اور اس کے ایک آدمی کو مار کر بھاگ گیا تھا۔ ثمینہ کو یقین تھا کہ اگر وہ دونوں بھی ماجھا گجر کے آدمیوں کے ہاتھ لگ جاتے تو وہ انہیں بھی بھون ڈالتے۔

ثمینہ نے اتنے دنوں میں یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ یہ دونوں گروہ لاہور کی منشیات کی منڈی پر اپنا کنٹرول رکھنے کے لئے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ اس دوران دونوں

رف سے کئی جانیں ضائع ہو چکی تھیں۔ دونوں دشمن ایک دوسرے کے خلاف پولیس کو خفیہ طور اطلاعات تو فراہم کرتے رہتے تھے لیکن اپنا کوئی نقصان ہونے پر دوسرے کے خلاف پولیس میں پورٹ کبھی نہیں لکھواتے تھے۔ پولیس نے جب بھی مداخلت کی تھی انہوں نے یہی کہا تھا کہ علوم حملہ آور تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ حملہ آور کون تھا۔

رات کے دو بج گئے تھے۔ ثمینہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے وازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی وہ سو گئی۔

صبح وہ جلدی اٹھ گئی تھی۔ شارق سو رہا تھا۔ اس نے چائے بنائی اور شارق کو بھی جگا دیا۔

"چائے پی کر تیار ہو جاؤ۔ ناشتہ ہم باہر کریں گے۔ ایک ضروری کام سے جانا ہے۔" شارق نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"کہاں جانا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"گاڑی کا بندوبست کرنا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "اب ہمارے لئے گاڑی بہت ضروری ئی ہے۔ اس کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا۔"

تقریباً دس بجے وہ تیار ہو کر باہر نکلے۔ ثمینہ نے پینٹ شرٹ پہنی تھی۔ اسے یہ لباس اچھا لگا اس لئے اس نے زیادہ تر پینٹ شرٹ پہننے ہی کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے بال مردانہ اسٹائل میں ، ہوئے تھے لیکن اس نے بھیس بدلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پینٹ شرٹ میں اس کے جسم بالائی حصہ نمایاں ہو رہا تھا۔ فیشن ایبل گھروں کی لڑکیاں ایسا لباس تو پہنتی ہی تھیں۔ ثمینہ نے اب اس میں کوئی قباحت نہیں سمجھی۔

وہ مین روڈ پر کسی رکشے کے انتظار میں کھڑے تھے کہ چوبرجی کی طرف سے آنے والی ایک سائیکل ان کے سامنے سے گزر گئی ثمینہ نے موٹر سائیکل سوار کو نہیں دیکھا تھا۔ مگر موٹر یکل سوار نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اس نے موٹر سائیکل کی رفتار ایک دم کم کر دی اور اسے گھما کر ہی آ گیا اور جب موٹر سائیکل ان کے سامنے آ کر رکی تو موٹر سائیکل سوار کو دیکھ کر ثمینہ کا دل ل کر حلق میں آ گیا۔

وہ اس کا باپ شفاعت علی تھا۔

○

پولیس کا سائرن سنتے ہی ماجھا گجر اور اس کے آدمی وہاں سے بھاگے تھے گلی میں کچھ دور ان گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہ دو کاروں میں آئے تھے۔ چار آدمی ایک کار میں بیٹھ گئے اور ماجھا گجر کو لے کر دوسری کار میں بیٹھ گیا۔ اچھو پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا اور ماجھا گجر اسٹیئرنگ کے

سامنے۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو ایک زور دار جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔

وہ رات کا ابتدائی حصہ تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک بھی موجود تھا۔ ماجھا گجر کی کار کی رفتار اگرچہ خطرناک حد تک تیز تھی لیکن وہ ایک ماہر ڈرائیور تھا۔ بڑی ہوشیاری سے اپنی کار کو نکالتا لے گیا۔ اس نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ کسی محفوظ مقام پر چلے جائیں۔ جبکہ اس کی اپنی کار کا رخ راوی کے پل کی طرف تھا۔ اس نے اپنی رائفل اچھو کے حوالے کر دی تھی اور اچھو نے پچھلی سیٹ اٹھا کر ماجھے کی رائفل کے ساتھ اپنی رائفل بھی چھپا دی تھی۔

دریائے راوی پل کے ٹول ٹیکس بوتھ پر ماجھے نے کار کی رفتار ہلکی کر دی اور جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ کار کا ٹیکس اگرچہ دو روپے تھا لیکن اس کے پاس دو روپے کھلے نہیں تھے۔ بوتھ کے قریب پہنچ کر اس نے رفتار مزید ہلکی کر دی اور بوتھ کے سامنے کھڑے ہوئے لڑکے کے ہاتھ میں پانچ روپے کا نوٹ تھما کر کار کی رفتار تیز کر دی۔

تھوڑا ہی آگے جا کر شاہدرہ چوک کی طرف مڑنے کے بجائے اس نے کار بائیں طرف والی سڑک پر گھما دی۔ یہ سڑک مشرق وسطیٰ کے کسی علاقے کا منظر پیش کرتی تھی۔ اس کے دونوں طرف کھجور کے قد آور درخت تھے۔ اس سڑک پر ذرا آگے بائیں طرف تاریخی بارہ دری کی طرف جانے والا راستہ تھا مگر ماجھا گجر کار کو سیدھا لیتا چلا گیا۔

سڑک کے بائیں طرف راوی بہہ رہا تھا اور دائیں طرف کھیتوں کا وسیع سلسلہ تھا۔ تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کی بعد اس نے کار نشیب میں ایک کچے راستے پر موڑ دی۔ اس راستے پر تقریباً دو سو گز آگے ایک خوبصورت مکان تھا۔ ماجھے نے مکان کے سامنے کار روک دی۔ کار روکتے ہی دو تین کتے اس کی طرف لپکے تھے مگر ماجھے نے نیچے اترنے کے بجائے ہارن بجا دیا۔ دو تین مرتبہ ہارن بجانے کے بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی مکان کے پچھلی طرف سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس نے دھوتی اور بنیان پہن رکھی تھی۔

"اوئے سودے!" ماجھے نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ "پہلے ان کتوں کو سنبھال اور پھر بیٹھک کا دروازہ کھول۔"

"اچھا جی۔ ابھی کھولتا ہوں۔" سودے نامی اس شخص نے ماجھے گجر کو پہچان لیا تھا۔ وہ کتوں کو ہشکارتا ہوا مکان کے پچھلی طرف لے گیا۔ اور پھر کچھ ہی دیر بعد اس نے مکان کا دروازہ کھول دیا۔

ماجھا گجر اور اچھو کار سے اتر کر اندر آ گئے۔ یہ بیٹھک تھی۔ کھیتوں میں واقع کسی مکان میں اس قسم کے ڈرائنگ روم کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ وسیع و عریض کمرہ تھا۔ دبیز قالین بچھا ہوا

تھا۔ شاندار اور قیمتی صوفے تھے ایک طرف ٹرالی پر سونی کا رنگین ٹی وی اور اس کے نچلے حصے میں وی سی آر بھی رکھا ہوا تھا۔ آرائش کی ہر چیز قیمتی تھی۔

"بی بی جی کو جگا دوں ملک جی؟" سودے نے پوچھا۔

"نہیں' اسے سونے دے اور تو ہمارے لئے چائے بنا کر لے آ۔ پھر خود بھی جا کر سو جانا۔" ماجھے نے کہا۔

سودا "اچھا" کہتا ہوا اندرونی دروازے میں غائب ہو گیا۔ ماجھا گجر ایک صوفے پر نیم دراز ہو گیا تھا جبکہ اچھو قالین پر لیٹ گیا۔

یہ ماجھا گجر کی بہن عارفہ کا گھر تھا۔ عارفہ اس سے تقریباً چھ سال چھوٹی تھی۔ ماجھے نے بڑی دھوم دھام سے اس کی شادی کی تھی۔ عارفہ کا شوہر عبدالقادر اس علاقے کا ایک معزز زمیندار تھا۔ لیکن شادی کے تقریباً دو سال بعد پڑوس کے ایک زمیندار سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ دوسرے لوگوں کی مداخلت سے بات اس وقت تو رفع دفع ہو گئی تھی لیکن وہ زمیندار انتقام لینے کے لئے موقع کی تاک میں تھا اور ایک روز اسے موقع مل ہی گیا۔ عبدالقادر لاہور شہر گیا ہوا تھا۔ زمیندار کو اندازہ تھا کہ اس کی واپسی کس وقت ہو گی۔ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ راستے پر گھات لگائے بیٹھا رہا اور شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد جب عبدالقادر اپنے یکے پر اس طرف پہنچا تو زمیندار اور اس کے آدمیوں نے حملہ کر دیا اور عبدالقادر اور اس کے ایک نوکر کو قتل کر کے فرار ہو گئے۔

اس وقت عارفہ کی گود میں چھ ماہ کی بچی تھی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد خود ماجھا گجر اور دوسرے رشتہ داروں نے عارفہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ دوسری شادی کر لے۔ ایک دو رشتے بھی آئے تھے مگر عارفہ نے صاف انکار کر دیا۔ بچی کی پرورش کے ساتھ اس نے زمینداری سنبھال لی تھی۔ وہ ایک مثالی زمیندار ثابت ہوئی تھی۔ اس کے مزارع اور دیگر ملازم اس پر جان چھڑکتے تھے۔

ماجھا گجر کبھی کبھار یہاں آیا کرتا تھا۔ لیکن جب سے اس نے بھینسیں بیچ کر ہیروئن کا بزنس شروع کیا تھا اس کے بعد تو اس نے یہاں آنا بہت ہی کم کر دیا تھا۔ اور آج اس نے مجبوراً اس طرف کا رخ کیا تھا لاہور میں اس کے سارے اڈے شارق کی نظروں میں آ گئے تھے۔ اس کی گلبرگ نہر والی کوٹھی بھی محفوظ نہیں رہی تھی۔ اس نے جس طرح شارق کے ڈیرے پر حملہ کیا تھا اسے یقین تھا کہ شارق زندہ نہیں بچ سکے گا لیکن صورت حال اس کے برعکس ثابت ہوئی تھی شارق کا ایک آدمی مارا گیا تھا اور شارق سمیت اس کے باقی ساتھی وہاں سے غائب ہو گئے تھے۔

ماجھا گجر کو یقین تھا کہ شارق آج ہی رات جوابی کارروائی کرے گا اور اسی لئے وہ اس سے چھپنے کے لئے اپنی نہروالی کوٹھی یا کسی اور اڈے پر جانے کے بجائے اپنی بہن کے گھر آ گیا تھا۔ یہاں کے بارے میں اس کے اپنے آدمیوں کو بھی علم نہیں تھا۔ اچھو پہلا آدمی تھا جو اس کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ ویسے بھی یہ علاقہ لاہور میں نہیں ضلع شیخوپورہ کی حدود میں تھا اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ یہاں آیا ہو گا۔

تقریباً بیس منٹ بعد سودا چائے لے کر آیا۔ اس نے ایک ایک کپ دونوں کے سامنے رکھ دیا۔

"کمرہ کھول دوں ملک جی رات تو یہیں رہیں گے نا؟" سودے نے پوچھا۔

"باقی رات اسی صوفے پر لیٹے لیٹے گزار لوں گا۔ کمرہ کھولنے کی ضرورت نہیں۔ تم جا کر سو جاؤ۔" ماجھا گجر نے جواب دیا۔

سودا "اچھا جی!" کہتا ہوا پھر اندرونی دروازے میں غائب ہو گیا۔

ماجھا گجر اور اچھو چائے پیتے رہے۔ ساتھ ہی وہ آج کی صورت حال پر تبصرے بھی کر رہے تھے۔ اچھو کو بھی اس بات پر حیرت تھی کہ شارق اور اس کے ساتھی اچانک ہی کہاں غائب ہو گئے تھے۔

"یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔" ماجھا گجر نے کہا۔ "ہماری طرف سے فائرنگ کے جواب میں کم از کم تین آدمی مختلف جگہوں سے فائرنگ کر رہے تھے۔ لیکن مارا گیا ایک ہی آدمی اور دو غائب ہو گئے۔"

"ماجھے استاد۔" اچھو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم تو بہت عرصہ استاد چھانگا کے ساتھ رہے ہو۔ کئی راتیں بھی تم نے چھانگا کے ڈیرے پر گزاری ہیں۔ کیا تمہیں کبھی پتہ نہیں چلا کہ وہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہو سکتا ہے؟"

"بات تو تو نے بڑے پتے کی کہی ہے۔" ماجھا گجر نے کسی قدر چونکتے ہوئے کہا۔ "چھانگا سے واقعی میری دوستی تھی۔ مجھے اس کاروبار میں لانے والا بھی وہی تھا۔ اس کاروبار کی اونچ نیچ بھی مجھے اسی نے سمجھائی تھی۔ میں کئی مرتبہ رات کو بھی اس کے ڈیرے پر رہا ہوں۔ لیکن وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ اس نے مجھے کبھی اپنے اندر کے راز نہیں بتائے تھے۔ میں نے جیرے کو اس سے توڑنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو سارے مسئلے ہی حل ہو جاتے۔ لیکن جلد بازی میں وہ خود ہی مارا گیا۔ تمہاری یہ بات میرے دل کو لگتی ہے کہ طویلے میں کوئی تہہ خانہ ضرور ہو گا ورنہ وہ لوگ رات کو اس طرح اچانک غائب نہ ہو جاتے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے

کہ وہ تہہ خانہ کہاں ہو سکتا ہے؟"

"مزار کے نیچے!" اچھو نے کہا۔

"نہیں۔" ماجھا نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں کئی مرتبہ اس مزار میں جا چکا ہوں وہاں ایسے کوئی آثار نہیں۔ ویسے بھی چھانگا قبروں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اگر وہاں کوئی تہہ خانہ ہے تو کسی اور جگہ ہو گا.... شاید ان کمروں کے نیچے جہاں بیٹھ کر وہ اپنا کاروبار کرتے ہیں۔"

"ان کا ایک آدمی ہمارے ہاتھ آ جائے تو سارا پتہ چل جائے گا۔" اچھو نے کہا۔

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" ماجھا گجر بولا۔ "ہم نے ان کے کئی آدمی پکڑے ہیں لیکن کسی نے شارق کے خلاف زبان نہیں کھولی۔ نکا پہلوان اور حفیظ کی مثالیں تمہارے سامنے ہیں۔ ان دونوں نے اپنی جانیں دے دیں مگر شارق کا راز نہیں بتایا۔ پتہ نہیں شارق نے ان سب پر کیا جادو کر رکھا ہے۔"

"اس لڑکی کو پکڑو استاد۔" اچھو نے کہا۔ "اگر وہ لڑکی قابو آ جائے تو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ لڑکی ہمارے قبضے میں ہو گی تو شارق بھی تمہارے قدموں میں جھک جائے گا۔"

"اسے تلاش کرنا ہی پڑے گا۔" ماجھے گجر نے چائے کا آخری گھونٹ بھر کر خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اس لڑکی کے ذریعے شارق ہمارے قبضے میں آ سکتا ہے۔"

بقیہ واقعات جاننے کے لئے "دولت کے پجاری" کے تیسرے حصے کا مطالعہ کریں۔